بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

ضابطۂ حیات

تصنیف
شیخ الحدیث والتفسیر
پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
دامت برکاتہم العالیہ

ناشر
رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز، بشیر کالونی سرگودھا
048-3215204 -- 0301-6002250 -- 0303-4367413

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ضابطہ

نام کتاب	ضابطۂ حیات
مصنف	شیخ الحدیث والتفسیر غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
کمپوزنگ	طارق سعید قادری، محمد کاشف سلیم قادری
صفحات	464
بارِ اول 1420ھ	تعداد-1,000
بارِ دوئم 1422ھ	تعداد-1,000
بارِ سوئم 1428ھ	تعداد-2,000
بارِ چہارم 1428ھ	تعداد-1,000
بارِ پنجم 1431ھ	تعداد-1,000
بارِ ششم 1435ھ	تعداد-1,100
بارِ ہفتم 1437ھ	تعداد-1,100
ناشر	رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا
پرنٹر	
قیمت:	500/-

فہرستِ مضامین

الحمدللہ 10

اسلام کی بنیادیں 12

باب اوّل لا الہ الا اللہ 13

اللہ موجود ہے۔ اللہ ایک ہے۔ توحید اور شرک۔ لا الہ الا اللہ کی خوبصورتی۔ لا الہ الا اللہ کی تلقین۔ اللہ پر ایمان لانے کے تقاضے۔

ذکر اللہ 20

انفرادی ذکر۔ اجتماعی ذکر۔ خفی ذکر۔ جہری ذکر۔ نماز کے بعد ذکر بالجہر۔ میدانِ جنگ میں ذکر۔ ذکر کے فضائل اور اہمیت پر احادیث۔ ایک شُبہ کا ازالہ۔ ترکِ ذکر پر وعیدیں۔ ذاکرین کے مراتب۔ اطمینانِ قلب۔ صفائے قلب۔ ارتقاءِ قلب۔ فناء وانتہائے قرب۔ بقاء وعبدیت۔ لا الہ الا اللہ کا ذکر۔

استغفار 32

جسمانی امراض۔ استدراک۔ تنگ دستی اور گھریلو مشکلات۔ حکمرانوں کی زیادتیاں۔ پوری دنیا میں فساد۔ فکرِ آخرت۔ استغفار کرنے والوں کے مراتب۔ امیدِ کرم۔ استغفار کے الفاظ۔

دعا 37

دعا مانگنے کا حکم۔ دعا کی فضیلت۔ دعا مانگنے کے آداب۔ دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ اور کہاں جائیں؟ دعا میں توسل۔ چند دعائیں۔ مخصوص اوقات میں پڑھنے کی دعائیں۔

محبتِ الٰہی 58

محبت۔ شدید محبت۔ اشد محبت (عشق)۔

باب دوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 63

اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 64

اسمِ محمد ﷺ کے معنی۔ اسمِ محمد کالفظی حسن۔ قاعدہ کلیہ۔

شانِ رسالت میں پہلی آیت (اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ) 68

تورات میں بشارات۔ زبور میں بشارات۔ عشقیہ غزل۔ نعتِ رسول اللہ ﷺ۔
انجیل میں بشارات۔

دوسری آیت (قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ) 77

آپ ﷺ کا اوّل الخلق ہونا۔ میلاد النبی ﷺ۔

تیسری آیت (اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِداً) 80

چوتھی آیت (لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ) 82

پانچویں آیت (وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ) 85

چھٹی آیت (لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ) 86

ساتویں آیت (وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ) 87

آٹھویں آیت (ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ) 87

حجیتِ حدیث۔ ایک دلچسپ سوال۔

نویں آیت (وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ) 90

احکامِ شرعیہ

دسویں آیت (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی) 91

جامع کلام

علمِ ترجیحات 95

ذاتی معاملات میں ترجیحات۔ معاشرتی معاملات میں ترجیحات۔ دینی معاملات میں ترجیحات۔ مسائلِ طریقت میں ترجیحات۔ عمومی معاملات میں ترجیحات۔ طبّی معاملات میں ترجیحات۔

گیارہویں آیت (وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ) 98

اسلام کا اخلاقی ضابطہ۔ اخلاق کی تعریف۔ ہر مسلمان کا عمومی اخلاق۔ اخلاق کی اہمیت۔ بدگمانی مت کرو۔ زبان کو قابو میں رکھو۔ لوگوں سے محبت اور شفقت۔ حسد نہ کر۔ غصہ نہ کر۔ تکبر نہ کر۔ معاف کر دیا کرو۔ وعدہ وفا کر۔ وفائے عہد پر قرآنی آیات۔ وفائے عہد پر احادیث۔ وقت کی پابندی۔ اللہ کریم سے اچھے اخلاق مانگو۔ بعثتِ محبوب ﷺ۔ مبلغِ اسلام کا خصوصی اخلاق۔ دوستوں کے راز فاش مت کرو۔ اگر تحقیق میں غلطی ہو جائے۔ مبلغین پر شیطان کا خصوصی حملہ۔ تصوف سراسر اخلاق ہے۔ ایثار اور قربانی کا جذبہ۔ نکتۂ خاص۔ اسلام کا معاشرتی ضابطہ۔ میاں بیوی کے حقوق۔ خاندانی منصوبہ بندی۔ اولاد کے حقوق۔ ماں باپ سے حسنِ سلوک۔ پڑوسیوں کے حقوق۔ مہمان نوازی۔ تمام مسلمانوں کے حقوق۔ حاجت روائی، مشکل کشائی اور پردہ پوشی۔ تمام انسانوں کے حقوق۔ تمام مخلوق کے حقوق۔ نصیحت نامہ۔

بارہویں آیت (وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ) 158

اسلام کا تعلیمی ضابطہ 160

سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا خلاصہ۔ نبی کریم ﷺ کا فرضِ منصبی اور تعلیمات۔ نبی کریم ﷺ کے علم کے امین کون کون۔ عظیم ترین شہرِ علم کے بیشمار دروازے۔

تدریس کا شرعی ضابطہ 174

مدرسے کا معیار۔ داخلہ کی شرائط۔ طالب العلم کے فرائض۔ طریقۂ تدریس۔ امتحانات۔

تیرہویں آیت (وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی) 195

چودھویں آیت(وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی)	195
پندرہویں آیت(وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ)	196
سولہویں آیت(وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ)	199
سترہویں آیت(اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ)	201
اٹھارہویں آیت(وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُوْکَ)	203
اُنیسویں آیت(عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَحْمُوْداً) شفاعت کی وجاہت	204
بیسویں آیت(وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا) دیگر معجزات۔معجزہ اور کرامت میں فرق۔قرآن پڑھنے کے آداب۔	206
اکیسویں آیت(سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً) نکات۔تنبیہہ۔	214
بائیسویں آیت(اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ) مرشد کی ضرورت۔	223
تئیسویں آیت(اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ) اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم۔	225
چوبیسویں آیت(کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ) شانِ صحابہ وخلفاءِ راشدین ۔اجماعِ امت۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۔ ترک امرونہی کا وبال۔اللہ کی لعنت۔عذابِ الٰہی۔پھر دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔امر و نہی کرنے والوں کے مختلف طبقات۔خروج و انقلاب۔حدود و تعزیرات کا اجراء اور اقامۃ الصلوٰۃ۔جہاد بالسّیف۔جنگ کا ضابطہ۔منکرین جہاد	228

کا انجام۔کلام ومناظرہ وتردیدِ باطل۔تفقہ فی الدین اور فقہی راہنمائی۔اپنی رعایا اور اہل وعیال کوامر ونہی۔من وعن ابلاغ۔ظاہر اور واضح معروف ومنکر کا ہر کسی کوامر ونہی۔اخلاص۔حصولِ علم۔عمل۔بدکلامی سے پرہیز۔تعلیم میں تدارج۔ ہمہ وقتی اور لمبی تقریر سے پرہیز۔جہلا سے مت الجھیں۔لوگوں کی سمجھ سے بالاتر بات نہ کریں۔فقہی اختلافات کو ہوا نہ دیں۔بحث کا طریقہ۔کسی کو کافر بنے میں جلدی نہ کریں۔تبلیغ کو نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کریں۔نرمی اور سختی کے مواقع۔ دعائے نصرت۔دلبرداشتہ نہ ہوں اور تنگڑے رہیں۔

اسلامی حکومت کا قیام 251

اسلام میں سیاست کی اہمیت۔اسلامی حکومت کا قیام کیوں ضروری ہے۔جہاد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔احساسِ ذمہ داری۔سیاسی انقلاب کا شرعی طریقہ۔ جہاں تک ہو سکے حکمرانوں سے درگزر کرو۔مسلمانوں کی جمعیت کو قائم رکھو۔ حکمرانوں کی نافرمانی کب ضروری ہے۔خروج وانقلاب کی نوبت۔انقلاب کا طریقہ۔

اسلام کا سیاسی ضابطہ 260

شوریٰ۔عدالت۔خارجہ پالیسی۔اسلام اور جمہوریت۔

پچیسویں آیت (وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الآية) 265

تقلید۔اجتہاد کا دائرہ اور حدود۔فقہ حنفی۔فروعی اختلاف۔فروعی اختلاف پر پابندیاں۔پہلی پابندی۔دوسری پابندی۔تیسری پابندی۔چوتھی پابندی۔ پانچویں پابندی۔اجتہاد جاری ہے مگر کہاں اجتہاد کرنا چاہیے۔شریعت کے ماخذ۔

چھبیسویں آیت (مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُم) 274

ختمِ نبوت پر مزید قرآنی آیات۔ختمِ نبوت پر احادیث۔حیاتِ مسیح علیہ السلام۔ ردِ عیسائیت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا۔ظہورِ مہدی۔شناخت۔فردِ واحد کے مختلف دعوے۔

ستائیسویں آیت(اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ) 295
صلوٰۃ کے لفظی معنی۔شرعی معنی۔درود شریف کا مقصود۔سیاق وسباق اور شانِ نزول۔
فضائلِ درود پر احادیث۔چند درود شریف۔

اٹھائیسویں آیت(لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ) 306
ندائے یارسول اللہ ﷺ

اُنتیسویں آیت(وَتَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ) 308
ایمانِ والدین شریفین۔نعت کی تاریخ۔چند نعتیں۔عربی نعت۔فارسی نعت۔
پشتو نعت۔سندھی نعت۔انگریزی نعت۔اُردو نعت۔پنجابی نعت۔سرائیکی
زبان میں صوفیانہ کلام۔نقطوں کے بغیر نعت۔جمالِ مصطفیٰ۔الشفاء بجمال المصطفی
علیہ التحیۃ والثنا۔شعراء سے گزارش۔

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے تقاضے 333
محبتِ رسول ﷺ۔اندازِ بلالی۔تعظیم رسول ﷺ۔اطاعتِ رسول ﷺ۔اللہ
کا شکر۔کثرتِ درود وسلام۔اسلامی عقائد کا خلاصہ

باب سوم نماز 351
نماز کی اہمیت۔نماز کے مسائل۔عورتوں کے مسائل۔خواتین کیلئے خاص تربیتی باتیں۔
قطعہ۔نقش نعلین اوقاتِ نماز۔اذان۔شرائطِ نماز۔نماز کے فرائض۔نماز کے
واجبات۔نماز کی سنتیں۔نماز کے آداب۔سجدۂ سہو۔امام کے پیچھے قرأۃ نہ
کریں۔رفع یدین نہ کریں۔آمین آہستہ کہیں۔امامت۔نماز میں بے وضو ہو
جانا۔قرأۃ کے مسائل۔پانچ نمازوں میں رکعتوں کی تعداد۔بیس رکعات
تراویح۔چند اہم نوافل۔سجدۂ تلاوت۔استخارہ۔مریض کی نماز۔مسافر کی نماز۔
جمعہ کی نماز۔عید کی نماز۔جنازہ کے مسائل۔غُسلِ میّت۔کفنِ میّت۔نمازِ جنازہ۔
جنازے کے بعد دعا۔غائبانہ نمازِ جنازہ۔نبی کریم ﷺ کی نمازِ جنازہ۔دفن کے

بعد۔قبر پر اذان۔ایصالِ ثواب۔زیارتِ قبور۔دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا۔مردے سنتے ہیں۔ میراث کے مسائل۔ ریاضی ، سائنس اور جغرافیہ کی دینی اہمیت۔ ریاضی۔ سائنس۔ جغرافیہ۔ خطبات۔ تقریر کرنے کا طریقہ۔ رحم کی اپیل۔

باب چہارم — زکوٰۃ — 405

زکوٰۃ کی اہمیت۔زکوٰۃ کے مسائل۔صدقۂ فطر۔صدقات کی اقسام۔

اسلام کا معاشی ضابطہ — 408

انفرادی سطح پر۔ دولت کی پیدائش اور تقسیم۔ سرکاری سطح پر۔ مالیاتی پالیسی۔ ملازم اور مزدور کے مسائل۔ اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام۔ اسلام اور اشتراکیت۔ بھیک مانگنا۔مصنوعی غربت۔ بیمہ پالیسی۔ چند اہم مسائل۔

باب پنجم — روزہ — 419

روزے کی اہمیت۔روزے کے مسائل۔افطار کا وقت۔اعتکاف۔لیلۃ القدر۔

لمس الطبیب من طب الحبیب — 426

کلونجی۔شہد۔سَنا مکی۔اہم بات۔ دیگر ادویہ۔ آدابِ طعام۔طبّی نقشہ۔ نفسیاتی مسائل کا حل۔

باب ششم — حج — 433

حج کی اہمیت۔حج کے مسائل۔حج کا طریقہ۔حج کے دوران ہونے والی غلطیاں اوران کا کفارہ۔خطبہ حجۃ الوداع۔عمرہ۔قربانی۔ذبح کرنے کا طریقہ۔

زیارت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — 453

سوالات۔ انتساب۔

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ

الحمدللہ دینی مطالعہ رکھنے والے بے شمار احباب کی طرف سے اس کتاب کو پذیرائی ملتی رہی ہے مگر فقیر اسے ان دوستوں کے محض حسن ظن یا نا سمجھی پر محمول کرتا رہا لیکن بعض جید ترین علماء نے وقتاً فوقتاً اپنے طالب علم بھیج کر اس کتاب کے کئی نسخے منگوائے۔

حضرت علامہ محمد فضل رسول صاحب سیالوی نے نہایت مشفقانہ خیالات کا اظہار فرمایا۔

حضرت علامہ محمد انور صاحب قریشی نے فرمایا کہ میں خود اسی طرح کی کتاب لکھنا چاہتا تھا مگر تمہاری کتاب پڑھنے کے بعد مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی نے فرمایا کہ اس کتاب میں اچھی معلومات آ گئی ہیں۔

مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم صاحب ہزاروی رحمت اللہ علیہ نے بغیر کسی فرمائش کے ازخود فقیر کے نام خط لکھا۔ انہوں نے لکھا

''آپ کی کتاب ''ضابطۂ حیات'' کا مطالعہ کیا۔ حکیمانہ فکر پر مبارک باد پیش کرتا ہوں''۔

عبدالقیوم ہزاروی

دنیائے اسلام کے اس عظیم سپوت کے اظہارِ خیال کے بعد فقیر اسے پہلی خوشخبری ''عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنُ'' سمجھتے ہوئے اللہ کریم جل مجدہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر شکر گزار ہے کہ اس نے اپنے پیاروں کی زبان پر ایسے حوصلہ افزا کلمات جاری فرما دیے اور وہ بھی اس مسکین اور بے مایہ کی تصنیف کے حق میں جو کھر پے سے گھاس کاٹتے کاٹتے، جانور چراتے چراتے اور ان کا گوبر اکٹھا کرتے کرتے شباب کو پہنچا۔ مجھے میری اوقات معلوم ہے مگر کیا عرض کیا جائے اس رب ذوالکمال کے فضل کے بارے میں جو ہماری اوقات کو نظر انداز کرتا رہتا ہے اور اپنے بے پایاں فضل اور شانِ کریمی پر نگاہ رکھتا ہے۔

یارب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

فقیر پر تقصیر غلام رسول قاسمی

☆......☆......☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ

وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اسلام کی بنیادیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ

وَ رَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلوٰةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکوٰةِ وَ الْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ

اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا (بخاری حدیث رقم:۸، مسلم حدیث رقم: ۱۴، ترمذی حدیث رقم: ۲۶۰۹)۔

اس کتاب میں اسلام کی انہی پانچ بنیادوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے چھ باب ہیں۔

۱۔لا الہ الا اللہ	۲۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۳۔نماز	۴۔زکوٰۃ
۵۔روزہ	۶۔حج

باب اوّل

لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ الا اللہ

اللہ موجود ہے

دنیا کا ہر انسان اللہ تعالیٰ کو ماننے پر مجبور ہے۔ زبان سے کوئی اقرار کرے یا نہ کرے اس کا حال ضرور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔ اللہ اپنی قدرت اور کاریگری سے ہر لحظہ پہچانا جا رہا ہے۔ انسان اگر اپنے وجود پر غور کرے تو اس کا ہر ہر عضو اور بدن کا پورا نظامِ حیات اسے جھنجھوڑ کر اپنے خالق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ کریم فرماتا ہے: **يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ** یعنی اے انسان تجھے کون سی چیز نے تیرے ربِ کریم سے غافل کر دیا جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے سڈول بنایا، پھر تجھے اعتدال اور تناسب بخشا۔ جس صورت میں چاہا تجھے مرکب کر دیا (الانفطار: ٦ تا ٨)۔

انسان اگر اپنے نہ ہونے کا زمانہ یاد کرے، پھر پیدا ہونا اور مرنا یاد کرے اور اس پر غور کرے کہ مرنے کے بعد لوگ کہاں چلے جاتے ہیں اور میں کہاں جاؤں گا، میرے ساتھ کیا ہوگا، تو اس کا ذہن لاعلمی اور بے بسی کے عالم میں کسی علیم و خبیر اور قادرِ مطلق ذات کی طرف منتقل ہو جائے گا جس کے پاس ان باتوں کا جواب موجود ہے۔

اللہ کریم جل شانہ ارشاد فرماتا ہے: **كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيٰكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** یعنی تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو جب کہ تم نہیں تھے تو اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (البقرۃ: ٢٨)۔

اپنی ذات سے باہر نکلے تو تختۂ زمین اور چاروں طرف پھیلا ہوا آسمان، یہ چاند، ستارے، سورج، یہ بارش اور فصلیں، یہ دن رات کا آنا جانا، یہ کشتیاں اور جہاز، چاند سورج کا اپنے وقتِ مقررہ پر طلوع اور غروب ہونا، چاند کا ایک خاص حساب سے گھٹنا اور بڑھنا، سردی اور گرمی کے

موسم گویا پوری کائنات ایک نظام کے تحت چل رہی ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں، اور دریا میں چلنے والی کشتیوں میں جو لوگوں کیلئے فائدہ مند ہیں، اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا، پھر اسکے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور زمین میں ہر طرح کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے پھیرنے میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ کے حکم کے پابند ہیں، ان تمام چیزوں میں عقلمندوں کیلئے اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں موجود ہیں (البقرۃ: ۱۶۴)۔

ایک بڑھیا سے کسی نے پوچھا کہ تیرے پاس اللہ کے موجود ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ اس نے کہا میرا چرخہ اس کا ثبوت ہے۔ جب تک اپنے چرخے کو خود اٹھ کر نہ گھماؤں اور اس میں روئی کا گالا نہ لگاؤں یہ کبھی سوت نہیں بناتا۔ جب ایک چھوٹا سا چرخہ میرے چلانے کا محتاج ہے تو زمین و آسمان کا یہ اتنا بڑا چرخہ کسی چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتا ہے؟

انسان اگر گھوم پھر کر دنیا کا جغرافیائی جائزہ لے تو دنیا کے مختلف جانور، میدان، پہاڑ، فرشِ زمین اور آسمان کی چھت اسے پکار پکار کر ان چیزوں کے خالق کی خبر دیتی ہیں۔

اللہ کریم فرماتا ہے: اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ یعنی کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح اٹھایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کس طرح نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے (الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک خدا کے منکر سے مناظرہ ہوا۔ آپ نے پوچھا کیا

کام کرتے ہو؟ اس نے کہا سمندری تجارت کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تیری کشتی کبھی طوفان میں پھنسی؟ اس نے کہا جی ہاں ایک مرتبہ پھنس گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اس وقت سوچا تھا کہ کاش کوئی مجھے بچانے والا ہو۔ اس نے کہا جی ہاں میرا ذہن واقعی کسی بچانے والے کی طرف چلا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا وہی تیرا خدا ہے جس کی طرف متوجہ ہونے پر تو مجبور ہو گیا تھا (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۴)۔ معلوم ہوا کہ خدا کا نہ ماننے والا بھی در پردہ خدا کو ماننے پر مجبور ہے۔

اللہ ایک ہے

اللہ ایک ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ اگر خدا دو ہوتے تو اگر ان میں سے ایک خدا کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا اور دوسرا اس کے برعکس ارادہ کرتا تو ان کے ارادے مختلف ہونے کی وجہ سے فساد ہو جاتا، اس لیے کہ ایک ہی چیز کا ہونا اور اسی وقت میں اسی چیز کا نہ ہونا دو متضاد چیزوں کو واقع ہونا پڑتا۔ اور اگر دونوں خدا ایک ہی جیسا ارادہ کرتے تو ان کا ارادہ ایک ہونے کی وجہ سے بھی فساد ہوتا، اس لیے کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام پر دو دفعہ قرار نہ پکڑ سکتی۔ اور اگر ایک ارادہ کرے اور دوسرا نہ کرے تو ایک کو دوسرے پر بلا وجہ ترجیح حاصل ہو جائے گی اور جس پر کوئی ترجیح حاصل کرے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس نہایت علمی گفتگو کو اللہ تعالیٰ نہایت سادہ لفظوں میں اس طرح بیان فرماتا ہے : لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا یعنی اگر اللہ کے سواء زمین و آسمان کا کوئی خدا ہوتا تو فساد ہو جاتا (انبیآء:۲۲)۔

اللہ تعالیٰ کی توحید عقل سے ثابت ہے لہٰذا اگر کسی شخص کو ساری زندگی رسالت کا پیغام نہ مل سکا ہو تو اس کے مومن اور مغفور ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو۔

توحید اور شرک

اللہ کو ایک ماننا توحید کہلاتا ہے۔ ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننا شرک کہلاتا ہے۔ عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں یہ شرک ہے۔ مجوسی آگ کو خدا مانتے ہیں یہ بھی شرک ہے۔ بت پرست بتوں کی عبادت کرتے ہیں یہ بھی شرک ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی طرح کسی اور کو ہمیشہ

سے موجود سمجھنا یا عبادت کے لائق سمجھنا شرک ہے۔ مشرکین مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ کہتے تھے مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفیٰ یعنی ہم بتوں کی عبادت اِس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں (الزمر:۳)۔

یہ بتوں کی عبادت ان کا شرک تھا۔ اللہ کا قرب حاصل کرنا اچھی بات ہے مگر اس کی خاطر کسی کی عبادت کرنے لگ جانا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب فراہم کرنے کے لیے بُت نہیں بنائے بلکہ انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں۔ انبیاء، اولیاء، مشائخ اور اساتذہ کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہی مانا جاتا ہے۔ یہی اللہ کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ جبکہ بتوں کو ماننا ممنوع ہے اور ان کی عبادت کرنا تو نرا ہی ظلم ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی الوہیت کسی کو عطا ہوسکتی ہے۔ ہاں البتہ علم، قدرت، سننا، دیکھنا وغیرہ ایسی صفات ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کردی ہیں۔ اللہ کی صفات مستقل اور ذاتی ہیں جبکہ بندوں کی یہ صفات غیر مستقل اور عطائی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے لیکن اس نے بندوں کو بھی سمیع وبصیر بنایا ہے (الدھر:۲)۔ مخلوق کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اِذن وعطا کے ساتھ پرندوں کو خلق کرتے تھے (آلِ عمران:۴۹)۔ کسی کو موت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت ہیں اور اللہ کے اِذن سے لوگوں کو موت دیتے ہیں (السجدہ:۱۱)۔ مردے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اِذن وعطا کے ساتھ مردے زندہ کرتے تھے (آلِ عمران:۴۹)۔ اولاد عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں آپ کو بیٹا دینے آیا ہوں (مریم:۱۹)۔

معلوم ہوا کہ جہاں اللہ کا اِذن وعطا آجائے وہاں شرک ختم ہوجاتا ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی خوبصورتی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔

لَآ اِلٰہَ (کوئی معبود نہیں) کے ساتھ مکمل نفی کردینا اور اِلَّا اللّٰہُ (سوائے اللہ کے) کے

ساتھ صرف اور صرف اللہ کی ذات کا اثبات کرنا توحید کے اقرار کا زبردست طریقہ ہے۔ ان الفاظ میں جو کاٹ موجود ہے وہ دنیا کے کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں۔ لَآ اِلٰہَ کی تلوار کے ساتھ مکمل نفی کر دی گویا قلبِ مومن کے تمام زنگ کو کھرچ ڈالا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہر چیز کو صاف کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے اور دل کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے (مشکوٰۃ حدیث رقم: ۲۲۸۶ و عزاہ الی البیہقی فی الدعوات الکبیر) اور تمام ذکروں سے افضل لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ہے (ترمذی حدیث رقم: ۳۳۸۳، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۸۰۰)۔ لَآ اِلٰـہَ کے ساتھ مکمل صفائی ہوگئی تو اب یہ گھر (یعنی دل) اس قابل ہو گیا کہ وہ معبودِ حقیقی اس میں آ بسے۔ لہٰذا اَب اس ذات کا اثبات کرتے ہوئے فرمایا اِلَّا اللّٰہُ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین

امام احمد، بزار اور طبرانی وغیرہ نے سندِ حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا کیا یہاں کوئی اہلِ کتاب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کر دو۔ ہاتھ اٹھاؤ اور سب کہو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ۔ صحابۂ کرام نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اسی کو آگے پہنچانے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تم سب کو بخشش کی خوشخبری ہو (مسند احمد حدیث رقم: ۱۷۱۲۶، مسند بزار حدیث رقم: ۲۳۶۱، مستدرک حاکم حدیث رقم: ۱۸۸۰ کتاب الدعا والتسبیح والتہلیل والذکر)۔

یہ پوری جماعت کو اکٹھے ذکر کی تلقین کرنے کا ثبوت ہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تک پہنچنے کا مختصر، آسان اور افضل راستہ بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کا ذکر دل میں بھی کرو اور بلند آواز سے بھی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ذکر تو سب لوگ کرتے ہیں۔ میں نے تو خاص عنایت کے لیے عرض کیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے جو کچھ بتایا اس میں سب سے افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ہے۔ایک پلڑے میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پلڑے میں ساری کائنات ہو تو یہ ذکر بھاری ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے ذکر دیجئے اور اس کا طریقہ سمجھایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی آنکھیں بند کرو۔ نبی کریم ﷺ نے بھی آنکھیں بند کرلیں اور بلند آواز سے تین بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سنتے رہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے بلند آواز سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فرمایا اور نبی کریم ﷺ نے سنا (البرہان المؤیدا/۶۲)۔

یہ ذکر اسی طرح سیدنا علی المرتضٰی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے سیدنا امام حسن نے حاصل کیا، ان سے حضرت حسن بصری نے، ان سے حضرت حبیب عجمی نے، ان سے حضرت داؤد طائی نے، ان سے حضرت معروف کرخی نے، ان سے حضرت سری سقطی نے اور ان سے حضرت جنید بغدادی نے حاصل کیا رضی اللہ عنہم، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ اسی طرح بے شمار صحابہ سے سلاسل طریقت جاری ہوئے، سب سے زیادہ سلاسل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئے۔

اللہ پر ایمان لانے کے تقاضے

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے اس کی یاد اور اس کا ذکر کیا جائے۔ اسی سے دعا مانگی جائے۔ اگر خطا ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگی جائے۔ یہ حکم ہر خاص و عام کے لیے ہے۔

خواص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ سے انتہا درجہ کی محبت کریں۔ اسی پر توکل اختیار کریں اور اس کی رضا پر راضی رہیں۔

ذیل میں اللہ کے ذکر، استغفار، دعا اور اللہ سے محبت کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

☆......☆......☆

ذِکرُ اللّٰہ

ذکر کے لفظی معنی ہیں ''یاد کرنا''۔اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم قرآن کریم میں بار بار ہوا ہے۔فرمایا:

۱۔ اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو(الاحزاب:۴۱)۔

۲۔ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا(البقرۃ:۱۵۲)۔

۳۔ فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلیٰجُنُوْبِکُمْ یعنی اللہ کا ذکر کرو۔کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں کے بل(النسآء:۱۰۳)۔

ذکر کے علاوہ تقریباً اسی مفہوم میں قرآن مجید میں متعدد الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً تسبیح، تقدیس، تکبیر، حمد اور دعا وغیرہ۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہاں ذکر سے مراد محض اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے پاک اسماء کو بار بار دہرانا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ یعنی اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر(مزمل:۸)۔

وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی یعنی اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی(الاعلیٰ:۱۵)۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنیٰ فَادْعُوْہُ بِھَا یعنی اللہ کے حسین نام ہیں اسے ان ناموں سے پکارو(الاعراف:۱۸۰)۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے(ترمذی حدیث رقم:۳۳۸۳،ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۸۰۰)۔

۲۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلیٰ اَحَدٍ یَّقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہوگا(مسلم حدیث:۳۷۶)۔

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے ننانوے اسمآءِ حسنیٰ نبی کریم ﷺ نے خود بیان فرمائے ہیں۔جو

مشکوٰۃ شریف کے صفحہ نمبر ۱۹۹ پر مذکور ہیں۔اسکے علاوہ بے شمار اوراد و وظائف اور ذکر الٰہی کے انداز ہیں جو کتبِ حدیث میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں بلکہ کتبِ حدیث میں ''ذکر'' کے نام سے مستقل ابواب موجود ہیں۔مثلاً بخاری جلد۲ صفحہ ۹۴۸ پر فضل ذکر اللّٰہ ،مسلم جلد۲ صفحہ ۳۴۳ پر فضل الذکر والدعاء، ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۷۳ پر باب ماجآء فی الذکر ،ابنِ ماجہ صفحہ ۲۶۸ پر باب فضل الذکر اور مشکوۃ صفحہ ۱۹۶ پر باب ذکر اللّٰہ والتقرب الیہ۔

لہٰذا یہ بات طے ہوگئی کہ ذکر اللہ سے مراد اللہ جل شانہٗ کے نام کی تسبیح اور اسی کے اسمِ پاک کو جپنا اور دہراتے رہنا ہے۔ذکر کے لفظی معنی کی وسعت کے لحاظ سے قرآنِ مجید میں نماز وغیرہ پر لفظ ذکر کا اطلاق ہوا ہے۔جیسے فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ وغیرہ۔لیکن اصطلاح میں ذکر سے مراد یہی اوراد ووظائف ہیں۔اسی لیے قرآن مجید میں نماز کا لفظ ذکر کے تغائیر میں استعمال ہوا ہے۔فرمایا: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً (جمعہ: ۱۰)''یعنی جب نماز پڑھی جا چکی ہو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو''۔اس آیت نے صاف طور پر ذکر کو نماز سے ممتاز کر دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کتبِ حدیث میں بھی نماز، روزہ کے ابواب الگ ہیں اور ذکر کے ابواب الگ ہیں۔

انفرادی ذکر

اللہ کا ذکر فرداً فرداً بھی کیا جا سکتا ہے اور اجتماعی صورت میں بھی۔انفرادی ذکر کا حکم قرآنِ مجید کی اس آیت میں ہے: اُذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّعَلیٰ جُنُوْبِکُمْ یعنی اللہ کا ذکر کرو۔کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل (النسآء:۱۰۳)۔

حدیث شریف میں ہے: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ یعنی نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے (مسلم حدیث:۸۲۶، بخاری کتاب الأذان باب : ھل یتتبع المؤذن فاہ ھاھنا وھاھنا ؟ وھل یلتفت فی الآذان؟ صفحہ ۱۳۷، ابوداؤد حدیث رقم:۱۸، ترمذی حدیث: ۳۳۸۴، ابن ماجہ حدیث: ۳۰۲)۔یہ انفرادی ذکر ہے۔

گوشہ نشینی اور چلہ کشی کی اصل قرآن میں موجود ہے۔وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسیٰ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً

(بقرہ:۵۱)اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر جانا صراحتاً مذکور ہے۔اسی چالیس کے عدد سے چلہ ماخوذ ہے۔ نبی کریم ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں پر طویل مدت تک قیام فرماتے تھے۔اور اللہ کے ذکر وعبادت میں مصروف رہتے تھے۔رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف بھی چلہ کشی ہی کی ایک صورت ہے۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مکہ شریف سے مدینہ منورہ کی طرف صحابہ کرام کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔راستے میں ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے جسکا نام جُمدان ہے آپ ﷺ نے فرمایا: سِيْرُوا هٰذَا جُمْدَانَ سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ ، قَالُوا وَمَا الْمُفَرِّدُونَ يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتُ یعنی جُمدان پہاڑ کی سیر کرو مفرد مرد اور عورتیں آگے نکل گئے ہیں۔صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ مفرد کون ہیں؟ فرمایا اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور عورتیں (مسلم حدیث:۶۸۰۸)۔

اجتماعی ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ یعنی جو لوگ صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں ان کے پاس بیٹھو (الکہف:۲۸)۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے فرشتے زمین میں گردش کرتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو تلاش کر کے انکے گرد حلقہ بنا لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان ذاکرین کی مغفرت کا اعلان فرماتا ہے اور جو کوئی انکے پاس آ کر محض بیٹھ جائے اسے بھی انکی برکت سے بخش دیا جاتا ہے (مسلم حدیث :۶۸۳۹، بخاری حدیث:۶۴۰۸،مسند احمد حدیث:۸۹۹۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے:اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا مِنْهَا قَالُوْا مَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ یعنی جب جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو ان سے چر لیا کرو۔پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت کے باغیچوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ذکر کے حلقے (ترمذی حدیث:۳۵۱۰)۔

اجتماعی ذکر کے بے شمار فوائد ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاضرین محفل کی قلبی کیفیات کا انعکاس ایک دوسرے پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مخصوص دائرہ (FLUX) جو ہر ذاکر کے گرد قائم ہوتا ہے اسکے برکات دیگر حاضرین تک بھی پہنچتے ہیں۔

خفی ذکر

دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَالْجَهْرِ یعنی اپنے رب کو عاجزی اور خوف کے ساتھ آہستہ آواز سے یاد کر (اعراف:۲۰۵)۔

جہری ذکر

حدیث شریف میں ہے کہ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اسکے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی تنہا اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ محفل میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر محفل میں کرتا ہوں (مسلم حدیث رقم:۶۸۰۵، بخاری حدیث رقم:۷۴۰۵، ترمذی حدیث رقم:۲۳۸۸)۔

اس حدیث میں ذکر فی النفس یعنی دل میں ذکر سے مراد خفی ذکر ہے اور ذکر فی الملاء یعنی سرِ محفل ذکر سے مراد ذکر بالجہر ہے۔ اسی لیے ذکر فی الملاء کو ذکر فی النفس کے مقابلے پر بولا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اُذْكُرُوا اللّٰهَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ (مسند احمد حدیث: ۱۱۶۵۹) یعنی اللہ کا ذکر اس طرح کیا کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں۔ ظاہر ہے جہر کے بغیر مجنونیت کا الزام کوئی معنی نہیں رکھتا۔ الغرض ذکر خفی اور ذکر بالجہر دونوں طریقے شرعاً جائز و ثابت ہیں۔

نماز کے بعد ذکر بالجہر

پاکستان کی چھپی ہوئی بخاری جلد ا صفحہ ۱۱۶، مسلم جلد ا صفحہ ۲۱۸، مشکوٰۃ صفحہ ۸۸ پر ''باب الذکر بعد الصلوٰۃ'' کے نام سے مستقل ابواب موجود ہیں۔ ان ابواب میں سے ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ یعنی بلاشبہ فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی بلند آواز سے ذکر کرنا نبی کریم ﷺ

کے زمانے میں رائج تھا (مسلم حدیث: ۱۳۱۸، بخاری حدیث: ۸۴۱، ابوداؤد حدیث: ۱۰۰۳)۔

میدانِ جنگ میں ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً یعنی اے ایمان والو! جب تم دشمن سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو (انفال: ۴۵)۔

عین میدانِ جنگ میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے سے دشمن مرعوب و خائف ہو کر مغلوب ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لشکروں کی پہچان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور یَامُحَمَّد کے نعروں سے ہوا کرتی تھی (فتوح الشام صفحہ ۲۴۹ و صفحہ ۴۱۷)۔

ذکر کے فضائل اور اہمیت پر احادیث

۱۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بَسر اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِیْ بَشَیْئٍ اَتَشَبَّثُ بِہٖ قَالَ لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ آپ مجھے مختصر سی بات بتا دیں جس پر عمل کروں۔ فرمایا تیری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے (ترمذی حدیث رقم: ۳۳۷۵، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۷۹۳)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر ایک نہایت جامع عبادت ہے۔ یہ تسبیح کی درمیانی ڈوری کی مانند ہے جس پر تمام موتی پرو دیے گئے ہوں۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلَ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ یعنی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے رب کا ذکر کرنے والا زندہ کی طرح ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ کی طرح ہے (مسلم حدیث: ۱۸۲۳، بخاری حدیث: ۶۴۰۷)۔

۳۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ وَ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَةُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَةُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ

فِیْمَنْ عِنْدَہٗ یعنی حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب بھی کچھ لوگ مل کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے ان کا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔ رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔ ان پر سکون نازل کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے (مسلم حدیث: ۶۸۵۵، ترمذی حدیث: ۳۳۷۸، ابن ماجۃ حدیث: ۳۷۹۱)۔

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ فرشتوں اور رحمتِ خداوندی کا گھیراؤ، نزولِ سکینہ اور بندوں کا مذکورِ خدا بن جانا بلاشبہ بڑی فضیلت کی باتیں ہیں۔

۴۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاء قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکٰھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجٰتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرَقِ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ یعنی ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال سے افضل ہو، تمہارے مالک کو سب سے زیادہ پسند ہو، اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہو، اور تمہارے لیے سونا اور چاندی کی خیرات کرنے سے بہتر ہو، کفار کی گردنیں کاٹنے اور ان سے اپنی گردنیں کٹوانے سے بھی افضل ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے (ترمذی حدیث: ۳۳۷۷، ابن ماجۃ حدیث: ۳۷۹۰، مسند احمد حدیث: ۲۷۵۹۳)۔

اس حدیث میں ذکر کو تمام اعمال سے افضل، خدا کا پسندیدہ ترین عمل، رفع درجات کا باعث، سونے چاندی کی خیرات سے بڑھ کر اور حتیٰ کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے کرتے شہید ہو جانے سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

یہاں قارئین کے ذہن میں یہ تعجب آ سکتا ہے کہ ذکرِ الٰہی، جہاد اور شہادت سے افضل کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تلوار کا جہاد جہادِ اصغر ہے جبکہ ذکر میں لَآ اِلٰـہَ کی تلوار کے ذریعے نفس اور شیطان جیسے گُرگوں کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اس جہاد کو نبی کریم ﷺ نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے (کنز العمال) ایک اور حدیث میں ہے کہ اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ (شعب الایمان

للبیہقی: ۱۱۱۲۲، مسند احمد: ۲۴۰۱۳) یعنی بڑا مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔
جہادِ اصغر کا قتیل اگر شہید ہے تو جہادِ اکبر کا قتیل درجۂ شہادت میں یقیناً فائق ہوگا۔

ترکِ ذکر پر وعیدیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطَاناً فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ یعنی جو اللہ کے ذکر کو چھوڑ دیتا ہے ہم اس پر شیطان مسلّط کر دیتے ہیں پھر وہ اسے مشورے دیتا ہے (الزخرف: ۳۶)۔

گویا جو شخص اللہ کے ذکر میں غفلت کرے اس کا مشیر اور رہبر شیطان ہوتا ہے۔ مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہ فرمان اس آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ آپ نے فرمایا: مَنْ لَّمْ یَكُنْ لَهٗ شَیْخاً فَشَیْخُهٗ شَیْطَانٌ (صوفیا نے اسے حدیثِ مرفوع لکھا ہے جبکہ محدثین نے اسے مولا علی تک موقوف قرار دیا ہے) مراد یہ ہے کہ جس شخص کا کوئی مرشد نہ ہو (جس سے وہ ذکر اخذ کرے) اس کا مرشد شیطان ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے بھی اس امر کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَعَدَ مَقْعَداً لَمْ یَذْكُرِ اللّٰهَ فِیْهِ كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْطَجِعاً لَا یَذْكُرُ اللّٰهَ فِیْهِ كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کہیں بیٹھا اور اپنے بیٹھنے کے دوران اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے افسوس ہے۔ اور جو شخص لیٹا اور اس نے اپنے لیٹنے کے دوران اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر بھی اللہ کی طرف سے افسوس ہے (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۸۵۶)۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ قَوْمٍ یَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِیْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِ جِیْفَةِ حِمَارٍ وَّكَانَتْ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کسی محفل میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کیے بغیر اٹھ جاتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے وہ مردار گدھے پر سے اٹھ کر چلے گئے ہوں۔ اور یہ بات ان کے لیے حسرت اور پشیمانی کا باعث ہوگی (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۸۵۵)۔

۳۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلَساً لَمْ يَذْكُرُوااللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةٌ فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُمْ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کچھ لوگ کسی جگہ اکٹھے بیٹھتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے اور اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتے تو یہ بات ان کے لیے حسرت وافسوس کا باعث ہو گی۔ اللہ کی مرضی ہے کہ انہیں بخش دے یا عذاب دے (ترمذی حدیث رقم: ۳۳۸۰)۔

قلب کی اس حالتِ غفلت کو قرآن قساوتِ قلب سے تعبیر فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی خرابی ہے ان دلوں کے لیے جو اللہ کا ذکر ترک کرنے کی وجہ سے سخت ہو چکے ہیں (الزمر: ۲۲)۔

ذاکرین کے مراتب

۱۔ اطمینانِ قلب

انسان کا محبوبِ حقیقی دراصل اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ ہے۔ جب تک انسان اپنے اس محبوب کی طرف رجوع نہیں کرتا، اسکا قلب مضطرب رہتا ہے۔ خواہ اس اضطراب کا انسان کو شعور ہو یا نہ ہو لیکن جب وہ اتفاقاً یا شعوری طور پر کہیں یادِ الٰہی میں مشغول ہو جائے یا کسی ذکر کرنے والے کی صحبت میں چند لمحے بیٹھ جائے تو اسکے قلب کی پیاس بجھنے لگتی ہے اور وہ ایک اطمینان سا محسوس کرنے لگتا ہے۔ دنیا کے تمام ڈاکٹر اور طبیب جس مرض کا علاج تو کیا محض اس کی تشخیص تک نہ کر سکے، ذکر کی برکت سے اس کا درماں میسر آنے لگتا ہے۔ انسان ہزار پریشانیوں اور نفسیاتی الجھنوں سے بَری ہو کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دل کی لَو جس ذات کے ساتھ اَزل سے لگ چکی ہے اسی کا نام اطمینان وتسکین فراہم کرتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سُنیا دل میرے، نِت قَالُوْا بَلٰی کوکیندی ہو
حُب وطن دی غالب ہوئی، ہِک پل سَون نہ دیندی ہو

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عرصہ دراز تک عقلیات میں پھنسے رہے مگر بالآخر اگر

اطمینان نصیب ہوا تو صحبتِ ذاکرین اور نگاہِ ولی سے ہوا۔

قرآنِ مجید نے ان تمام حقائق کو چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی خبردار! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے (رعد:۲۸)۔

۲۔ صفائے قلب

اطمینانِ قلب کے بعد قلب کی صفائی اور صقالت کا درجہ ہے۔ اللہ کا ذکر قلب کے زنگ کو کھرچنے کے لیے ریتی کا کام دیتا ہے۔ دل کے دروازے پر پڑا ہوا پرانے سے پرانا زنگ آلود تالا بھی اسم اللہ کی ضرب سے ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: لِکُلِّ شَیْئٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ یعنی ہر چیز کی صفائی کے لیے آلہ ہوتا ہے اور قلب کی صفائی کا آلہ اللہ کا ذکر ہے (مشکوٰۃ حدیث رقم: ۲۲۸۶ وعزاہ الی البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

۳۔ ارتقاءِ قلب

ارتقاء قلب سے مراد قلب کی کیفیت کا ارتقاء ہے۔ قلب کی صفائی کے بعد قلب فیض پذیر ہونے لگتا ہے۔ قربِ خداوندی کے مراحل طے کرنے لگتا ہے۔ یہ فیض طالبِ سلوک کے ظرف اور برداشت کے مطابق آہستہ آہستہ اسکے قلب پر وارد کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حنظلہ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما دونوں مل کر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت حنظلہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں منافق ہو گیا ہوں۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا کیا کہہ رہے ہو؟ عرض کیا حضور جب آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو قلب کی کیفیت اچھی ہوتی ہے مگر جب آپ سے دور ہوتے ہیں تو دنیا کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ وَلٰکِنْ یَاحَنْظَلَۃُ سَاعَۃً سَاعَۃً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ یعنی اگر تمہاری کیفیت ہر وقت وہی رہے جو میرے پاس اور ذکر کے دوران ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں پر اتر کر تم سے مصافحہ کیا کریں۔ حنظلہ! بہتر یہی ہے کہ آہستہ آہستہ فیض ملے۔ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا (مسلم حدیث رقم: ۶۹۶۶)۔

اس حدیث میں ''عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ'' کے الفاظ قابل غور ہیں اور پھر سَاعَةً وَسَاعَةً بھی قابل غور ہیں۔ آخر وہ کون سا انقلاب تھا جو محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہی اور محفل ذکر میں قدم رکھتے ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دلوں میں برپا ہو جاتا تھا۔ اور آخر وہ کونسا سیلاب تھا جسکے تلاطم میں آہستگی پیدا کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ آہستہ آہستہ کے الفاظ بار بار دہرا رہے ہیں۔

''لَوْتَدُوْمُوْنَ'' سے ظاہر ہے کہ قلبی کیفیات میں یہ تبدیلی حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ قلب کی ان دو حالتوں کو تصوف کی اصطلاح میں قبض اور بسط کہتے ہیں۔

۴۔ فنا و انتہائے قرب

قبض اور بسط کی ان کیفیات کے ذریعے قلب کا ارتقاء وصلِ الٰہی پر انتہا پذیر ہوتا ہے۔ وصل سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات کی مکمل طور پر نفی کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس بندے کے اعضاء بن جاتا ہے اور بندہ خدائی اعضاء کی قوت و طاقت کے ذریعے عمل کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب دشمن پر کنکریاں پھینکیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی یعنی اے محبوب جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو یہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں (انفال: ۱۷)۔

صحابہ کرام نے حدیبیہ کے موقع پر جب محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ یعنی جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے (الفتح: ۱۰)۔

ایک حدیثِ قدسی میں اس مقام کو قدرے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے: مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا یعنی میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکے کان، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے (بخاری حدیث: ۶۵۰۲)۔

بقول حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ:

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ، وچ پا فقیرا جھاتی ہو
ناں کر منت خواج خضر دی، تیرے اندر آب حیاتی ہو
عشق دا ڈیوا بال ہنیرے، مت لبھی جھوک کھڑاتی ہو
مرن تھیں اگے مردے باہو، جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو

۵۔ بقاوعبدیت

جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوجاتا ہے تو اگر وہ اسی فنا میں رک جائے تو اسے مجذوب کہتے ہیں۔ اور اگر وہاں سے لوٹ کر مقامِ عبدیت پر اتر آئے تو اسے سالک کہتے ہیں۔ عارف لوگ جو لطف ولذت عبدیت میں محسوس کرتے ہیں، فنائیت میں وہ لطف نہیں۔ ایسی عبدیت کو ہوش اور صحو کہا جاتا ہے۔ یہی سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ یہیں پہنچ کر صحیح معنی میں شریعت پر عمل شروع ہوتا ہے۔ اتباعِ سنت کی چاشنی صرف اور صرف ان ہی لوگوں کو کماحقہٗ معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ہر ادا کو اپنانے کی اہمیت یہی لوگ سمجھتے ہیں۔ سنت ایسے لوگوں کے خُلق میں داخل ہو جاتی ہے وہ اس پر بلا تکلف عمل کرتے ہیں۔ محبوب کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ انہیں ایسا تعلق اور ربط حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ جو عمل بھی کرتے ہیں وہ ہی سنت ہوتا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر بندہ مذکورِ خدا ٹھہرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے چرچے کرتا ہے۔ مخلوقِ خدا اس بندے کے ذکر اور محبت میں لگ جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبۡداً دَعَا جِبۡرِیۡلَ فَقَالَ اِنِّیۡ اُحِبُّ فُلَاناً فَاَحِبَّہٗ قَالَ فَیُحِبُّہٗ جِبۡرِیۡلُ ثُمَّ یُنَادِیۡ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوۡلُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَاناً فَاَحِبُّوۡہُ فَیُحِبُّہٗ اَھۡلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوۡضَعُ لَہٗ الۡقُبُوۡلُ فِی الۡاَرۡضِ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا جبریلِ امین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے لہٰذا سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اسکے بعد زمین میں بھی اسے مقبولیت بخش دی جاتی ہے (مسلم حدیث: ۶۷۰۵)۔

یہاں فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ کا کامل مظاہرہ ہوتا ہے۔یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔اسی کے متعلق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ذکر

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی تبلیغ فرمائی ہے اور اپنی اپنی اُمتوں کو تلقین فرمائی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہ وحی بھیجی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه (انبیاء:۲۵)۔

قرآن شریف میں کہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ،کہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ،کہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا ،کہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔

حدیث شریف میں بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کو تمام اذکار سے افضل قرار دیا گیا ہے۔فرمایا اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه (ترمذی حدیث: ۳۳۸۳،ابن ماجۃ حدیث: ۳۸۰۰)۔طریقت کے تمام سلاسل میں اس ذکر کو یکساں مقبولیت حاصل ہے،مبتدی سے لیکر منتہی تک کے لیے کارگر ہے۔

حضرت پیر سائیں محمد راشد روضے دھنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''طالب کو اولاً ذکر لسانی میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔اسکے بعد ذکر قلبی سے، پھر فکر سے، پھر قرآن مجید کی تلاوت سے، پھر درود شریف سے،اسکے بعد تہلیل سے۔اس طرح اسکا ذوق درجہ بدرجہ ترقی پذیر رہتا ہے حتیٰ کہ اسکے اشغال میں آخری شغل تہلیل ہے۔یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنا''۔(ملفوظات شریف اردو صفحہ ۶۳)۔

اے میرے بھائی!اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ کوشش کریں کہ آپ کی زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔بلکہ کسی مرشدِ کامل سے ذکر کی اجازت حاصل کریں اور اگر آپ نے مرشدِ کامل سے ذکر اخذ کرلیا ہے تو پھر اس گوہر بے بہا کی قدر کریں اور کبھی اس سے غافل نہ ہوں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

استغفار

انسان جب اپنی ذات سے لے کر آفاق تک کا جائزہ لیتا ہے تو اسکی نظر سب سے پہلے اپنی ذات پر پڑتی ہے۔ پھر اپنے اہل خانہ اور گھر بار پر، پھر علاقے اور ملک پر، پھر پوری دنیا اور پھر موت کے بعد کی زندگی پر۔ آج اہلِ اسلام کو ان تمام سطحوں پر جن پریشانیوں کا سامنا ہے۔ ذیل میں ہم ہر مشکل کے لیے الگ عنوان قائم کر کے اسکا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔

جسمانی امراض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ یعنی تمہیں جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے (الشوریٰ:۳۰)۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو محبوب کریم ﷺ نے فرمایا:وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ خَدْشِ عُوْدٍ وَلَا عَثْرَةِ قَدَمٍ وَلَا اِخْتِلَاجِ عِرْقٍ اِلَّا بِذَنْبٍ یعنی اللہ کی قسم اگر کسی کو خارش بھی ہوتی ہے یا کسی کا قدم بھی لڑکھڑاتا ہے یا کسی کی رگ بھی پھڑکتی ہے تو یہ سب کچھ کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے (خازن جلد ۴ صفحہ ۹۸)۔اور ظاہر ہے کہ گناہوں کا ازالہ وتدارک توبہ واستغفار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جو برا عمل کرے یا اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پائے گا (النساء:۱۱۰)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اللہ ایسا نہیں ہے کہ یہ استغفار کررہے ہوں اور وہ انہیں عذاب دینے لگے (انفال:۳۳)۔

استدراک

یہاں قاری کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ جب گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل گئی تو پھر آخرت میں کس بات پر سزا ملے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیوی تکالیف اخروی عذاب کی محض جھلک ہیں۔ دنیا میں تکلیف دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے اخروی عذاب کی شدت کا

اندازہ کرلیں اور برے اعمال سے باز رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنىٰ دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ یعنی ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ یہ باز آجائیں (السجدہ:۲۱)۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ یعنی ایسا ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بڑا ہے (القلم:۳۳)۔

تنگدستی اور گھریلو مشکلات

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجاً وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یعنی جس نے استغفار کو لازم پکڑا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر تنگی سے نکال دے گا۔ اور ہر مشکل آسان کردے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا (مسند احمد حدیث:۲۲۳۸، ابوداؤد حدیث:۱۵۱۸، ابن ماجۃ حدیث:۳۸۱۹)۔

گویا یہ تنگدستی اور مشکلات بھی کسی نہ کسی درجے میں ہمارے ذنوب ہی کا نتیجہ ہیں اور اس کا بہترین علاج استغفار ہے۔

حکمرانوں کی زیادتیاں

اچھے یا برے حکمران بھی ہمارے ہی اعمال کے نتیجے میں برسرِ اقتدار آتے ہیں۔ حضور محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ یعنی جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمران آئیں گے (شعب الایمان للبیہقی حدیث:۷۳۹۲، مشکوٰۃ حدیث:۳۷۱۷)۔

ایک حدیثِ قدسی کے یہ الفاظ ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ حکمرانوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، جب لوگوں کے اعمال اچھے ہوتے ہیں تو میں حکمرانوں کے دل انکے حق میں نرم کردیتا ہوں اور جب لوگ میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں حکمرانوں کے دل ان کیلئے سخت کردیتا ہوں۔ اور جب تم حکمرانوں کو سختی کرتا ہوا دیکھو تو حکمرانوں کے خلاف کارروائی کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ایسے موقع پر میرے ذکر میں اور میرے سامنے آہ و زاری کرنے میں مصروف ہو جاؤ تاکہ میں تمہاری کفالت کروں

(اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۲/ ۳۸۹، مشکوٰۃ حدیث: ۳۷۲۱)۔اس حدیثِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اسکے سامنے آہ وزاری دونوں چیزوں کو یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید بھی اس بات کی تائید فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ یعنی وہ لوگ جب گناہ کا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جان پر ظلم کر لیتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں (آلِ عمران: ۱۳۵)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (محمد: ۱۹)۔

اس آیت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور استغفار دونوں کو یکجا بیان فرمایا گیا ہے۔

پوری دنیا میں فساد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ یعنی خشکی اور سمندر میں فساد لوگوں کے اعمال کی وجہ سے پھیل گیا۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا تھوڑا سا مزہ چکھائے تاکہ یہ باز آ جائیں (الروم: ۴۱)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ نَحْوُ الْقَحْطِ وَقِلَّةِ الْاَمْطَارِ وَالرُّبْحِ فِی الزَّرْعَاتِ وَالرُّبْحِ فِی التِّجَارَاتِ وَوُقُوْعِ الْمُوْتَانِ فِی النَّاسِ وَالدَّوَابِ وَكَثْرَةِ الْحَرْقِ وَالْغَرْقِ وَمَحْقِ الْبَرَكَاتِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یعنی خشکی اور سمندر میں فساد پھیلنے سے مراد قحط اور بارش کی کمی، تجارت میں منافع کی کمی، زراعت میں فصلوں کی کمی، انسانوں اور جانوروں کا کثرت سے مرنا، کثرت سے جلنا اور غرق ہونا اور ہر چیز سے برکت کا اٹھ جانا ہے (مدارک علی الخازن جلد ۳ صفحہ ۴۶۵)۔

گویا یہ سب کچھ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اور اس مسئلے کا حل رجوع الی اللہ اور استغفار ہے۔

فکرِ آخرت

اُخروی فلاح کا بہت بڑا سبب توبہ واستغفار ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِیْرًا یعنی اسے خوشخبری ہو جس کے نامۂ اعمال میں کثرت سے استغفار موجود ہو (ابن ماجۃ حدیث: ۳۸۱۸، السنن الکبریٰ للنسائی حدیث: ۱۰۲۸۹)۔

آپ نے دیکھ لیا کہ استغفار دنیا وآخرت میں ہر موڑ اور ہر سطح پر ضروری ہے۔ یہ ہر مرض کا علاج ہے اور ہر زہر کے لیے تریاق ہے۔

استغفار کرنے والوں کے مراتب

ہم جیسے گناہگار تو کجا، خواص اور اخص الخواص تک نے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق استغفار فرمایا۔ حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عوام کی توبہ خطا سے ثواب کی طرف ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ یعنی جب وہ لوگ فاحش کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں (آلِ عمران: ۱۳۵)۔

خواص کی توبہ چھوٹی نیکی سے بڑی نیکی کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: تُبْتُ اِلَیْکَ یعنی میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں (احقاف: ۱۵)۔ اور محبت کی توبہ اپنے وجود سے خدا کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی كُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً (بخاری حدیث: ۶۳۰۷، ابن ماجۃ حدیث: ۳۸۱۶، مسند احمد حدیث: ۸۵۱۴) یعنی میں اللہ سے ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں (کشف المحجوب صفحہ ۳۲۵)۔

امیدِ کرم

تائب کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو دل سے غفور اور رحیم سمجھے۔ اس مہربان ذات سے اچھا گمان رکھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ یعنی اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ (النساء: ۱۴۷)۔

اللہ تعالیٰ ہر گناہگار کو توبہ کی دعوت دیتا ہے اور ہر تائب کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ وہ تو یہاں تک فرماتا ہے کہ ''یہ ہو نہیں سکتا کہ تم توبہ کرو اور اللہ تمہیں عذاب دے'' (انفال: ۳۳ کا حاصل)۔ حدیث شریف میں ہے کہ: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (ابن ماجۃ حدیث: ۴۲۵۰، شعب

الایمان للبیہقی حدیث:۷۰۴۰)۔

سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَلٰی عَفۡوِہٖ بَعۡدَ قُدۡرَتِہٖ وَعَلٰی حِلۡمِہٖ بَعۡدَ عِلۡمِہٖ

اِستغفار کے الفاظ

(۱)۔ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ (مسلم حدیث رقم:۱۳۳۴،ابوداؤد حدیث رقم:۱۵۱۳،ترمذی حدیث رقم:۳۰۰،نسائی حدیث رقم:۱۳۳۷،ابن ماجۃ حدیث رقم:۹۲۸)۔

(۲)۔ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ الَّذِیۡ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ (ترمذی حدیث رقم:۳۵۷۷،ابوداؤد حدیث رقم:۱۵۱۷)۔

(۳)۔ رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَتُبۡ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الۡغَفُوۡرُ (ابوداؤد حدیث:۱۵۱۶، ترمذی حدیث:۳۴۳۴،ابن ماجۃ حدیث:۳۸۱۴،مسند احمد حدیث:۴۷۲۵)۔

(۴)۔ مندرجہ ذیل استغفار کو محبوب کریم ﷺ نے استغفاروں کا بادشاہ قرار دیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ رَبِّیۡ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ خَلَقۡتَنِیۡ وَاَنَا عَبۡدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھۡدِکَ وَوَعۡدِکَ مَااسۡتَطَعۡتُ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ شَرِّمَا صَنَعۡتُ اَبُوۡءُ لَکَ بِنِعۡمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوۡءُ بِذَنۡبِیۡ فَاغۡفِرۡلِیۡ فَاِنَّہٗ لَا یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اَنۡتَ (بخاری حدیث رقم:۶۳۰۶،ترمذی حدیث رقم:۳۳۹۳،نسائی حدیث رقم:۵۵۲۲)۔

(۵)۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (انبیا:۸۷)۔

اِن الفاظ کے علاوہ بھی بے شمار الفاظ قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔محض مطالعہ کرنے والوں کیلئے دفتروں کے دفتر بھی کم ہیں لیکن عمل پیرا ہونے والوں کیلئے اتنا کچھ بہت ہے۔

اے میرے بھائیو!اس تحریر کو پڑھ لینے کے بعد سچے دل سے توبہ کریں۔گناہوں سے باز آجائیں اور اللہ جَلَّ مجدہٗ اور اسکے حبیب کریم ﷺ کے دروازے سے چمٹ جائیں۔انسان خطا کا پتلا ہے اگر خدانخواستہ آئندہ کبھی خطا سرزد ہو جائے تو فوراً اپنے آقا و مولا کی طرف رجوع کریں۔ وَمَا التَّوۡفِیۡقُ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

دُعا

دُعا کے لفظی معنی ہیں ''پکارنا''۔ یہ تقریباً ندا کا ہم معنی ہے۔ یہ لفظ موقع محل کے مطابق مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

مثلاً آواز لگانا جیسے اس آیت میں ہے: كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَاءً (البقرہ:۱۷۱)۔

یا نام لینا جیسے اس آیت میں ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً (النور:۶۳)۔

یا پوچھنا اور سوال کرنا جیسے اس آیت میں ہے: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (بقرہ:۶۸)۔

یا مدد مانگنا جیسے اس آیت میں ہے: اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ (انعام:۴۰)۔

یا رغبت دلانا جیسے اس آیت میں ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۵)۔

یا طلب کرنا جیسے اس آیت میں ہے: وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (فصلت:۳۱)۔

یا عبادت کرنا جیسے اس آیت میں ہے: فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً (الجن:۱۸)۔

یا فخریہ دعویٰ کرنا جیسے اس آیت میں ہے: فَمَا كَانَ دَعْوٰاهُمْ اِذْ جَآءَ هُمْ بَأْسُنَآ (اعراف:۵)۔

یا دعا مانگنا جیسے اس آیت میں ہے هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ (آلِ عمران:۳۸)۔

تقریباً یہ ساری تفصیل مفرداتِ راغب صفحہ ۱۷۰ پر موجود ہے۔ ان متعدد معانی میں سے ایک معنی کو دوسری جگہ فٹ کر دینا بہت بڑی خطا اور فساد کی جڑھ ہے۔

ہمارا موضوع ''دُعا'' اپنے معروف معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔

دُعا مانگنے کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اُدْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا (المؤمن:۶۰)۔

وَادْعُوْهُ خَوْفاً وَّطَمَعاً اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی خوف اور طمع کی

حالت میں اس سے دعا کرو بیشک اللہ کی رحمت احسان کرنیوالوں کے قریب ہے(اعراف:۵۶)۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا کرو اور چپکے چپکے دعا کرو۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا(اعراف:۵۵)۔

حبیب رب العلمین ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ یعنی جو اللہ سے سوال نہ کرے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے(ترمذی حدیث رقم: ۳۴۳۳)۔

سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْئَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ یعنی اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ اللہ کو پسند ہے کہ لوگ اس سے سوال کریں اور بہترین عبادت یہ ہے کہ اسکی عطا کا انتظار کیا جائے(ترمذی حدیث:۳۵۷۱)۔

مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

گر نہ گرید طفل کے جوشد لبن ۔۔۔ گر نہ گرید ابر کے خندد چمن

طفلِ یک روزہ ہمیں داند طریق ۔۔۔ کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق

ترجمہ:۔ اگر بچہ نہ روئے تو دودھ کیسے جوش مارے۔ اگر بادل نہ روئے تو باغ کیسے ہنسے۔ ایک دن کا بچہ بھی یہ طریقہ جانتا ہے کہ میں روؤں تا کہ مہربان ماں دودھ پلانے کے لیے آئے۔

دعا کی فضیلت

سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَآءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئاً يَعْنِيْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْئَلَ الْعَافِيَةَ یعنی تم میں سے جس پر دعا کا دروازہ کھولا گیا اس پر رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اللہ کو سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس سے عافیت طلب کی جائے(ترمذی حدیث رقم:۳۵۴۸)۔

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے(ترمذی حدیث رقم:۳۳۷۱)

اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّ هُمَا صِفْراً یعنی بیشک تمہارا رب حیا والا کریم ہے۔ اس کو اپنے بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھ خالی لوٹانے سے حیا آتی ہے(ابوداؤد حدیث:۱۴۸۸، ترمذی حدیث:۳۵۵۶، ابن ماجہ حدیث:۳۸۶۵)۔

دعا مانگنے کے آداب

حدیث شریف میں ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَآءِ وَیَدَعُ مَاسِوٰی ذٰلِکَ یعنی نبی کریم ﷺ جامع دعا کو پسند فرماتے اور اسکے علاوہ کو چھوڑ دیتے تھے (ابوداؤد حدیث رقم: ۱۴۸۲)۔

اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَآءِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ الْغَائِبِ لِلْغَائِبِ یعنی سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو کسی کی غیر موجودگی میں کی جائے (ابوداؤد حدیث: ۱۵۳۵، ترمذی حدیث: ۱۹۸۰)۔

اُدْعُوْا اللّٰہَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَآءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاہٍ یعنی قبولیت کے یقین کے ساتھ اللہ سے دعا مانگو۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ غفلت اور لاپرواہی سے مانگی گئی دعا کو قبول نہیں فرماتا (ترمذی حدیث: ۳۴۷۹)۔

یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَۃِ رَحْمٍ مَا لَمْ یَسْتَعْجِلْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ قَالَ یَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ رَبِّیْ وَ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَیُسْتَجَابُ لِیْ فَیَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِکَ وَیَدَعُ الدُّعَآءَ یعنی بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ مانگے اور جب تک جلد بازی نہ کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلد بازی کیا ہے۔ فرمایا بندہ کہے کہ میں نے بار بار دعا کی ہے مگر میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ ایسی حالت میں تنگ آ کر دعا چھوڑ دے تو یہ جلد بازی ہے (مسلم حدیث: ۶۹۳۶)۔

ثَلَاثَۃٌ لَاتُرَدُّ دَعْوَتُھُمْ اَلصَّائِمُ حِیْنَ یُفْطِرُ وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَھَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّکَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ یعنی تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزہ دار جب روزہ کھولنے لگے۔ عادل حکمران اور مظلوم۔ ان کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تمہاری ضرور مدد کرونگا خواہ کچھ دیر کے بعد سہی (ترمذی حدیث رقم: ۳۵۹۸، ابن ماجہ حدیث رقم: ۱۷۵۲)۔

دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟

ہماری بعض دعائیں بظاہر مقبول نظر نہیں آتیں۔اس کی کچھ وجوہات مذکورہ بالا احادیث میں آچکی ہیں۔مکمل تفصیل اس طرح ہے۔

(۱)۔بے دھیانی اور غفلت میں کی جانے والی دعا قبول نہیں ہوتی (ترمذی حدیث رقم:۳۴۷۹)۔

(۲)۔رزقِ حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی (مسلم حدیث رقم:۲۳۴۶،ترمذی حدیث رقم:۲۹۸۹،دارمی حدیث رقم:۲۷۱۹،مسند احمد حدیث رقم:۸۳۶۹)۔

(۳)۔اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ''وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ''(ترمذی:۳۵۹۸،ابن ماجۃ:۱۷۵۲)۔

(۴)۔جو کچھ مانگا جائے اسکی بجائے دوسری چیز عطا ہو جاتی ہے جو بندے کیلئے بہتر ہو(ترمذی:۳۶۰۴)۔

(۵)۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے والوں کی دعا قبول نہیں ہوتی (ترمذی حدیث رقم:۲۱۶۹،ابن ماجۃ حدیث رقم:۴۰۰۴،مسند احمد حدیث رقم:۲۳۳۶۳)۔

(۶)۔دعا کے ساتھ درود شریف نہ پڑھا جائے تو پھر بھی دعا قبول نہیں ہوتی (ترمذی حدیث رقم:۴۸۶)۔

(۷)۔جو شخص مشکل میں مدد چاہتا ہو اُسے چاہیے کہ آسانی کے وقت میں کثرت سے دعا کیا کرے(ترمذی حدیث رقم:۳۳۸۲)۔

اور کہاں جائیں؟

دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔دعا میں جو کچھ مانگا وہ ملے نہ ملے،دعا بہرحال کرتے رہنا چاہیے۔اپنے رب کی بارگاہ سے ہٹنا نہیں چاہیے اور جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

دو بزرگ حج کر رہے تھے۔طوافِ کعبہ کے دوران لبّیک لبّیک کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ایک بزرگ نے دوسرے سے فرمایا کہ آپ کی لبیک کے جواب میں لَا لَبَّیْکَ (تیری کوئی لبیک نہیں) کا جواب آرہا ہے۔انہوں نے فرمایا میں یہ جواب چالیس سال سے سن رہا ہوں۔لیکن میں اس کا در چھوڑ کر اور کہاں جاؤں؟ حاضر رہنا میرا کام ہے۔قبول فرمانا اس کا کام ہے۔اُن کی اس ثابت قدمی پر فوراً اللہ کریم کی طرف سے جواب آیا کہ تمہاری یہ لبّیک بھی قبول ہوئی اور گزشتہ چالیس سال کی لبّیک بھی قبول ہوئی۔

مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

چوں نشینی بر سرِ کوے کسے عاقبت بنی تو ہم روئے کسے

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے عاقبت زاں در بروں آید سرے

ترجمہ:۔ جب تو محبوب کے دروازے پر ڈیرہ ہی جمالے گا تو تجھے ایک دن اس کا چہرہ دیکھنا ضرور نصیب ہوگا۔ جب تو دروازے پر مسلسل دستک دیتا رہے گا تو ایک دن محبوب باہر ضرور نکلے گا۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جے لیلاء لیلاء نہ لہیں تاں پن لیلا ھیج

آ سرو مِ لا ھیج جو سجن باجھیندڑ گھٹو

ترجمہ۔ اگر مِنّت کرتے کرتے تھک جاؤ تو پھر بھی مِنّت ہی کرتے جاؤ۔ مِنّت کرتے رہنے والوں کو جب یار نوازتا ہے تو خوب نوازتا ہے۔

دعا میں توسُّل

سخت، مشکل اور مافوق العادت کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسکے پیاروں کا واسطہ دیا جائے اور اُنکے توسُّل سے دعا کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيْماً یعنی جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (اے محبوب) یہ آپ کے پاس آ جائیں۔ اللہ سے معافی مانگیں اور رسول انکے لیے معافی مانگے تو اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے (النساء: ۶۴)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے مسائل اور مشکلات کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے اور ان کا حل چاہتے تھے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُوا الْحَاجَتَيْنِ وَمِنْهُمْ ذُوا الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغُلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ یعنی لوگوں میں کوئی ایک حاجت لیکر آتا کوئی دو حاجتیں لیکر اور کوئی کئی حاجات لیکر آتا تھا۔ آپ ﷺ سب کی حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے (شمائل ترمذی صفحہ ۲۴)۔

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک نابینا صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آنکھیں

چاہییں۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر صبر کرو تو اچھا ہے۔انہوں نے عرض کیا مجھے آنکھیں ہی چاہییں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تازہ وضو کرو اور دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرو۔صحابی نے اسی طرح کیا اور آنکھیں درست ہو گئیں۔دعا یہ ہے:اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَانَبِیَّ اللّٰہِ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبیِ رحمت محمد کے ذریعے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔یا نبی اللہ میں آپکا وسیلہ لیکر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما (ترمذی حدیث رقم:۳۵۷۸،ابن ماجۃ حدیث رقم:۱۳۸۵،السنن الکبریٰ للنسائی حدیث رقم:۱۰۴۹۵)۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ ﷺ سے توسل،اُمت کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کے راوی حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ ہیں۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک آدمی بار بار حضرت عثمان کی خدمت میں کسی کام کے لیے حاضر ہوتا تھا مگر اس کی بات نہیں سنی جاتی تھی۔حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اسے مشورہ دیا کہ حضور کریم ﷺ کے وسیلہ والی یہی دعا پڑھ کر حضرت عثمان غنی کے پاس جاؤ۔وہ آدمی یہی دعا پڑھ کر حضرت عثمان کے دروازے پر گیا تو دربان نے آکر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت عثمان کے پاس لے گیا۔انہوں نے اسے اپنے پاس چٹائی پر بٹھا لیا اور حاجت پوچھی۔اس نے اپنی حاجت بتائی اور آپ نے اس کی حاجت پوری کر دی۔پھر فرمایا کہ تم نے مجھے اپنا مسئلہ پہلے کیوں نہیں بتایا؟ آئندہ بھی اگر کوئی مسئلہ ہو تو فوراً آ جایا کرو۔پھر وہ آدمی وہاں سے نکلا اور حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آ کر یہ دعا سکھانے کا شکریہ ادا کیا (المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۱۸۳،المعجم الکبیر للطبرانی حدیث رقم:۸۲۳۲)۔

محمد بن حرب فرماتے ہیں کہ میں قبرِ انور کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا،یا خیر الرّسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰہَ تَوَّاباً رَّحِیْماً ، میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپکے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔پھر دو شعر پڑھے:

اَتَیْتُکَ رَاجِلاً وَوَدِدْتُ اَنِّی ‏ ‏ ‏ ‏ مَلَکْتُ سَوَادَ عَیْنِیْ اُمْتَطِیْهِ
وَمَالِیْ لَا اُسِیْرُ عَلَی الْمَسَآقِیْ ‏ ‏ ‏ ‏ اِلیٰ قَبْرٍ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْهِ

ترجمہ:۔’’میں پیدل چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔لطف نہیں آیا۔کاش میری پلکیں میرا کہنا مانتیں اور میں پلکوں پر سوار ہو کر حاضر ہوتا‘‘(الوفا صفحہ ۸۰۱)۔

بلکہ نورالایضاح جو ایک درسی کتاب ہے اور احناف کے تمام مدارس میں سبقاً پڑھائی جاتی ہے اس میں پوری امت کو یہی طریقہ سکھایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا پوری آیت پڑھ کر آپ ﷺ سے براہِ راست شفاعت کا طلبگار رہو۔اور کہے اَلشَّفَاعَةَ اَلشَّفَاعَةَ اَلشَّفَاعَةَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (نورالایضاح صفحہ۱۹۱)۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر جا کر بارش کے لیے عرض کیا۔نبی کریم ﷺ نے انہیں خواب میں فرمایا کہ بارش ضرور ہوگی۔عمر کو میرا اسلام کہنا اور اُنہیں کہنا کہ احتیاط سے کام لیں (ابن ابی شیبۃ ۷/۴۸۲،دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/۴۷)۔

ایک مرتبہ بارش نہیں ہو رہی تھی۔لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسئلہ عرض کیا۔آپ نے فرمایا نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور میں آسمان کی طرف سوراخ کر دو۔جلوۂ محبوب کو بے حجاب دیکھ کر ابرِ رحمت برسنے لگا (سنن الدارمی حدیث:۹۳،الوفا۲/۸۰۱)۔

ایک شخص نے سو قتل کیے تھے۔معافی حاصل کرنے کے لیے اللہ والوں کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں ہی فوت ہو گیا۔اللہ تعالیٰ نے اُسے بخش دیا (بخاری حدیث رقم:۳۴۷۰،مسلم حدیث رقم:۷۰۰۸،ابن ماجۃ حدیث رقم:۲۶۲۶)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کی (بخاری حدیث رقم:۱۰۱۰،صحیح ابن حبان حدیث رقم:۲۸۶۱،المعجم الاوسط للطبرانی حدیث رقم:۲۴۳۷)۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے قبول ہوئی (مستدرک حاکم حدیث رقم:۴۲۸۱،المعجم الاوسط للطبرانی حدیث رقم:۶۵۰۲،الوفا صفحہ۳۳،الشفاء۱/۱۰۴،المعجم الصغیر للطبرانی ۲/۸۲)۔

نبی کریم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے اہلِ حق آپ کے وسیلے سے دعائیں کرتے تھے۔وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی یہ لوگ کافروں کے مقابلے پر(آپ کے وسیلے سے)فتح حاصل کیا کرتے تھے(بقرہ:۸۹)۔

نبی اور غیر نبی سے حیاتِ ظاہریہ میں اور بعداز وصال ہر حال میں توسل ثابت ہوا۔یہ توسل مباح ہے۔مباح ہونے کے لیے ممانعت کا نہ ہونا ہی ثبوت ہے۔چہ جائیکہ بے شمار دلائل اور مضبوط براہین سے اس کا ثبوت مل رہا ہے۔

چند دُعائیں

(۱)۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا(البقرہ:۲۰۱)۔

(۲)۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یعنی اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز بیشک تو خاص نوازنے والا ہے(آلِ عمران:۸)۔

(۳)۔ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ یعنی میرے رب میرے لیے میرے سینے کو کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ یہ میری بات سمجھیں(طٰہٰ:۲۵تا۲۸)۔

(۴)۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما(طٰہٰ:۱۱۴)۔

(۵)۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی اے اللہ میری خطاؤں اور جہل اور بے اعتدالی کو معاف فرما اور وہ جو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔اے اللہ میری سنجیدگی، مذاق، خطا اور عمد کو

معاف فرما۔ یہ سب کچھ میرے پاس موجود ہے۔اے اللہ جو کچھ میں نے مقدم کیا اور جو کچھ مؤخر کیا۔ اور جو کچھ میں نے چھپ کر کیا اور جو کچھ میں نے اعلانیہ کیا اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔سب بخش دے۔تو ہی مقدم ومؤخر کرنیوالا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے(مسلم حدیث رقم:۶۹۰۱، بخاری حدیث رقم:۶۳۹۸،۶۳۹۹،مسند احمد حدیث رقم:۱۹۷۶۱)۔

(۶)۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی اے اللہ ہم تجھ سے دین، دنیا اور آخرت میں عفو ودرگزر کا سوال کرتے ہیں(ترمذی حدیث رقم:۳۵۵۸، ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۸۴۹،مسند احمد حدیث رقم:۶)۔

(۷)۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی(مسلم حدیث رقم:۶۸۷۸،ترمذی حدیث رقم:۳۴۳۷،ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۵۴۷)۔

(۸)۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ یعنی اے اللہ ہم تجھے دشمن کے مقابلے پر آگے کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں(مسند احمد حدیث رقم:۱۹۷۴۲،ابوداؤد حدیث رقم:۱۵۳۷)۔

(۹)۔ اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ یعنی اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں۔مجھے میرے نفس کے حوالے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ کر اور میرے تمام معاملات درست کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں(ابوداؤد حدیث رقم:۵۰۹۰)۔

(۱۰)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔غم وحزن سے، عجز اور کاہلی سے۔بخل اور بزدلی سے،قرض کی زیادتی اور لوگوں کے قہر وغلبہ سے(ابوداؤد حدیث رقم:۱۵۵۵)۔

(۱۱)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَسْلِ وَالْھَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَۃِ النَّارِ وَفِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَۃِ

الْغِنىٰ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ كَمَا يُنَقَّ الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ کاہلی، بڑھاپے، خسارے اور گناہ سے۔ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے عذاب سے اور آگ کے فتنے سے اور قبر کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے۔ غنیٰ کے فتنے کے شر سے اور فقر کے فتنے کے شر سے اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے۔ اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور ٹھنڈک کے پانی سے دھو ڈال۔ اور میرے دل کو اس طرح پاک کردے جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف ہوکر چمکیلا ہو جاتا ہے۔ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کردے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے (بخاری حدیث رقم: ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، مسلم حدیث رقم: ۱۳۲۵، ۶۸۷۱، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۸۳۸، مسند احمد حدیث رقم: ۶۷۴۳)۔

(۱۲)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ یعنی اے اللہ میں چاروں چیزوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ بے فائدہ علم، بے خوف قلب، نہ بھرنے والا نفس اور نہ قبول ہونے والی دعا (مسند احمد حدیث رقم: ۶۵۶۹، ابوداؤد حدیث رقم: ۱۵۴۸، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۸۳۷)۔

(۱۳)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَا لِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہو اور وہ عمل کرنے کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ تو اپنی محبت میری جان، مال، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیاری بنا دے (ترمذی حدیث رقم: ۳۴۹۰)۔

(۱۴)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس عمل سے جو میں نے کیا اور اس عمل سے جو میں نے نہیں کیا (مسلم حدیث: ۶۸۹۵، ابوداؤد حدیث: ۱۵۵۰، نسائی حدیث: ۱۳۰۷، ابن ماجۃ حدیث: ۳۸۳۹)۔

(۱۵)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ یعنی اے اللہ

میں تیری پناہ میں آتا ہوں بدبختی سے، منافقت سے اور برے اخلاق سے (ابوداؤد حدیث رقم: ۱۵۴۶، نسائی حدیث رقم: ۵۴۷۱)۔

(۱۶)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰی بِالْقَدْرِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے صحت، عافیت، حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں (اخرجہ البزار، الدعوات الکبیر للبیہقی، مشکوۃ حدیث: ۲۵۰۰)۔

مخصوص اوقات میں پڑھنے کی دعائیں

کھانا شروع کرنے کی دعا

۱۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت سے (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۷۲۳۶)۔

۲۔ اگر کوئی شخص کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر یہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ یعنی اللہ کے نام سے، اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی (ابوداؤد حدیث رقم: ۳۷۶۷، ترمذی حدیث رقم: ۱۸۵۸)۔

کھانا کھانے کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا (ابوداؤد حدیث: ۳۸۵۰، ترمذی حدیث: ۳۴۵۷، ابن ماجۃ حدیث: ۳۲۸۳، مسند احمد حدیث: ۱۱۲۸۲)۔

پانی پینے کا طریقہ اور دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پانی مت پیا کرو بلکہ دو تین سانسوں میں پیا کرو۔ پانی پینے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یعنی "اللہ کے نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے" پڑھا کرو۔ اور پانی پینے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

پڑھا کرو(ترمذی حدیث رقم:۱۸۸۵)۔

دودھ پینے کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ یعنی اے اللہ ہمارے لیے اِس میں برکت ڈال اور ہمارے لیے اِس میں اضافہ فرما(ترمذی حدیث رقم:۳۴۵۵،ابوداؤد حدیث رقم:۳۷۳۰،ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۳۲۲،مسند احمد حدیث رقم:۱۹۸۳)۔

افطاری کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّی لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ یعنی اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا(ابوداؤد حدیث رقم:۲۳۵۸)۔

سونے اور جاگنے کی دعا

سوتے وقت اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ یعنی اے اللہ میں تیرے نام سے مرتا اور جیتا ہوں۔اور جب صبح جاگیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا اور ہم نے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے(بخاری حدیث:۳۹۴۷،مسلم حدیث:۶۸۸۷،ابوداؤد حدیث:۵۰۴۹،ابن ماجۃ حدیث:۳۸۸۰،مسند احمد حدیث:۲۱۴۲۴)۔

مرغ کی آواز اور گدھے کی آواز سن کر کیا پڑھیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب مرغ کی آواز سنو تو پڑھو اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں،مرغ نے فرشتے کو دیکھا ہوتا ہے۔اور جب گدھے کی آواز سنو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا کرو،اس نے شیطان کو دیکھا ہوتا ہے(مسلم حدیث:۶۹۲۰،بخاری حدیث:۳۳۰۳،ابوداؤد:۵۱۰۲،ترمذی:۲۴۵۹)۔

سواری پر بیٹھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ جب شتر پر سوار ہوجاتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر فرماتے سُبْحٰنَ

الَّـذِیْ سَـخَّـرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ، اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَـفَـرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی ، اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاَطْوِ لَـنَـا بُـعْدَہٗ ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیفَۃُ فِی الْاَھْلِ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِیعن ی پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر فرمایااور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔اے اللہ ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں اور اُس عمل کا سوال کرتے ہیں جس سے تو راضی ہو۔اے اللہ ہمارے اِس سفر کو ہمارے لیے آسان بنا دے اور اِس کی دوریاں ہمارے لیے سمیٹ دے۔اے اللہ سفر میں تو ہی ساتھی ہے اور گھر والوں کا نگہبان ہے۔اے اللہ میں سفر کی صعوبتوں سے اور برے مناظر سے اور مال اور اہل میں بُری واپسی سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب واپس تشریف لاتے تو یہی الفاظ فرماتے اور ان الفاظ کا اضافہ بھی فرماتے آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ یعنی ہم توبہ کرتے ہوئے،اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اور اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے واپس آتے ہیں (مسلم حدیث رقم:۳۲۷۵، ابوداؤد حدیث رقم:۲۵۹۹،ترمذی حدیث رقم:۳۴۴۷)۔

منزلِ مقصود پر پہنچ کر پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بعد یہ پڑھے اَعُـــوذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز سے جو اس نے پیدا کی ہے،تو اسے وہاں سے رخصت ہونے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی (مسلم حدیث:۶۸۷۸،ترمذی حدیث:۳۴۳۷،ابن ماجۃ حدیث:۳۵۴۷)۔

چاند دیکھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اَلـلّٰھُـمَّ اَھِلَّـہٗ عَـلَیْـنَـا بِـالْاَمْنِ وَالْاِیْـمَـانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّی وَرَبُّکَ اللّٰہُ یعنی اے اللہ اِس چاند کو ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ،سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرما۔اے چاند تیرا اور میرا رب اللہ ہے (ترمذی

حدیث رقم:۳۴۵۱،مسند احمد حدیث رقم:۱۴۰۱)۔

بیمار کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ جب کوئی آدمی کسی بیمار کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے تو وہ بیماری اسے نہیں لگے گی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِی مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِی عَلٰی کَثِیرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اُس مرض سے بچایا جس میں تجھے اُس نے مبتلا کیا اور اپنی اکثر مخلوقات پر مجھے خوب فضیلت سے نوازا(ترمذی حدیث رقم:۳۴۳۱)۔

بیمار پرسی کے وقت پڑھنے کی دعا

رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو سیدھا ہاتھ مبارک اس کے جسم پر پھیرتے اور فرماتے اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَماً یعنی اے لوگوں کے رب بیماری کو ہٹا دے اور شفا عطا فرما دے ،تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا کے سواء کوئی شفا نہیں ،وہ ایسی شفا ہے جو مرض کا نشان تک نہیں رہنے دیتی (ابوداؤد حدیث رقم:۳۸۸۳،ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۵۳۰)۔

چھینک آئے تو کیا پڑھیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا چاہیے اور اس کا ساتھی جب یہ سنے تو کہے یَرْحَمُکَ اللّٰهُ یعنی اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔پھر چھینکنے والا یہ کہے یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ یعنی اللہ آپ کو ہدایت پر رکھے اور آپ کے معاملات درست فرما دے(بخاری حدیث :۶۲۲۴،ترمذی حدیث :۲۷۴۱، ابوداؤد حدیث:۵۰۳۳،ابن ماجۃ حدیث:۳۷۱۵،مسند احمد حدیث:۸۶۵۲)۔

جمائی کے وقت کیا کریں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے،جب تم میں سے کسی کو جمائی

آئے تو اسے دبانے کی کوشش کرے جب کسی کو جمائی آتی ہے تو شیطان ہنستا ہے (بخاری حدیث رقم: ۶۲۲۶، ابوداؤد حدیث رقم: ۵۰۲۸، ترمذی حدیث رقم: ۲۷۴۷، مسند احمد حدیث رقم: ۹۵۴۲)۔

بازار میں چلتے وقت پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بازار میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَـرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِی وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ** یعنی ''اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد لاشریک ہے۔ اُسی کا ملک ہے اور اُسی کی تعریف ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، وہ خود زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی، اُسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چاہت پر قادر ہے''۔ اللہ تعالیٰ اسکے نامۂ اعمال میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دے گا، دس لاکھ گناہ معاف کر دے گا، دس لاکھ درجات بلند کر دے گا اور اسکا گھر جنت میں بنائے گا (ترمذی حدیث: ۳۴۲۹، ابن ماجہ حدیث: ۲۲۳۵)۔

مجلس میں پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور کثرت سے باتیں کیں، پھر کھڑا ہونے سے پہلے اس نے یہ دعا پڑھ لی **سُبْـحٰـنَکَ الـلّٰهُمَّ وَ بِحَمدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْـتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوبُ اِلَـيْـکَ** یعنی ''اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سواء کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں''۔ تو اللہ تعالیٰ اس مجلس میں ہونے والی اسکی ہر غلطی معاف فرما دے گا (ترمذی حدیث: ۳۴۳۳)۔

کسی قوم سے خوف کے وقت کی دعا

حضور ﷺ کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے **اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِی نُـحُـورِهِـمْ وَنَـعُوذُبِکَ مِنْ شُرُورِهِمْ** یعنی اے اللہ ہم تجھے انکی کوششوں کے مقابلے پر درمیان میں لاتے ہیں اور انکے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں (مسند احمد حدیث رقم: ۱۹۷۴۲، ابو داؤد حدیث رقم: ۱۵۳۷)۔

مشکل کے وقت کی دعا

نبی کریم ﷺ کو جب پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے یَاحَیُّ یَاقَیُّومُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ یعنی اے زندہ اور قائم رکھنے والے میں تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں (ترمذی حدیث رقم: ۳۵۲۴)۔

قرض کی ادائیگی کے لیے دعا

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقروض آدمی نے قرض کی شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے ہیں۔ اگر بڑے پہاڑ کے برابر بھی تجھ پر قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کردے گا۔ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِی بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِی بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ یعنی اے اللہ مجھے حرام سے بچا کر اپنے حلال کے ذریعے میری کفایت فرما اور اپنے فضل سے مجھے اپنے سواء ہر کسی سے بے نیاز کر دے (ترمذی حدیث رقم: ۳۵۶۳)۔

بیوی کے پاس جاتے وقت پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا یعنی ''اللہ کے نام سے شروع، اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو تو ہمیں اولاد دے اُسے شیطان سے دور رکھ''۔ اگر انکے نصیب میں اولاد ہے تو اسے شیطان کبھی نہیں چھو سکے گا (مسلم حدیث: ۳۵۳۳، بخاری حدیث: ۵۱۶۵، ترمذی حدیث: ۱۰۹۲، ابن ماجۃ حدیث: ۱۹۱۹، ابوداؤد حدیث: ۲۱۶۱)۔

چڑھائی پر چڑھنے اور اترنے کی دعا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب بلندی پر چڑھتے تھے تو اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے تھے اور جب نیچے اترتے تھے تو سُبْحَانَ اللہ کہتے تھے (بخاری حدیث رقم: ۲۹۹۳، سنن الدارمی حدیث رقم: ۲۶۷۶، مسند احمد حدیث رقم: ۱۴۵۸۰)۔

مسجد کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغیچے کون سے ہیں؟ فرمایا مسجدیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ چرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پڑھا کرو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ یعنی اللہ پاک ہے اور اللہ کے لیے ساری حمد ہے اور اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور اللہ بڑا ہے (ترمذی حدیث رقم:۳۵۰۹)۔

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ یعنی اے اللہ مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے (مسلم حدیث رقم:۱۶۵۲، ابوداؤد حدیث رقم:۴۶۵، ابن ماجۃ حدیث رقم:۷۷۲، نسائی حدیث رقم:۷۲۹)۔

مسجد سے نکلنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں (مسلم حدیث:۱۶۵۲، ابوداؤد حدیث:۴۶۵، ابن ماجۃ حدیث:۷۷۲، نسائی حدیث:۷۲۹)۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی اے اللہ میں خباثت اور خبیثوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم حدیث رقم:۸۳۱، بخاری حدیث رقم:۱۴۲، ابوداؤد حدیث رقم:۴، ترمذی حدیث رقم:۵، ابن ماجۃ حدیث رقم:۲۹۸، نسائی حدیث رقم:۱۹، سنن الدارمی حدیث رقم:۶۷۳، مسند احمد حدیث رقم:۱۱۹۵۳)۔

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

غُفْرَانَکَ یعنی اے اللہ مجھے (کچھ دیر غافل رہنے پر) معاف کردے (ترمذی حدیث:۷،

ابوداؤد حدیث: ۳۰، ابن ماجۃ حدیث: ۳۰۰، سنن الدارمی حدیث: ۶۸۴، مسند احمد حدیث: ۲۵۲۷۴)۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کپڑا پہنا اور یہ دعا پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِی هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیرِ حَولٍ مِّنِّی وَلَا قُوَّةٍ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری ہمت اور طاقت کے بغیر مجھے عطا کر دیا۔ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۰۲۳)۔

مصافحہ کرتے وقت پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰه ، اَسْتَغْفِرُاللّٰه یعنی "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں"۔ پڑھتے ہیں تو اللہ ان دونوں کی مغفرت کر دیتا ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۷۰۳، ابوداؤد حدیث رقم: ۵۲۱۱، ترمذی حدیث رقم: ۲۷۲۷، مسند احمد حدیث رقم: ۱۸۵۷۴)۔

آئینہ دیکھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ جب آئینہ دیکھتے تو یہ دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِی فَاَحْسِنْ خُلُقِی یعنی اے اللہ تو نے میری صورت کو اچھا بنایا، میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے (مسند احمد حدیث رقم: ۲۵۲۷۵)۔

کڑک اور بجلی کی آواز سُن کر پڑھنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُهْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ یعنی اے اللہ ہمیں اپنی بجلیوں کے ذریعے قتل نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب کے ذریعے ہلاک نہ فرما اور ان باتوں سے پہلے ہمیں معاف کر دے (بخاری فی الادب المفرد حدیث رقم: ۷۲۲، ترمذی حدیث رقم: ۳۴۵۰، مسند احمد حدیث رقم: ۵۷۶۵)۔

بارش مانگنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ، اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ، اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا یعنی اے اللہ ہمیں بارش دے، اے اللہ ہمیں بارش دے، اے اللہ ہمیں بارش دے (مسلم حدیث رقم: ۲۰۷۸، بخاری حدیث رقم: ۱۰۱۴، نسائی حدیث رقم: ۱۵۱۸)۔

بارش روکنے کے لیے دعا

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ، اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَ بُطُوْنِ الْاَوْدِیَۃِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ یعنی اے اللہ اِسے ہمارے اردگرد لے جا، ہمارے اوپر نہ رہنے دے، اے اللہ اِسے چٹانوں پر، کھردرے پتھروں پر، وادیوں کے مراکز میں اور درختوں کے اُگنے کی جگہ پر برسا (مسلم حدیث: ۲۰۷۸، بخاری حدیث: ۱۰۱۴، نسائی حدیث: ۱۵۱۸)۔

طوفان کے وقت پڑھنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّمَا فِیھَا وَشَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِہٖ یعنی اے اللہ میں تجھ سے اِسکی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس کے ذریعے سے بھیجا گیا ہے اُس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں اِسکے شر سے، اور جو کچھ اِسکے اندر ہے اُسکے شر سے اور جو کچھ اِس کے ذریعے سے بھیجا گیا ہے اُس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم حدیث رقم: ۲۰۸۵)۔

وضو کے بعد دعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کامل وضو کرے اور بعد میں یہ کلمات پڑھے، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اَشْھَدُ اَن لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں

کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں (مسلم حدیث رقم: ۵۵۳، ترمذی حدیث رقم: ۵۵، نسائی حدیث رقم: ۱۴۸، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۴۷۰)۔

سجدۂ تلاوت کی دعا

حضور ﷺ نے سجدۂ تلاوت میں تین بار یہ دعا پڑھی سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ یعنی میرا چہرہ اسکے آگے سجدہ ریز ہوا جس نے اِسے خلق کیا اور صورت عطا فرمائی اور اِسمیں سننے دیکھنے کے آلات نصب فرمائے (ابوداؤد حدیث رقم: ۱۴۱۴، ترمذی حدیث رقم: ۵۸۰)۔

اذان کا جواب

اذان توجہ سے سُنی چاہیے۔ سننے والے کو چاہیے کہ مؤذن کے کلمات خود بھی آہستہ آہستہ دہرائے لیکن حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ سن کر کہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مسلم حدیث رقم: ۸۵۰، ابوداؤد حدیث رقم: ۵۲۷)۔

اذان کے بعد پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اذان سُن کر یہ پڑھا اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُودَ نِ الَّذِيْ وَعَدتَّهٗ یعنی ''اے اللہ، اے اِس مکمل دعوت کے رب اور اِسکے نتیجے میں کھڑی ہونے والی نماز کے رب، محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور اُن کو اُس مقامِ محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے'' قیامت کے دن میری شفاعت اس کیلئے حلال ہوگئی (بخاری حدیث: ۶۱۴، ابوداؤد حدیث: ۵۲۹، ترمذی حدیث: ۲۱۱، نسائی حدیث: ۶۸۰، ابن ماجۃ حدیث: ۷۲۲)۔

صبح وشام پڑھنے کی دعا

۱۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر صبح وشام تین مرتبہ یہ پڑھے تو اسے کسی چیز سے نقصان نہ پہنچے گا بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ

فِیْ الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی اللہ کے نام سے، جسکے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی ، اور وہ سننے والا علم والا ہے (ابو داؤد حدیث رقم:۵۰۸۸،ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۸۶۹)۔

۲۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جوشخص صبح وشام سات بار یہ وظیفہ پڑھے اللہ تعالیٰ اسکے دین ودنیا کے تمام فکر دور کردیتا ہے خواہ وہ دل سے نہ بھی پڑھے حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ یعنی میرے لیے اللہ کافی ہے، اُسکے سواء کوئی معبود نہیں ہے، اُسی پر میرا توکل ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے (ابوداؤد حدیث:۵۰۸۱،قرطبی:۸/۲۷۵)۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو قبر میں اتارتے تو یہ پڑھتے۔بِسْمِ اللّٰہِ وَ عَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یعنی اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر (تجھے قبر میں رکھا جا رہا ہے: مسند احمد حدیث رقم:۴۸۱۱ ، ابو داؤد حدیث رقم:۳۲۱۳،ترمذی حدیث رقم:۱۰۴۶،ابن ماجۃ حدیث رقم:۱۵۵۰)۔

قبرستان میں پڑھنے کی دعا

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ یعنی اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔اللہ ہماری بھی مغفرت کرے اور تمہاری بھی۔تم ہم سے پہلے آ چکے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں (ترمذی حدیث رقم:۱۰۵۳)۔

شبِ برأت اور لیلۃ القدر کو مانگنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی یعنی اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا ہے، مجھے معاف کردے (ترمذی حدیث رقم:۳۵۱۳،ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۸۵۰،مسند احمد حدیث رقم:۲۵۴۳۸)۔

محبتِ الٰہی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی ایمان والے اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں (البقرہ:۱۶۵)۔ محبت کے تین مرتبے ہیں۔

ا۔ محبت

جب انسان اپنے ربِ کریم سے محبت کرتا ہے تو وہ ہر وقت اسی کی یاد میں رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو کسی چیز سے محبت کرے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے (کنز العمال جلد ا صفحہ ۴۲۵)۔

کسی شخص نے مجنوں کو ریگستان میں بیٹھے دیکھا وہ انگلیوں کا قلم بنا کر ریت کے کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا گویا کسی کو خط لکھ رہا ہو۔ اس آدمی نے پوچھا کہ اے مجنوں یہ خط کس کے نام لکھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں خط نہیں لکھ رہا۔ بلکہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ اس طرح اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ ان اشعار میں بیان فرمایا ہے:

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابانِ غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — مے نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — مے نویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نامِ لیلیٰ مے کنم — اطرِ خود را تسلی مے دہم

گویا محبوب کے نام سے محبّ کو تسلی ملتی ہے۔

۲۔ شدید محبت

محبت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کا عیب نہ دیکھ سکے اور نہ سن سکے۔ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِیُ وَیُصِمُّ یعنی کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے (ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۳۰، مسند احمد حدیث رقم: ۲۱۷۵۱)۔

گویا اب محبت انسان کے حواس پر اثر انداز ہوگئی۔ اب یا تو وہ اپنے محبوب کے حق میں اندھا اور بہرا ہے کہ اسے محبوب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور نہ ہی کسی کی زبان سے اس کا عیب سن سکتا ہے۔ یا پھر وہ دوسرے لوگوں کے حق میں اندھا اور بہرا ہے کہ وہ محبوب کے سواء کچھ دیکھنا اور محبوب کی آواز کے سواء کچھ سننا گوارا نہیں کرتا۔ یا پھر وہ اپنے مقصود کی راہ میں حائل ہونے والی کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بغیر آنکھیں اور کان بند کر کے حصولِ مقصد میں کوشاں رہتا ہے۔

سانوں دسیا عشق دے مفتی جیہڑا مُڑ مُڑ کے فرمَوندا
اعظم جتھے دل لگ جاوے اُتھے عیب نظر نہیں اَوندا

۳۔ اشد محبت (یعنی عشق)

محبت میں اندھا اور بہرہ ہونے کا جب یہ عالم ہوجائے کہ انسان اپنے محبوب کے معاملے میں عقل کی مداخلت کو ہی روا نہ سمجھے تو یہی اشد محبت یا عشق ہے۔ یہ محبت کی سب سے بڑی ڈگری ہے۔ جب محبت عشق کی حد تک بڑھ جائے تو اس وقت محبوب کے سوا ہر چیز پھونک دی جاتی ہے۔ امام فخرالدین رازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اشد محبت کے لیے اس دنیا میں عشق کا لفظ سب سے مناسب ہے (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)۔ صوفیاء کا قول ہے۔ اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحَرِّقُ مَا سِوَای الْمَحْبُوبِ یعنی عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے سواء ہر چیز کو جلا دیتی ہے (عام کتبِ تصوف)۔

گویا اب محبت انسان کی عقل اور جان و جگر پر اثر انداز ہوگئی۔ عاشق اپنے محبوب پر دنیا کی ہر چیز کو قربان کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی جان بھی اسی پر نچھاور کر دیتا ہے۔

اعظم بلا سے اپنی وہ ہستی ہی کیوں نہ ہو
جو چیز اس کی راہ میں حائل ہو پھونک دو

امام فخرالدین رازی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جمہور متکلمین کے نزدیک کی محبت کا تعلق

اطاعت، انعامات، احسانات اور ثواب سے ہوا کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات سے محبت ناممکن ہے۔ لیکن عارفین فرماتے ہیں کہ بندے کو اللہ کی اپنی ذات سے محبت ہوا کرتی ہے۔ باقی رہی خدمت اور ثواب سے غرض، تو یہ نچلے درجے کی چیزیں ہیں (تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ۱۷۶)۔

امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت اللہ تعالیٰ کے جمال کا گھر ہے اور دوزخ اللہ تعالیٰ کے جلال کا گھر ہے۔ جلال اور جمال دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اولیاء اللہ کی نظروں میں اللہ کی صفات سب برابر ہیں اور انہیں صفات سے بڑھ کر اسکی ذات سے محبت ہوا کرتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو کسی نے دیکھا کہ لوٹے میں پانی اور دیا سلائی لے کر جا رہی ہیں۔ کسی نے پوچھا کہاں جا رہی ہیں؟ فرمایا دوزخ بجھانے اور جنت کو آگ لگانے جا رہی ہوں تا کہ لوگ دوزخ کے خوف سے اور جنت کے لالچ میں عبادت نہ کریں۔ یہ سب باتیں اَشَدُّ حُبّاً لِلّٰهِ کے الفاظ میں اسمِ ذات کی گہرائی میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ اگر تم میرے سچے محبّ ہو تو میری خاطر دوزخ میں چھلانگ لگا دو مگر وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے سچے مومنوں کو بلا کر فرمائے گا۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری خاطر دوزخ میں چھلانگ لگا دو۔ وہ فوراً آگ میں کود پڑیں گے (اور انہیں کچھ بھی نہ ہوگا: بغوی جلد اصفحہ۱۳۶، مظہری جلد اصفحہ۱۶۳)۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: عقل کے امین کی بات عشق کا اسیر نہیں مانا کرتا۔ عشق کی مملکت میں عقل کی حکمرانی نہیں چل سکتی۔ عقل تعمیر کرتی ہے جبکہ عشق تباہ کرتا ہے۔ عقل تجارت کرتی ہے جبکہ عشق غارت گری میں مصروف ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے

مَحَضْتَنِیْ النُّصْحَ لٰکِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِیْ صَمَمٖ

ترجمہ:۔ ناصح تیرا خیال بجا مشورہ درست کچھ سوجھتا نہیں دیرِ جاناناں دیکھ کر

قصیدہ بردہ کے اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ "محبت کرنے والا اندھا اور بہرہ ہو

جاتا ہے‘‘۔اسے احمد وابوداؤداور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے(الزبدۃ العمدۃ صفحہ ۳۹)۔

محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی عطا سے محبت میں اضافہ نہ ہو اور محبوب کی جفا سے محبت میں کمی نہ آئے (مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۷۵ عن یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہ)۔

محبت کے یہ اعلیٰ مدارج صرف خواص کے لیے ہیں۔عوام ان کے مکلّف نہیں۔

طالبِ طریقت کو جذب و مستی کے اس عالم میں تبلیغِ دین کی اجازت نہیں ہوتی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کے یہ تمام مدارج طے کرنے کے بعد اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ پر عمل کرتے ہوئے اتباعِ سنت پر گامزن نہیں ہوجاتے وہ اگر تصنیف وتالیف اور تبلیغ کا کام شروع کر دیں تو اندھیر ہی مچاتے ہیں۔

روحانیت کا دائرہ مکمل ہونے سے پہلے کی باتیں ایک خاص کیفیت کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ایسے لوگ کبھی دین اور شریعت کے خلاف بول جاتے ہیں،کبھی علم اور علماء کے خلاف باتیں کہہ دیتے ہیں اور کبھی امت کے اجماعی اور متفقہ فیصلوں کو ٹھکرا دیتے ہیں۔کبھی کوئی دین کو سیاست سے جدا کہتا ہے اور کبھی کوئی کافر اور مسلم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔اس کے علاوہ ان سے نہایت غیر سنجیدہ اور نازیبا حرکات کا صدور بھی دیکھنے میں آیا ہے۔

ایسے لوگوں کی ان حرکتوں پر اللہ کریم کی طرف سے کوئی روحانی گرفت نہیں ہوا کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی مثال قرآنی قاعدہ پڑھنے والے اس بچے کی سی ہے جو آیات پڑھنے میں غلطیاں کرتا ہے مگر گناہگار نہیں ہوتا۔ایسے لوگ جب دیکھتے ہیں کہ اللہ کریم کی طرف سے انکا فیض نہیں رکا،تو وہ اپنے قبیح افعال پر مطمئن اور مسرور ہوجاتے ہیں۔پھر جب وہ روحانی اور شعوری طور پر بالغ ہوجاتے ہیں تو انہیں اپنے کہے پر خود پچھتانا پڑتا ہے۔ایسے لوگوں کو چاہیے کہ فی الحال تبلیغ سے باز رہیں یا پھر کم از کم شریعت کو حق اور باطل کا معیار سمجھیں۔

اول بھی شریعت ہے اور آخر بھی شریعت۔جب کہ درمیان میں سمندر ہے جس میں نہ کشتی ہے نہ ملّاح۔

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

ہرہوس نا کے نہ داند جام وسنداں باختن

ترجمہ :۔ایک ہاتھ میں شریعت کا پیالہ ہو دوسرے ہاتھ میں عشق کا لوہا کوٹنے والی آئرن ہو۔لیکن ہر کوئی لالچی اس پیالے اور اس آئرن کو اکٹھے لے کر چلنے والا کام نہیں جانتا۔

تصوف کا موضوع توحید اور محبتِ الٰہی ہے۔تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی اہم کتابیں یہ ہیں۔

کشف المحجوب (حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)، فتوح الغیب (حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)، عوارف المعارف (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ)، کتاب اللمع فی التصوف (حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ)، رسالہ قشیریہ (حضرت امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ)، سبع سنابل (حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ)، مثنوی معنوی (حضرت مولانا جلال الدین رومی المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)، مکتوباتِ امامِ ربانی (حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ)۔

فقیر راقم الحروف نے اس موضوع پر اسرار السلوک کے نام سے ایک مستقل کتاب تحریر کر دی ہے۔جس میں عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق اس موضوع کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

☆......☆......☆

باب دوم

محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسمِ محمد ﷺ

اسمِ محمد ﷺ کے معنی

محمد کے معنی ہیں ''بہت زیادہ تعریف کیا گیا''۔مفرداتِ راغب میں لکھا ہے مُحَمَّدٌ اِذَا کَثُرَتْ خِصَالُهُ الْمَحْمُوْدَةُ یعنی محمد وہ ہے جس کے خصائلِ محمودہ بے شمار ہوں (مفرداتِ راغب صفحہ ۱۳۰)۔

عیسائی لغت نویس ''لوئس معلوف'' اپنی کتاب المنجد میں لکھتا ہے اَلْمُحَمَّد بہت عمدہ خصلتوں والا (المنجد صفحہ ۲۳۷)۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے حضور ﷺ کے اس نام کے ساتھ موسوم ہونے کی کئی وجوہات لکھی ہیں۔آپ کی عبارت کا خلاصہ اس طرح ہے۔

آپ کا نام ''محمد'' رکھے جانے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کے عمدہ خصائل کثیر التعداد ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی حمد بار بار کی جا رہی ہے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی حمد کثرت سے کی ہے اور اس میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ حمد کی انتہا کر دی ہے (حمداً کثیراً بالغاً غایة الکمال) اور اسی طرح فرشتوں،انبیاء اور اولیاء نے بھی آپکی حمد کی حد کر دی ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اوّلین و آخرین سارے کے سارے آپ کے جھنڈے کے نیچے آپ کی حمد کریں گے۔اسی لیے اس جھنڈے کو لواءِ حمد کا نام دیا گیا ہے۔نیک فال کے طور پر آپ کا نام محمد رکھا گیا تا کہ آپکی حمد کثرت سے ہو۔چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔اللہ تعالیٰ نے آپکے گھر والوں کو الہام کیا کہ میرے حبیب کا نام محمد رکھو۔آپکا یہ نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (جمع الوسائل جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)۔

آپ ﷺ سے پہلے یہ نام دنیا بھر میں کسی کا نہ تھا چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس نام کی کسی اہم اور مشہور شخصیت سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔

آج دنیا کا کوئی مذہب اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعریف کثرت سے ہو رہی ہے، بار بار ہو رہی ہے اور دنیا کے کونے کونے میں ہو رہی ہے۔دن میں پانچ

مرتبہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی صدا دنیا کے چپے چپے پر گونجتی ہے۔حمد وثنا کا یہ اہتمام دنیا کے کسی دوسرے پیشوا کے لیے نہیں ہو رہا۔درود شریف کے نذرانے ہر وقت آپکی خدمت میں پیش ہو رہے ہیں۔آپ ﷺ کے قیل وقال اور تعلیمات کا لامتناہی سلسلہ جاری وساری ہے۔آپ کی رسالت کی ہمہ گیریت،عالم گیریت اور خاتمیت اسم محمد کے ساتھ زبردست مطابقت رکھتی ہے۔

ذرا سوچیے! کیا یہ محض اتفاق ہے کہ اِدھر جس ہستی کی حمد وثنا کا یہ عالم ہے اُدھر اس کا نام ''محمد'' ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ عین خدائی تجویز اور اللہ تعالیٰ کا منصوبہ ہے۔

اور انجیل برنباس کے الفاظ ہیں Muhammad is his blessed name

محمد اس کا خداداد نام ہے (انجیل برنباس صفحہ ۱۲۳)۔

مزید غور فرمایئے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کا نام قرآن ہے۔قرآن کے معنی ہیں ''بہت زیادہ پڑھا جانے والا'' قرآن کا ایک معنی یہ بھی ہے ''جس میں تمام علوم جمع کر دیے گئے ہوں''۔واقعی یہ کتاب پوری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جا رہی ہے۔مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کا ناظرہ خوان ہے۔اس کے حافظ اور قاری اتنے ہیں کہ انکی مردم شماری بس سے باہر ہے۔اسکے مفسر و مدرس ہر وقت اس کی خدمت پر کمربستہ ہیں۔اسکی تفسیروں کی تعداد کا احاطہ آج تک کسی سے نہیں ہو سکا۔رمضان شریف میں نمازِ تراویح کے دوران قرآن پڑھنے اور سننے کا منظر اتنا دلکش ہوتا ہے کہ اہل ایمان پر وجد طاری ہو جائے اور یہ منظر اتنا بارُعب ہوتا ہے کہ مخالفین کے دل دہل جائیں۔

یہ کتاب علوم سے اس قدر لبریز ہے کہ خود اعلان کرتی ہے کہ مجھ میں تمام علوم کا بیان موجود ہے (تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْءٍ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے اونٹ کی رسی بھی اگر گم ہو جائے تو میں قرآن کھول کر معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کہاں رکھی ہے۔

حضور ﷺ کا نام محمد۔اور آپکی کتاب کا نام قرآن ، کتنا گہرا تعلق ہے اور کیسی حسین مناسبت۔سبحان اللہ! اس سے بھی آگے چلیے۔آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا نام اسلام ہے۔اسلام کے معنی ہیں ''مان لینا اور تسلیم کر لینا''۔اس لفظ کے اپنے اندر ہی دعوت وتبلیغ کا مفہوم صاف صاف موجود ہے۔گویا اسلام کی تعلیمات محدود لوگوں،محدود علاقوں اور محدود زمانے کے لیے نہیں ہیں بلکہ جو بھی ''مان لے'' اس کے لیے اسلام کے دروازے کھلے ہیں۔جسطرح اسم محمد سے ہمہ گیریت،

عالم گیریت اور خاتمیت کا مفہوم جھلکتا ہے اسی طرح لفظِ اسلام بھی اپنے اندر ہمہ گیریت، عالم گیریت اور خاتمیت کی خصوصیات رکھتا ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے مذہب کے نام میں یہ خوبصورتی موجود نہیں۔

ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی اور خوش ہیں، اسلام کے دین ہونے پر راضی اور خوش ہیں۔ قرآن کے کتاب ہونے پر راضی اور خوش ہیں اور محمد کریم ﷺ کے نبی ہونے پر راضی اور خوش ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔

اسمِ محمد کا لفظی حسن

لفظ ''محمد'' اپنے حروف کے لحاظ سے مختلف وجوہ سے لفظ ''اللہ'' کے مشابہ ہے۔ محمد میں چار حروف ہیں تو اللہ میں بھی چار ہی حروف ہیں۔ محمد میں ایک تشدید ہے تو اللہ میں بھی ایک ہی تشدید ہے۔ محمد کا تیسرا حرف مشدد ہے تو اللہ کا بھی تیسرا ہی حرف مشدد ہے۔ محمد پر کوئی نقطہ نہیں تو اللہ پر بھی کوئی نقطہ نہیں۔ محمد کے کسی حرف پر جر (زیر) نہیں تو اللہ کے کسی حرف پر بھی زیر نہیں۔ دراصل زیر میں اتار اور جھکاؤ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے حبیب کے نام میں رفعت ہی رفعت رکھی ہے۔ جھکاؤ نہیں آنے دیا۔

لفظ اللہ کے تمام حروف بامعنی ہیں۔ الف ہٹا دو تو للہ رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''اللہ کے لیے''۔ پہلا لام ہٹا دو تو ''لہ'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''اسی کے لیے''۔ دوسرا لام بھی ہٹا دو تو ''ہو'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''وہی ذات''۔

اسی طرح محمد کے بھی تمام حروف بامعنی ہیں۔ پہلا میم ہٹا دو تو باقی ''حمد'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں تعریف۔ ح بھی ہٹا دو تو ''مد'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''لمبا کرنا اور دوام بخشنا''۔ دوسرا میم بھی ہٹا دو تو ''دال'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''دلیل بننا اور ثبوت دینا''۔

گویا اسمِ محمد اپنے لفظی حسن کے اعتبار سے اسم اللہ کا عکسِ کمال ہے۔ باقی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر اگر صرف اسمِ محمد کو ہی لے لیا جائے تو یہ اسلام کی صداقت وحقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف اور ثبوت فراہم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات کو بطور دلیل پیش کیا ہے چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی

وَدِیْنِ الْحَقِّ یعنی وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا (فتح: ۲۸)۔

مراد یہ کہ اگر تم لوگ مجھے جاننا چاہتے ہو تو میں وہی ہوں جس نے یہ رسول بھیجا ہے۔ یہ رسول میری الوہیت کا چلتا پھرتا ثبوت ہے۔ گویا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے دعوے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بطور دلیل وارد ہوا ہے۔

یہ دلیل جتنی کامل، حسین، محمود اور بے عیب ہو گی۔ اللہ کی توحید اسی قدر نکھرتی چلی جائے گی۔ دلیل میں جتنی قوت ہو گی دعوے کو اتنی ہی تقویت فراہم ہو گی۔ لہٰذا مزید کسی دلیل کے بغیر نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی طرف ہر وصفِ کمال کا انتساب درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتُعَـزِّرُوْهُ وَتُوَقِّـرُوْهُ یعنی میرے نبی کی تعظیم کرو اور توقیر کرو (فتح: ۹)۔ مبرّد کا قول ہے کہ تُـوَقِّـرُوْهُ تُبَـالِغُوْا فِیْ تَعْظِیْمِهٖ یعنی اس آیت میں توقیر سے مراد یہ ہے کہ تعظیم میں مبالغہ سے کام لو (الشفا جلد ۲ صفحہ ۲۸)۔

لہٰذا تعظیم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا میں جائز مبالغہ کرنا عین قرآنی حکم ہے۔ اسے عام مبالغہ آرائی نہیں سمجھنا چاہیے اور احتیاط کی آڑ میں تعظیم رسول ﷺ کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

اسمِ محمد ﷺ۔ اِنَّـآ اَعْـطَیْـنٰـکَ الْـکَوْثَرَ۔ وَتُعَـزِّرُوْهُ وَتُـوَقِّرُوْهُ۔ یہ تینوں بے جا احتیاطوں میں سخت مانع ہیں اور بخل کے تالے توڑ ڈالنے پر مجبور کرتے ہیں۔

قاعدہ کلیہ

یہ اصول ہمیشہ کے لیے یاد کر لیجیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان اور تعظیم میں کہی جانے والی ہر بات درست ہے۔ بغیر کسی دلیل کے ہر وہ بات مانتے چلے جایئے جس کا تعلق نبی کریم ﷺ کی رفعتِ شان سے ہو۔ ''اسمِ محمد'' کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنی توحید کے دعوے پر حضور ﷺ کو دلیل بنانے کا بھی یہی تقاضا ہے اور ہمارے اوپر بحیثیت غلام یہی فرض عائد ہوتا ہے کہ جب مخالفوں کی طرف سے مخالفت کی انتہا ہو رہی ہو تو غلاموں کی طرف سے عزت و توقیر کی بھی انتہا ہی ہونی چاہیے۔ ایک سچے امتی کا اپنے آقا کے ساتھ یہی رویہ ہونا چاہیے۔ ہاں ایک خدائی اور الوہیت کا عقیدہ نبی کریم ﷺ کے حق میں درست نہیں۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ میں لکھتے ہیں۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارىٰ فِيْ نَبِيِّهِمْ ۔۔۔ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً وَّاحْتَكِمِ

وَانْسُبْ اِلىٰ ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ۔۔۔ وَانْسُبْ اِلىٰ قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٖ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ ۔۔۔ حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

ترجمہ:۔ جو بات عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کہی اسے چھوڑ کر باقی ہر طرح اپنے حبیب ﷺ کی مدح کر۔ آپکی ذات کی طرف ہر شرف اور ہر عظمت کو بے دریغ منسوب کر دے۔ آپ ﷺ کی فضیلت اور شان کی کوئی حد ہی نہیں پھر آپ کی تعریف کا حق کوئی کس طرح ادا کر سکتا ہے۔

قرآن مجید نبی کریم ﷺ کی شان سے لبریز ہے۔ کتبِ حدیث میں فضائل اور مناقب کے نام سے نبی کریم ﷺ کی شان میں مستقل ابواب موجود ہیں مثلاً بخاری شریف میں کتاب المناقب، مسلم شریف میں کتاب الفضائل اور مشکوٰۃ شریف میں باب فضائلِ سید المرسلین موجود ہے۔

سیرت، خصائص اور معجزات پر الگ کتب کا ایک لامحدود ذخیرہ ضبطِ تحریر میں لایا جا چکا ہے اور اس سلسلے کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ آپ ﷺ کے سوا کسی شخصیت پر آج تک اتنی کتب نہیں لکھی گئیں۔ حضور ﷺ کی شان میں قرآن کی بے شمار آیات میں سے صرف چند منتخب آیات اور ان کی تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

شانِ رسالت میں پہلی آیت:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ یعنی وہ لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے۔ وہ اسے اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (اعراف:۱۵۷)۔

باوجود یہ کہ ترجمہ در ترجمہ کے بے شمار مراحل سے گزرنے کے بعد بائبل کا اصل حلیہ مکمل طور پر بگڑ چکا ہے اور اس کی غلطیاں، غلطان بن چکی ہیں، ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں موجودہ بائیبل میں بھی بے شمار بشارات موجود ہیں۔ ان میں سے چند بشارات لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تورات میں بشارات

(۱)۔ ''تب خدانے ابراہیم سے کہا......اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سُنی۔دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔اسے نہایت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا''(پیدائش ۱۷:۲۰)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمارے نبی کریم ﷺ پیدا ہوں۔چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔اس دعا کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں موجود ہے:رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ یعنی اے ہمارے رب!ان میں ایک شان والا رسول بھیج جو انہی میں سے ہو۔ان پر تیری آیات پڑھے۔انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کردے(البقرہ:۱۲۹)۔

(۲)۔ خداوند نے مجھ سے کہا''انہوں نے اچھا کہا۔میں ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیری طرح ایک نبی برپا کردوں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔اور جو انسان میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے کہے گا نہ مانے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا''(استثناء۱۸:۱۸،۱۹)۔

یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جو تورات میں موجود ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یہودی بنی اسرائیل میں سے تھے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد۔اِن کے بھائیوں میں نبی برپا ہونے سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی کا مبعوث ہونا ہے۔

اے موسیٰ!''تیری طرح ایک نبی برپا کروں گا''۔اس میں بھی نبی کریم ﷺ کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نبی ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی صاحبِ شریعت نبی ہیں۔قرآن شریف اسکی تائید اِن الفاظ سے کرتا ہے۔اِنَّا اَرۡسَلۡنَا اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِداً عَلَيۡكُمۡ كَمَا اَرۡسَلۡنَا اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا یعنی ہم نے تم لوگوں کی طرف رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا(مزمل:۱۵)۔

''میں اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا''۔اس جملے کی تائید قرآن ان الفاظ سے کرتا ہے۔

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰیؕ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی یعنی میرا نبی اپنی مرضی سے نہیں بولتا بلکہ یہ جو کچھ بولتا ہے وہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے (النجم:۳،۴)۔

''جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا''۔ اس جملے کی تائید قرآن سے اس طرح ہوتی ہے: فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ یعنی آپ کے ذمے بات پہنچا دینا ہے (رعد:۴۰)۔

''جو نہ مانے گا میں اِسکا حساب اُس سے لوں گا''۔ اسکی تائید قرآن سے اسطرح ہوتی ہے۔

وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ یعنی نہ ماننے والوں سے حساب لینا ہمارے ذمے ہے (رعد:۴۰)۔

(۳)۔ یہ وہ برکت ہے جس سے مردِ خدا موسیٰ نے اپنی وفات سے پیشتر بنی اسرائیل کو دعا دی۔ اس نے کہا خداوند سِینا سے آیا۔ اور سعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش پھوٹ نکلی۔ اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا (استثناء ۳۳:۲،۱)۔

خداوند سینا سے آیا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نازل ہونا ہے۔ سعیر سے طلوع ہونے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہے اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد نبی کریم ﷺ پر وحی کا نزول ہے۔ دس ہزار قدسیوں میں فتح مکہ کے اس منظر کی طرف اشارہ ہے جب دس ہزار صحابہ کرام علیہم الرضوان کا لشکر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ شعلہ زَن آتش سے مراد شریعت ہے اور ''اسکے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا'' سے مراد جنگ اور جہاد کے ذریعے دشمنوں کو مغلوب کرنا ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ لہٰذا تورات کی یہ پیشن گوئی صاف نبی کریم ﷺ پر فٹ بیٹھتی ہے۔ اس سے ملتی جلتی آیت قرآن میں اسطرح موجود ہے۔

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ یعنی مجھے قسم ہے انجیر اور زیتون کی (وہ جنگل جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبادت کی) اور مجھے قسم ہے طورِ سینا کی (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چلہ گاہ تھی) اور مجھے قسم ہے اس امین شہر کی (یعنی مکہ شریف)۔ (التین:۱ تا ۳)

زبور میں بشارات

زبور نمبر ۴۴ کے الفاظ یہ ہیں۔

عشقیہ غزل

’’میرا دل ایک نفیس مضمون سے لبریز ہے۔ میں بادشاہ کے لیے اپنی غزل سناتا ہوں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے۔ تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے۔ تیرے لبوں میں لطافت انڈیلی ہوئی ہے۔ اس لیے خدا نے ہمیشہ کے لیے تجھے مبارک ٹھہرایا ہے۔ اے جلیل القدر! تو اپنی تلوار کو یعنی اپنے جلال و جمال کو اپنی ران سے باندھ۔ حقیقت اور صداقت کی خاطر اقبال مندی سے سوار ہو۔ اور تیرا دستِ راست تجھے عجیب کام دکھائے۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں۔ بادشاہ کے دشمن ہمت ہارتے ہیں۔ اے خدا! تیرا تخت ابدالآباد تک قائم ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت رکھتا ہے۔ اس لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں کی نسبت زیادہ مسح کیا۔ تیرے لباس مُر اور عود اور تج سے زیادہ خوشبودار ہیں۔ عاج کے ایوانوں سے تاردار سازوں کی آواز تجھے خوشی دلاتی ہے۔ شاہوں کی بیٹیاں تیرا استقبال کرتی ہیں۔ ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے مزین کھڑی ہے۔ اے بیٹی! سن غور کر کے کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کا گھر بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ وہی خداوند ہے تو اس کی مطیع ہو۔ اور صُور کے باشندے ہدیہ لے کر آتے ہیں۔ قوم کے دولت مند تیرے کرم کے خواہاں ہیں۔ شہزادی سرتاپا حسن افروز داخل ہوتی ہے۔ اس کا لباس زربفت کا ہے۔ وہ منقش لباس سے بادشاہ کے حضور لائی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے اس کی کنواری خواصیں تیرے سامنے حاضر کی جاتی ہیں۔ وہ خوشی اور شادمانی سے پہنچائی جاتی ہیں۔ وہ شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں۔ تیرے بیٹے تیرے آباء کے جانشیں ہوں گے۔ تو ان کو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔ میں تیرے نام کی یاد پشت در پشت قائم رکھوں گا۔ اس لیے اُمتیں ابد الآباد تک تیری تعریف کریں گی‘‘ (زبور نغمہ نمبر:۴۴)۔

زبور کی اس طویل غزل پر ذرا غور کیجیے۔ یہ دراصل نبی کریم ﷺ کی نعت ہے جسے بائیبل کے مترجم نے عشقیہ غزل کہہ دیا ہے۔

’’تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے‘‘ یہ اَنَـا سَیِّـدُ وَلَـدِ آدَمَ کا ترجمہ ہے۔

''تلوار کوران سے باندھنا'' یہ جہاد بالسیف کی صراحت ہے۔ ''قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں'' یہ یَـا اَیُّھَـا الـنَّـاسُ اِنِّـیْ رَسُـوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً کا ترجمہ ہے۔ ''دشمن ہمت ہارتے ہیں'' یہ اَنْتُمُ الْاَعْـلَوْنَ کا ترجمہ ہے۔ ''تیرا تخت ابدالآباد تک قائم ہے'' یہ خَـاتَـمُ الـنَّبِیّٖنَ کا ترجمہ ہے۔ ''تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے'' یہ مدینہ شریف میں سلطنت کی بنیاد رکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ ''تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت کرتا ہے'' یہ صادق اور امین کا ترجمہ ہے۔ ''خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں سے زیادہ مسح کیا ہے'' یہ کَـانَ فَـضْـلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً کا ترجمہ ہے۔ ''لباس سے تج، مُر اور عود کی خوشبو کا آنا'' اس سے نبی کریم ﷺ کے لباس اور پسینہ کی خوشبو مراد ہے جو مسلمانوں میں مشہورِ عام ہے۔ ملاحظہ ہو (بخاری حدیث رقم: ۳۵۶۱، مسلم حدیث رقم: ۶۰۵۳، دارمی حدیث رقم: ۶۷، مسند احمد حدیث رقم: ۱۳۳۸۶)۔

شہزادی کے شاہی محل میں داخل ہونے سے سیدہ شہر بانو کی طرف اشارہ ہے جو شاہِ ایران کی بیٹی تھیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں سیدنا امام حسین کے عقد میں دیا تھا۔ ''تیرے بیٹے آباء کے جانشین ہوں گے۔ تو انکو روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا''۔ اس سے مراد حضور ﷺ کی آل کے افراد کا دنیا کے مختلف ممالک میں حکمران بننا ہے جس پر پوری تاریخ گواہ ہے۔ ''تیرے نام کی تعریف پشت دَر پشت قائم رکھوں گا''۔ اس میں اِنَّـا اَعْـطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی طرف اشارہ ہے۔ ''اُمتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی''۔ اس میں آپ ﷺ کے ذاتی نام محمد کا ترجمہ صاف موجود ہے اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح ہے (بائیبل کے مترجمین کی عادت ہے کہ وہ نام کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں)۔

فقیر راقم الحروف نے زبور کی اس پوری غزل کا مفہوم اردو نعت میں منتقل کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیں (اس میں ''اظہار الحق'' کی توضیحات شامل ہیں)۔

نعتِ رسول ﷺ

ہر اک حسیں سے بڑھ کر حسن و جمال تیرا ہر اک نبی نے مانا فضل و کمال تیرا
تیری کمر سے لٹکی تیغِ بہادری ہے رحمت بھرا ہے پیارے طیش و جلال تیرا

حق کے لیے نکل کر تیرا سوار ہونا — لایا عجب کرشمے دستِ کمال تیرا
ہرقل، نجاشی منذر زیرِ نگین تیرے — اے تیز تیروں والے دبنا محال تیرا
حق آ گیا ہے باطل جڑ سے اُکھاڑ ڈالا — لہرا رہا ہے جھنڈا اب لازوال تیرا
صدق وصفا کے داعی اعلیٰ خصال والے — باتیں تیری مُعطر عنبری خیال تیرا
تج، مُر سے بھی زیادہ مہکے لباس تیرا — خوشبو پسینہ دیتا ہے بے مثال تیرا
شاہزادیاں ہیں تیرے شاہی محل کی رونق — شاہِ ایراں کی بیٹی اہل وعیال تیرا
تیرے کرم کو ترسیں جاہ وجلال والے — شاہ وگدا پہ شاہا عطیہ بحال تیرا
یمن وحجاز وہند میں سلطان تیرے بیٹے — آخر زماں میں مہدی بھی فردِ آلِ تیرا
تجھ پر درود ہوں گے ہوں گے سلام دائم — آذاں پڑھے گا تیری ہر اک بلال تیرا
نعتِ نبی یہ ساری نغمہ زبور کا ہے — اے قاسمی نگہباں وہ ذوالجلال تیرا

(زبور: نغمہ نمبر ۴۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ
الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

اِنجیل میں بشارات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

(۱)۔ میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابدالآباد تک تمہارے ساتھ رہے(یوحنا۱۴:۱۶)۔

اس آیت میں وکیل سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ ۱۸۹۰ء کے ترجمے اور دوسرے قدیم ترجموں میں وکیل کی جگہ فارقلیط کا لفظ موجود ہے۔ آج کل کے ترجموں میں وکیل، شفیع اور مددگار کے الفاظ موجود ہیں۔ فارقلیط ایک نام ہے۔ اور نام کا ترجمہ کرنا بالکل بے تکی بات ہے، جس سے مترجم کی نیت کی خرابی کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ پھر فارقلیط کا ترجمہ کہیں وکیل، کہیں شفیع اور کہیں مددگار کرنا بھی تعجب انگیز ہے۔ آج ہماری آنکھوں کے سامنے انجیل کے ترجموں کا جو حشر ہو رہا ہے

اس سے دو ہزار سالہ مشق کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں ''ابدالآباد تک ساتھ رہے گا'' سے نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح کردی گئی ہے۔

(۲)۔ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔ وہ میری بزرگی بیان کرے گا (یوحنا ۱۶:۱۳،۱۴)۔

ان آیتوں میں ''وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا'' یہ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰیؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیۙ کا صاف ترجمہ ہے۔ آئندہ کی خبر دینے سے نبی کریم ﷺ کا غیب کی خبریں دینا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے بے دریغ غیب کی خبریں دی ہیں جن سے قرآن وحدیث لبریز ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ یعنی اے نبی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں (آلِ عمران:۴۴)۔

انجیل کا اگلا جملہ یہ ہے ''وہ میری بزرگی بیان کرے گا''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا پر یہودیوں نے جو الزامات لگائے تھے۔ ان الزامات کا صحیح جواب نبی کریم ﷺ دیں گے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ کی صفائی میں طویل بیانات موجود ہیں۔ ایک پوری سورت قرآن شریف میں مریم کے نام سے موجود ہے۔ یہود کے جن الزامات کا جواب عیسائی حضرات کبھی نہ دے سکے۔ قرآن نے وہ تمام الزامات دھوڈالے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی ثابت کردی۔

(۳)۔ یوحنا اصطباغی نے کہا ''آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے'' (متی ۳:۲)۔

عیسائی کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی حضرت یحیٰی علیہ السلام (یوحنا) نے مسیح کے حق میں کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ پیش گوئی فرمائی ہے۔ انجیل کے الفاظ یہ ہیں ''اس وقت یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے'' (متی ۴:۱۷)۔

یہ منادی تو حضرت یحیٰی علیہ السلام نے نہیں کی۔ بلکہ اس میں صاف یسوع کا لفظ موجود

ہے۔بتائیے یسوع کس کے حق میں منادی کرر ہے ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آج تک ہمارے نبی کریم ﷺ کے سواء کوئی نبی نہیں آیا جس کے حق میں یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی یہ منادی تسلیم کی جاسکے اور آسمان کی مذکورہ بادشاہی منسوب کی جاسکے۔

(۴)۔ یوحنا کی شہادت یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی اس کے پاس یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے۔تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔تب انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو النبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں (یوحنا باب نمبرا، آیت ۱۹۔۲۱)۔

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم عصر اور حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین سوال ہیں۔

ا۔کیا تو مسیح ہے؟ ۲۔کیا تو الیاس ہے؟ ۳۔کیا تو النبی ہے؟

ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو مسیح کے علاوہ بھی کسی کا انتظار تھا۔حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تینوں سوالوں کا جواب نفی میں دیا۔

مسیح اور الیاس کی شخصیات تو کسی نہ کسی طرح معلوم و متعین ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''النبی'' سے کون مراد ہے؟

باقی اردو تراجم میں ''النبی'' کی جگہ ''وہ نبی'' کا لفظ ہے۔ انگریزی ترجمہ میں ''The prophet'' کا لفظ موجود ہے۔نام لیے بغیر اسے النبی اور وہ نبی کہنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں النبی یا وہ نبی سے مراد ہر کوئی سمجھتا تھا۔اور ہر کوئی النبی کے لیے چشم براہ تھا۔ مسیح کے زمانے میں مسیح کے آجانے اور اعلانِ نبوت کر دینے کے بعد کسی اور کا انتظار! کیا معنیٰ؟

اِدھر قرآن کو پڑھیے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے قرآن میں نبی اور رسول کے الفاظ موجود ہیں مگر النبی کا لفظ صرف نبی کریم حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً يَا اَيُّهَاالنَّبِيُّ ۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْاَنْفُسِهِمْ وغیرہ۔لہٰذا انجیل میں ''النبی'' یا وہ نبی سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔

(۵)۔ انجیل برنباس میں ہے

''محمد کا انتظار کرو۔ جس کی خاطر میں نے جنت، پوری دنیا اور روز بروز بڑھتی ہوئی مخلوقات پیدا کی ہیں'' (انجیل برنباس باب ۹۷ صفحہ ۱۳۴)۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں اس کے جوتے کے تسمے کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ میں نے خدا سے اس بات کی دعا کی ہے کہ میں اسے دیکھ سکوں (انجیل برنباس ۹۷:۱)۔

(۶)۔ اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو اٹھے اور بیج اُگے اور بڑھے اور وہ جانے بھی نہ کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ زمین خود بخود پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی پھر بال میں پورے دانے اور جب پھل پک جاتا ہے تو وہ فوراً درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا (مرقس کی انجیل ۴:۲۶۔۲۹)۔

انجیل کی ان آیات میں نبی کریم ﷺ کے دین کی بنیاد رکھنے سے لے کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر التعداد جماعت کے مرتبہ کمال کو پہنچ کر دنیا کے کونے کونے کو فیض یاب کرنے کا بیان ہے۔ اس بات کو کھیت اور فصل کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے: ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی صحابہ کرام کی یہی مثال تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ مثال ایک کھیتی کی سی ہے جس نے باریک کونپل نکالی پھر اسے قوت دی اور وہ موٹی ہوگئی پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے کفار کے دل جل جائیں (الفتح: ۲۹)۔

انجیل کی مذکورہ آیات کو بھی بار بار پڑھیے اور قرآن کی آیت بھی بار بار دیکھئے، نبی کریم ﷺ کو ماننے والوں کی تعداد کا شروع شروع میں کم ہونا اور پھر آہستہ آہستہ بڑھتے جانا حتیٰ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عظیم الشان اجتماع جس سے واقعی کفار کے دل ہل جائیں۔ یہ سب کچھ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

مختلف انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے زندگی بھر صرف ایک شخص کو مسلمان کیا کسی نے دو کو۔ کسی نے بارہ کو اور کسی نے اَسی کو۔ لیکن یہ صرف اور صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کا کارنامہ ہے کہ

فوج درفوج افراد کوراہِ ہدایت پرگامزن کردیااور لاکھوں قدسیوں کواپنی نگاہِ کرم سے فیض یاب کر دیا۔

خالق اپنی مخلوق سے، کاریگر اپنی صنعت سے اور استاد اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر تعداد اوران کا زہد وتقویٰ واخلاص ہمارے نبی کریم ﷺ کی افضلیت کا کھلا ثبوت ہے۔

بائیبل میں لکھا ہے کہ ''وہ ہزاروں قدسیوں میں آیا'' (استثناء ۲:۳۳)۔

اور قرآن میں ہے کہ وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجاً یعنی تو نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہورہے ہیں۔ یہ اعزاز نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

عیسائیت کے رد میں لکھی جانے والی دنیا میں سب سے اچھی کتاب اظہار الحق ہے یہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے۔ فقیر راقم الحروف نے بھی اس موضوع پر ایک ہمہ پہلو کتاب لکھی ہے جس کا نام ''عیسائیت سے اسلام تک'' ہے۔

دوسری آیت:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یعنی یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آ گئی (مائدہ:۱۵)۔

اس آیت میں نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس سے پچھلے جملے میں قَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلُنَا کے الفاظ ہیں جن میں صاف نبی کریم ﷺ کا ذکر ہے۔ تفسیرِ خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین اور تفسیر مدارک وغیرہ میں لکھا ہے کہ نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

خود نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (المصنف لعبد الرزاق الجزء المفقو د حدیث رقم:۱۸، مواہبِ لدنیہ جلد ا صفحہ ۹)۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے، آپ ﷺ سراپا نور تھے بلکہ اللہ کے نور میں سے نور تھے (المصنف لعبد الرزاق الجزء المفقو د حدیث رقم:۱۷)۔

اور فرمایا میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے (نور ظلم صفحہ ۳ از حماد بن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ)۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ اِنِّیْ لَسْتُ کَمِثْلِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ یعنی میں تمہاری طرح کا نہیں ہوں میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے (بخاری حدیث رقم: ۷۲۹۹)۔ نیز فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ یعنی تم میں سے کون مجھ جیسا ہے۔ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے (بخاری حدیث رقم: ۱۹۶۵، مسلم حدیث رقم: ۲۵۷۱)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا اور آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی چمک سورج پر بھی غالب تھی اور چراغ پر بھی غالب تھی (الوفا صفحہ ۴۰۷)۔

حضرت عثمان غنی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ کوئی انسان اس پر پاؤں نہ رکھے (مدارک جلد ۳ صفحہ ۳۴۳)۔

حضرت ذکوان تابعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ ہی دھوپ میں دیکھا گیا اور نہ ہی چاندنی میں دیکھا گیا (حکیم ترمذی، خصائص کبریٰ ۱/۱۱۶)۔

ابن سبع رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں اور آپ نور تھے (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔

نبی کریم ﷺ کی بشریت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اسکا انکار کفر ہے، مگر اسکے ساتھ آپ کی نورانیت بھی دلائل سے ثابت ہے۔ ایک اعلیٰ وصف کے ہوتے ہوئے عامیانہ وصف سے نبی کریم ﷺ کو یاد کرنا بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضاً یعنی جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس طرح رسول کو مت بلاؤ (النور: ۶۳)۔

یہی وجہ ہے کہ ازواجِ مطہرات، سیدۃ فاطمۃ الزہراء، حضرت عباس، سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروقِ اعظم، سیدنا عثمانِ غنی، مولا علی اور حسنین کریمین علیہم الرضوان آپ ﷺ کو اپنے رشتے سے پکارنے سے اجتناب فرماتے تھے اور آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی بشریت کے معلوم ہونے کے باوجود آپ کو نور ہی کہنا زیب دیتا ہے۔ اسی میں ادب ہے خصوصاً جب کہ آپ کی نورانیت قوی دلائل سے ثابت ہے۔

آپ ﷺ کا اوّل الخلق ہونا

حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (مواہب جلد ا صفحہ ۹)۔ایک اور حدیث میں ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ ادَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے (ترمذی حدیث:۳۶۰۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں اس وقت بھی اللہ کے ہاں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم مٹی میں گوندھے جا رہے تھے (شرح السنۃ حدیث:۳۶۲۶، مشکوٰۃ حدیث:۵۷۵۹)۔

میلا دُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ آیت کہ ''اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آ گیا اور کتاب آ گئی''۔اس میں نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے۔مسلمان نبی کریم ﷺ کے میلاد شریف کی خوشی ہمیشہ سے مناتے چلے آئے ہیں۔یہ اللہ کی نعمت کا شکر ہے اور اس کے فضل پر فرحت وشادمانی کا اظہار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یعنی کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشیاں مناؤ (یونس:۵۸)۔

حضور ﷺ اللہ کا سب سے بڑا فضل اور اسکی سراپا رحمت بلکہ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں۔لہٰذا آپ کی تشریف آوری پر خوشی منانا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوا۔

ایک اور آیت میں فرمایا: وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کر (الضحیٰ:۱۱)۔ نبی کریم ﷺ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں لہٰذا اس نعمت کو بیان کرنا بھی دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ثابت ہوا۔

خود نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے۔پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ ہر سوموار کو روزہ کیوں رکھتے ہیں۔فرمایا اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اس دن مجھ پر قرآن اتارا گیا (مسلم حدیث رقم:۲۷۵۰)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے گھر کے ایک فرد (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے خواب میں دیکھا۔آپ نے اس سے اس کا حال پوچھا۔اس نے کہا کہ حال برا

ہے۔صرف اس انگلی میں سے پینے کا پانی مل جاتا ہے جس سے اشارہ کر کے میں نے محمد ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی کنیز ثویبہ کو آزاد کیا تھا (بخاری حدیث رقم: ۵۱۰۱)۔

ترمذی شریف میں ایک باب موجود ہے جس کا نام "بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مِیْلَادِ النَّبِیِّ ﷺ" ہے۔

میلاد شریف کے موقع پر نعت، درود، محافل کا انعقاد، جلوس نکالنا اور رسالت کے نعرے بلند کرنا سب جائز ہے۔ جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کا زبردست استقبال کیا۔ حدیث شریف میں ہے:

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ فَوْقَ الْبُیُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِیْ الطُّرُقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی مرد اور عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔نوجوان اور غلام راستوں میں پھیل گئے۔سب نعرے لگا رہے تھے یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (مسلم حدیث: ۷۵۲۲)۔

میلاد کے موضوع پر علامہ ابن جوزی نے اَلْمِیْلَادُ النَّبَوِی، علامہ جلال الدین سیوطی نے حَسَنُ الْمَقْصَدُ فِیْ عَمَلِ الْمَوْلَد، ملا علی قاری نے اَلْمَوْرَدُ الرَّوِیّ فِیْ الْمِیْلَادِ النَّبَوِی، نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اَلشَّمَامَةُ الْعَنْبَرِیَّةُ فِیْ مَوْلَدِ خَیْرِ الْبَرِیَّةِ نام کی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ نے میلاد النبی نام کا ضخیم اور محققانہ رسالہ تحریر فرمایا ہے جو مقالاتِ کاظمی حصہ اوّل میں چھپا ہوا دستیاب ہے۔فقیر راقم الحروف نے اس موضوع پر ایک ہمہ پہلو رسالہ لکھا ہے جسکا نام "جواز الاحتفال بمیلاد صاحب الجمال" ہے۔

ویسے بھی ایک سچے غلام اور امتی کے لیے ضروری ہے کہ اسکے دل میں اپنے نبی کریم ﷺ کی والہانہ محبت موجزن ہو۔سچا عاشق میلاد منانے کے لیے مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اسی کی یاد میں رہتا ہے۔

تیسری آیت:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً وَّدَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ

وَسِرَاجاً مُّنِيْراً یعنی اے نبی ہم نے آپ کوشاہد بھیجا ہےاور خوشخبری دینے والا اورڈرسنانے والا اور اللہ کی طرف اسکےاذن سے دعوت دینے والا اور چمکتا ہوا سورج بنا کر بھیجا ہے(احزاب:۴۵،۴۶)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کوشاہد قرار دیا گیا ہے۔قرآنی لغت کی دنیا بھر میں سب سے اچھی کتاب مفردات الفاظ القرآن ہے،اس میں لکھا ہے۔

اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ الْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ یعنی شہود اور شہادت حاضر ہونے اور مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں خواہ نظر سے ہو یا بصیرت سے (مفردات صفحہ ۲۷۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے میرے لیے زمین سکیڑ دی اور میں نے اسکے مشرق و مغرب سب دیکھ لیے(مسلم حدیث :۷۲۵۸،ابوداؤد حدیث :۴۲۵۲،ترمذی حدیث :۲۱۷۶، ابن ماجۃ حدیث :۳۹۵۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قبر میں ہر مرنے والے پر یہ سوال ہوتا ہے کہ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّد یعنی تو اس مرد محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا(مسلم حدیث :۷۲۱۶،بخاری حدیث :۱۳۷۴،نسائی حدیث :۲۰۵۰،ابوداؤد حدیث :۴۷۵۲)۔

''اس مرد'' کے لفظ سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت سامنے موجود ہوتے ہیں۔

اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ تشریف رکھتے ہیں۔پوری دنیا آپ کے سامنے اس طرح سمٹی ہوئی ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی اور آپ جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اور ایک وقت میں کئی مقامات پر بھی تشریف لے جاسکتے ہیں۔

اس حقیقت پر حاضر و ناظر کا اطلاق جائز ہے۔حاضر و ناظر کا لفظ قرآن وحدیث میں کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوا اور نہ ہی یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام ہے۔ اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا بھی تو پھر کیا تھا،اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی نام ایسے ہیں جو حبیب کریم ﷺ کے بھی نام ہیں۔حاضر و ناظر کے موضوع پر حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''تسکین الخواطر'' نہایت محققانہ اور لاجواب چیز ہے۔

چوتھی آیت:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی یقیناً تمہارے پاس ایک شان والا رسول آ گیا جو تم ہی میں سے ہے۔تمہاری مشقت اس پر گراں گزرتی ہے۔تمہاری بہتری کا بہت ہی خواہشمند ہے اور مومنوں پر رؤف اور رحیم ہے (توبہ:۱۲۸)۔

اس آیت مبارکہ میں حضور کریم ﷺ کی شان جس گہرے انداز سے بیان ہوئی ہے شاید کسی دوسری آیت میں نہیں ہوئی۔

فرمایا: **لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ** یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آ گیا۔ **مِنْ اَنْفُسِكُمْ** یعنی تم ہی میں سے۔اس کے چار مختلف مفاہیم ہیں۔پہلا یہ کہ **مِنْ اَنْفُسِكُمْ** کا خطاب تمام انسانیت سے ہو اور مراد یہ ہو کہ ہمارا رسول بنی نوع انسان میں سے ہے۔حضور ﷺ کا انسانوں میں ہونا کمال درجہ کی شفقت اور رحمت ہے۔اگر آپ انسانوں میں سے نہ ہوتے ،فرشتوں میں سے ہوتے تو انسانیت کے دکھ درد اور ضروریات کو سمجھنا آپ کے لیے مشکل ہوتا۔

اَنْفُسِكُمْ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضور کریم ﷺ کو عربوں میں سے بھیجا گیا ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن شریف کی آیت "**اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى**" (شوریٰ:۲۳) کے بارے میں پوچھا گیا کہ قربیٰ سے کیا مراد ہے؟ پاس سے حضرت سعید بن جبیر تابعی نے فرمایا: قربیٰ سے مراد آلِ محمد ﷺ ہیں۔سیدنا ابنِ عباس نے فرمایا: آپ نے جلدی کی ہے۔قریش کا کوئی ایسا گھر نہیں جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی قرابت داری نہ ہو۔لہٰذا اس سے مراد یہ ہے کہ "اے قریش کے لوگو! میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت داری ہے اس کا لحاظ کرو"**فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : عَجِلْتَ ، اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ ، فَقَالَ : اِلَّا اَنْ تَصِلُوْا مَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ** (بخاری حدیث رقم:۴۸۱۸)۔

مِنْ اَنْفُسِكُمْ کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ **اَنْفُسِكُمْ** کو ف پر زبر کے ساتھ **اَنْفَسِكُمْ** پڑھا جائے۔اس طرح اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے نفیس ترین لوگوں میں سے رسول آ

گیا۔اس میں حبیبِ کریم ﷺ کی خاندانی عظمت اور نسبی شرافت کا بیان ہے۔جس کی تفصیل ہم نے آیت وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ کی تفسیر میں بیان کردی ہے۔

مِنْ اَنْفُسِکُمْ کا چوتھا مفہوم صوفیانہ ہے۔مِنْ اَنْفُسِکُمْ میں حقیقتِ محمدیہ کا بیان ہے جو کائنات کے ذرے ذرے میں تعینِ اول کے طور پر جلوہ افروز ہے۔اسی تعلق کی وجہ سے حضور ﷺ پر ہر کسی کا دکھ گراں گزرتا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ۔اور یہیں پر اگر وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کو یاد کرلیں تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ میرا محبوب تم لوگوں کو جہنم میں جانا پسند نہیں فرماتا۔

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ یعنی تم پر حریص ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے ایمان لانے اور جنت میں جانے پر حریص ہے۔جب ماں اپنے بچے کو آگ میں گرتا ہوا دیکھ کر اس کی طرف یکسو ہو کر لپکتی ہے،فرطِ ارادہ کی اس کیفیت کو حرص کہتے ہیں۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ یعنی مومنوں پر رؤف ورحیم ہیں،رحمت سے بڑھ کر رأفت ہوتی ہے شدت میں بھی اور کثرت میں بھی۔ اَلرَّأفَةُ اَشَدُّ مِنَ الرَّحْمَةِ ......اَلرَّأْفَةُ اَکْثَرُ مِنَ الرَّحْمَةِ(قرطبی جلد۲صفحہ۱۵۴)۔

یہ دونام اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بھی استعمال فرمائے ہیں۔ارشادِ گرامی ہے:اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر رؤف اور رحیم ہے(البقرۃ:۱۴۳)۔

حدیث پاک میں ہے کہ: قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْیٌ ، فَاِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْیِ تَحْلُبُ ثَدْیَهَا تَسْقِی ، اِذَا وَجَدَتْ صَبِیًّا فِی السَّبْیِ ، اَخَذَتْهُ ، فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَ اَرْضَعَتْهُ ، فَقَالَ لَنَا النَّبِیُّ ﷺ: اَتُرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةٌ وَلَدَهَا فِی النَّارِ؟ قُلْنَا : لَا ، وَهِیَ تَقْدِرُ عَلٰٓی اَنْ لَا تَطْرَحَهُ ، فَقَالَ : لَلّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس قیدی آئے،ان میں ایک عورت تھی جو اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے بے قرار تھی،جب اس نے قیدیوں میں اپنے بچے کو دیکھا تو جھٹ سے اسے پکڑ لیا اور اپنی چھاتی سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی،نبی کریم ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں

ڈالنا چاہے گی؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا بس چلے گا تو ایسا ہرگز نہیں کرے گی، فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے (بخاری حدیث رقم: ۵۹۹۹، مسلم حدیث رقم: ۶۹۷۸)۔

شیخ اکبر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رأفت دو طریقوں سے فرماتا ہے۔ اولاً جب بندہ فنا کے بعد بقاء کی طرف لوٹتا ہے تو اسے شرحِ صدر اور رفعِ حجاب کی دولت سے نوازتا ہے۔ ثانیاً فنائیت کے عرصہ میں کیے گئے تمام اعمال کو قبول فرمالیتا ہے خواہ بندے کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کرتا رہا ہے وَاِنْ لَّمْ یَعْلَمُوْا مَا یَفْعَلُوْنَ (تفسیر ابن عربی جلد ا صفحہ ۷۸)۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ وتم برہانہ نے اپنے یہی دو نام مذکورہ آیت میں اپنے محبوب ﷺ کو بھی عطا فرمائے ہیں۔ اور دنیا میں کسی دوسرے پیغمبر کو یہ دو نام اکٹھے عطا نہیں ہوئے (قرطبی جلد ۸ صفحہ ۲۷۴)۔

یہاں نبی کریم رؤف رحیم ﷺ انسانی سمجھ سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بالکل حق ہے کہ حضور کریم رؤف رحیم ﷺ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اتنا یاد ہے کہ فقیر کو وقت کے اغیاث واقطاب نے ان دو آیتوں کا ورد رکھنے کا حکم دیا تھا۔

ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو صبح شام صرف تین بار پڑھ لینے والے کو موت بھی نہیں آئے گی۔

آپ نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک خاتون یہی دو آیتیں صبح شام پڑھتے پڑھتے 120 سال کی ہو گئی۔ خواب میں اسے محبوب کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا: مائی تم ہمارے پاس نہیں آنا چاہتی؟ اس نے عرض کیا حضور آنا تو چاہتی ہوں مگر موت میرے بس میں نہیں۔ حضور نے فرمایا: ان دو آیتوں کا صبح شام وِرد چھوڑ دو۔ جیسے ہی اس خاتون نے یہ وظیفہ چھوڑا اگلے ہی دن وصال فرما گئی۔

پانچویں آیت:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی اے نبی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے (انبیا:۱۰۷)۔

آپ ﷺ کے لیے قرآن میں آنے، مبعوث ہونے اور بھیجے جانے کے الفاظ بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی اہمیت اور ولادت باسعادت پر اظہارِ مسرت کا واضح اشارہ موجود ہے۔

تمام جہانوں کی طرف تشریف لانے سے آپ ﷺ کی رسالت کی عالم گیریت ظاہر ہے اور تا قیامت آپ ہی کی رسالت کا اجراء ثابت ہے۔

اسی آیت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام، تمام فرشتوں اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

جو ہستی تمام جہانوں کے لیے رحمت ہو اس کے تشریف لے آنے کے بعد مزید کسی نبی کی ضرورت نہیں ہو سکتی لہٰذا اس آیت میں ختمِ نبوت کی طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے۔

رحمۃ للعٰلمین ہونا ہمارے نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ۳۲۲)۔
آپ ﷺ کے سواء کسی کو رحمۃ للعٰلمین کہنا یا سمجھنا کفر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی رحمت مومن اور کافر سب کے لیے ہے۔ مومن کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت اور کافر کے لیے دنیا میں عذاب کے ٹلے رہنے اور شکلیں مسخ ہو جانے اور زمین میں دھنس جانے سے بچے رہنا اسی رحمت کی برکت سے ہے (ابن جریر جزء۱۷ جلد۱۰ صفحہ۱۲۷)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ** یعنی میں رحمت ہوں اور اللہ کی طرف سے ہدایت ہوں (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۱۰۰، بغوی جلد۳ صفحہ۲۷۲، قرطبی جلد۱۱ صفحہ۳۰۶)۔

رحمت کے لفظ سے آپ کی رحم دلی اور بندہ نوازی عیاں ہے۔ رحمت کا الٹ لعنت ہے۔
آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ اگر میں کسی مسلمان پر لعنت بھیج دوں تو آپ اس لعنت کو رحمت

میں تبدیل کر دینا(مسلم حدیث رقم: ۶۶۲۵)۔ایک دفعہ کسی آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ابوجہل پر لعنت بھیجیں، آپ ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّاناً وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً یعنی میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسلم حدیث رقم: ۶۶۱۳)۔

رحمت ہی کے لفظ سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ آج بھی زندہ ہیں ورنہ کسی پر رحمت کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور آپ ﷺ حالات سے مکمل طور پر باخبر ہیں ورنہ بے خبری میں رحمت نہ ہو سکے گی۔ آپ ﷺ ہر کسی کے قریب ہیں ورنہ دوری کی وجہ سے رحم کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور آپ ﷺ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ کسی کی مشکل کو حل کر سکیں ورنہ قدرت نہ ہونے کی صورت میں رحمت بے معنی ہو کر رہ جائے گی (مقالاتِ کاظمی جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۷، از غزالی دوراں سیدنا احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ)۔

چھٹی آیت:

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی کیا میں اس شہر (مکہ) کی قسم نہ کھاؤں جبکہ تو بھی اس شہر میں موجود ہو؟ (البلد: ۱،۲)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ لاڈ کی انتہا کر دی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مکہ شریف کو قسم کھائے جانے کے قابل ٹھہرایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس چیز کی بھی نسبت ہو جائے وہ متبرک ہو جاتی ہے۔ پوری امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک کی خاک عرش سے افضل ہے اس لیے کہ اسے نبی کریم ﷺ سے وہ نسبت حاصل ہے جو عرشِ بریں کو حاصل نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیض مبارک اپنے والد ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجی جو نابینا ہو چکے تھے۔ وہ قمیض جب آپ کی آنکھوں پر لگائی گئی تو آپ کی بینائی درست ہو گئی۔ یہ واقعہ قرآن شریف کی سورہ یوسف میں مذکور ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی کریم ﷺ کے کپڑے مبارک، بال مبارک، تھوک مبارک، وضو کا پانی، آپ کا خون مبارک اور بول مبارک تبرک کے طور پر استعمال کیے۔ یہ سب باتیں بخاری، مسلم اور کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔

ساتویں آیت:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی اللہ کو یہ گوارا نہیں کہ انہیں عذاب دے جب کہ تو ان میں موجود ہو(انفال:۳۳)۔

پہلی امتوں پر گناہوں کی وجہ سے دنیا میں ہی عذاب نازل ہو جاتا تھا۔ان کی بستیاں اُلٹ جانا اور چہرے مسخ ہو جانا قرآن میں بیان ہوا ہے۔لیکن نبی کریم ﷺ کی برکت سے آئندہ کے لیے یہ عذاب روک دیا گیا۔

آٹھویں آیت:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی وہی اللہ ہے جس نے اُمّیوں میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اسکی آیات پڑھتا ہے۔اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے(الجمعہ:۲)۔

اس آیت میں چار امور کا ذکر کیا گیا ہے۔(۱)۔آیات کی تلاوت کرنا۔(۲)۔پاک کرنا(تزکیہ)۔(۳)۔کتاب کی تعلیم دینا۔(۴)۔حکمت کی تعلیم دینا۔

تلاوت سے مراد قراُۃِ قرآن ہے۔تزکیہ سے مراد نگاہ اور توجہ کے ذریعے پاک کرنا ہے۔کتاب کی تعلیم سے مراد قرآن کے معانی و معارف کا بیان ہے جو حدیث کے ذریعے بیان ہوئے۔حکمت سے مراد قول اور عمل میں پایۂ کمال کو پہنچانا اور حقائق الاشیاء کی معرفت دے کر فارغ التحصیل کرنا ہے۔

حجیتِ حدیث

کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے جو اضافی الفاظ استعمال فرمائے انہیں حدیث کہا جاتا ہے۔حدیث کے بغیر قرآن شریف کو سمجھنا محال اور کھلی گمراہی ہے بلکہ قرآن کا قرآن ہونا ہی حدیث شریف کے بیان پر موقوف ہے۔جب تک نبی کریم ﷺ نہ فرمائیں کہ ''یہ

قرآن ہے''۔قرآن کی شناخت ممکن نہیں۔ارشادِباری تعالیٰ ہے:وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ یعنی ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا کہ آپ لوگوں پر اسکی وضاحت کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے(النحل:۴۴)۔

جن الفاظ سے نبی کریم ﷺ نے قرآن کی یہ وضاحت فرمائی انہیں حدیث کہا جاتا ہے۔دوسری جگہ فرمایا: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو(النسآء:۵۹)۔

رسول کی اطاعت حدیث کو ماننے بغیر ممکن نہیں ہے۔ایک اور جگہ فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ یعنی تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں عملی نمونہ موجود ہے(احزاب:۲۱)۔

اس عملی نمونہ کو سنّت کہا جاتا ہے اس کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے۔ایک اور جگہ فرمایا:

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔اللہ تم سے محبت کریگا(آلِ عمران:۳۱)۔

نبی کریم ﷺ کی اتباع ہی اتباعِ سنّت ہے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کا محبوب بننے کا ذریعہ ہے۔ایک اور جگہ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً یعنی نہیں! تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپ کا ہر فیصلہ نہ مان لیں۔پھر اپنے دلوں میں آپکے فیصلے پر معمولی شک بھی نہ رکھیں اور اسطرح مان لیں جس طرح ماننے کا حق ہے(النسآء:۶۵)۔

اگر کوئی حدیث کا منکر اس آیت پر دیانت سے غور کرے گا تو وہ اپنی نام نہاد تحقیقات سے حدیث کے انکار پر مجبور ہونے کے باوجود احتیاطاً حدیث کی حجیت کا قائل ہوجائے گا۔اس لیے کہ حکم رسول ﷺ کے مقابلے میں دل کا معمولی کھٹکا اور حرج بھی ایمان کو سلب کردیتا ہے۔

قرآن کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں۔کس جگہ پر کونسا معنی مراد ہے اس بات کا حتمی فیصلہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ ہی دے سکتے ہیں۔مثلاً لغت میں صلوٰۃ کے کئی معنی لکھے

ہیں۔رحمت،دعا،تسبیح،نماز،گھوڑے کا دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنا،آگ میں ڈالنا،سیدھا کرنا۔

اسی طرح بے شمار الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی یا مرادی معنی میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق محبوب کریم ﷺ کی حدیث کے سواء سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

حدیث کا انکار کرنے سے قرآن میں اپنی من مانی کا راستہ ملتا ہے۔یہ گمراہی کی بنیاد اور فساد کی جڑھ ہے اور فسادی لوگ ہر دور میں حدیث کا انکار کر کے قرآن کے مطالب کو اپنی مرضی کے مطابق پھیرتے رہے ہیں۔سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص تم لوگوں سے قرآن پڑھ کر بحث کرے تم اسے حدیث کے ذریعے پکڑو۔

يُجَادِلُوْنَكُمْ بِالْقُرْآنِ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ یعنی یہ لوگ تم سے قرآن کے ذریعے بحث کرتے ہیں تم انہیں سنت کے ذریعے جکڑو (الشفا جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔

سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کے خلاف مناظرے کے لیے بھیجا تو انہیں نصیحت فرمائی کہ "**لَا تُخَاصِمُهُمْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّ الْقُرْآنَ حَمَّالٌ ذُوْ وُجُوْهٍ فَتَقُوْلُ وَيَقُوْلُوْنَ وَلٰكِنْ خَاصِمْهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنَّهُمْ لَنْ يَّجِدُوْا مِنْهَا مَحِيْصاً** یعنی اُن سے قرآن کے ذریعے بحث مت کرنا۔قرآن کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔آپ کہیں گے یہ معنی ہے اور وہ کہیں گے یہ معنی ہے۔بلکہ آپ ان سے حدیث کے ذریعے بحث کرنا۔حدیث انہیں بھاگنے نہیں دے گی"۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات قیامت تک کے لیے باقی ہیں لہٰذا حدیث شریف پر عمل قیامت تک جاری رہے گا۔یہ عمل صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان تک محدود نہیں۔اسی لیے کتاب وحکمت کی تعلیم والی مذکورہ آیت کے فوراً بعد فرمایا: **وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** یعنی اور ان کے بعد والے لوگ بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے (الجمعہ:۳)۔

معلوم ہوا کہ جب تک اسلام باقی ہے اس وقت تک حدیث کی حجیت قائم ہے اور ضرورت باقی ہے۔

ایک دلچسپ سوال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قُرْاٰنُهٗ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ**

اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ یعنی بلاشبہ قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہماری طرف سے پڑھا جارہا ہو تو آپ غور سے سنتے رہیں پھر اسکے معانی کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے (القیامۃ: ۱۷ تا ۱۹)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معانی بیان کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآنی معانی اور مفہوم کے وہ ذخائر کہاں محفوظ ہیں جو اللہ نے خود بیان فرمائے ہوں؟

ماننا پڑے گا کہ ذخیرۂ احادیث ہی قرآن کے معانی و مفاہیم کا حقیقی حامل ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم سے یہی مراد ہے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

حجیتِ حدیث کے موضوع پر حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''حجیتِ حدیث'' نہایت زبردست تصنیف ہے۔ جو مقالاتِ کاظمی حصہ اوّل میں چھپ چکی ہے۔

نویں آیت:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو (الحشر: ۷)۔

یہ آیت بھی حجیتِ حدیث پر زبردست دلیل ہے جو کچھ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دیا اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے تمام اوامر ہیں اور جس چیز سے منع کیا اس سے مراد تمام نواہی ہیں۔ ایمان کی مختصر ترین تعریف یہی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ کے ہر حکم کو ماننا''۔

احکامِ شرعیہ

شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا اور ایک وہ جن سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ جن کا حکم دیا ان میں سے کچھ فرض ہیں، کچھ واجب، کچھ سنتِ موکدہ اور کچھ سنتِ غیر موکدہ۔ جن سے منع فرمایا ان میں سے کچھ حرام ہیں، کچھ مکروہِ تحریمی، کچھ مکروہِ تنزیہی اور کچھ خلافِ اولیٰ۔ جن کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی وہ مباح ہیں۔

فرض وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کا ثبوت اور دلالت قطعی ہوں اور اس میں عمل کا سخت مطالبہ کیا گیا ہو مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ اس کا الٹ حرام ہے۔

واجب وہ ہے جو کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کے ثبوت یا دلالت میں سے ایک ظنی ہو اور اس پر عمل کا سخت مطالبہ کیا گیا ہو مثلاً وتر، قربانی، فطرانہ وغیرہ اس کا الٹ مکروہِ تحریمی ہے۔

سنتِ مؤکدہ وہ ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اکثر کیا ہو یا اسکے کرنے کی تاکید فرمائی ہو مثلاً اذان، اقامت اور مٹھی بھر داڑھی وغیرہ، اسکا الٹ اساءت ہے۔

سنتِ غیر موکدہ وہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے اکثر چھوڑا ہو اور کبھی کبھی کیا ہو یا اسکی تاکید نہ کی ہو مثلاً عشاء اور عصر کی چار سنتیں۔ اسکا الٹ مکروہِ تنزیہی ہے۔

مستحب وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں عمل کا سخت مطالبہ نہ کیا گیا ہو یا وہ حدیثِ ضعیف سے ثابت ہو یا وہ علماءِ امت کے عمل سے ثابت ہو یا وہ سنتِ زائدہ ہو۔ **لَافَرْقَ بَیْنَ النَّفْلِ وَسُنَنِ الزَّوَائِدِ مِنْ حَیْثُ الْحُکْمِ** (شامی جلد۱ صفحہ۷۶)۔ مثلاً مسافر کے لیے روزہ رکھنا، نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا، محافلِ میلاد کا انعقاد، گیارہویں، سوئم، چالیسواں، عرس منانا، کھانے پینے کے آداب یعنی داہنے ہاتھ سے کھانا، اپنے سامنے سے کھانا، ایک گھٹنا کھڑا کر کے کھانا یا التحیات کی طرح یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا، کھانا کھا کر انگلیاں چاٹنا، اوّل و آخر ہاتھ دھونا اور پانی تین سانس میں پینا، سر کے بال، لباس، عمامہ وغیرہ۔ اس کا الٹ خلافِ اولیٰ ہے۔

مباح وہ کام ہے جس کا شریعت میں حکم نہ ہو اور نہ اس سے منع کیا گیا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جسکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کی اس کی معافی ہے (ترمذی حدیث رقم: ۱۷۲۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۳۶۷)۔

مثلاً سردی، گرمی کے لباس، مختلف نظام ہائے حکومت، پکی مسجد بنوانا، قرآن چھاپہ خانہ پر چھپوانا، لاؤڈ سپیکر کا استعمال وغیرہ۔

دسویں آیت:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیؕ اِنْ ھُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنی (میرا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا یہ جو کچھ بولتا ہے وہ اس پر بھیجی گئی وحی ہوتی ہے (النجم: ۳، ۴)۔

آپ ﷺ کی گفتگو یا تو قرآن ہے (وحی متلو) یا حدیث ہے (وحی غیر متلو)۔ آپ ﷺ

فرماتے ہیں میں جو کچھ کہوں لکھ لیا کرو۔ اللہ کی قسم اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ابوداؤد حدیث رقم: ۳۶۴۶)۔

آپ ﷺ کا کلام نہایت جامع ہے۔ فرمایا **بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ** یعنی مجھے جامع کلام عطا ہوا ہے (مسلم حدیث رقم: ۱۱۶۸، بخاری حدیث رقم: ۲۹۷۷، نسائی حدیث رقم: ۳۰۸۷، مسنداحمد حدیث رقم: ۷۶۰۲)۔

جامع کلام

آئندہ سطور میں ہم آپ ﷺ کے کلامِ مبارک کے چند نمونے تحریر کر رہے ہیں مگر ان کے لکھنے سے پہلے ہم اہلِ عقل و دانش کو ان میں غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور دنیا کے عقلاء و فصحاء کے کلام سے موازنہ کرنے کا چیلنج دیتے ہیں۔ دل کی آنکھوں سے پڑھو اگر سینے میں دل ہے۔

۱۔ **اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلاً** — بعض علوم بھی عین جہالت ہیں۔

۲۔ **اَلْغِنیٰ غِنَی النَّفْسِ** — غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو۔

۳۔ **اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفْقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ** — میانہ روی آدھی معیشت ہے۔

۴۔ **اِنَّ الْوَلَدَ مُبْخِلَةٌ مُجْبِنَةٌ** — اولاد بخل اور بزدلی کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ **اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلیٰ** — اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

۶۔ **اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** — قیامت کے دن ظلم، ظلمات ہوگا۔

۷۔ **اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَاحَاکَ فِیْ صَدْرِکَ وَکَرِهْتَ اَنْ يُطْلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ**

نیکی اچھا اخلاق ہے اور برائی وہ ہے جو تیرے سینے میں چبھے اور تو اسے لوگوں سے چھپانا چاہے۔

۸۔ **لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرُبَةٍ**

حلیم وہی ہوسکتا ہے جسے ٹھوکریں لگی ہوں اور حکیم وہی ہوسکتا ہے جسکے پاس تجربہ ہو۔

۹۔ **لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ** — تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں۔

۱۰۔ **اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ** — لوگوں سے محبت آدھی عقل ہے۔

۱۱۔ **لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ** — سنی اور دیکھی میں فرق ہے۔

۱۲۔ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ — لوگوں سے حسب مرتبہ پیش آ ؤ۔

۱۳۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْراً — بعض بیانات میں جادو ہے۔

۱۴۔ اَلْعُجْلَةُ مِنَ الشَّیْطٰنِ — جلدی شیطان کراتا ہے۔

۱۵۔ اَلْوَحْدَةُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السَّوْءِ — برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے۔

۱۶۔ مَنْ صَمَتَ نَجَا — جو چپ رہا نجات پا گیا۔

۱۷۔ اَلصِّدْقُ طَمَانِیَةٌ وَالْکِذْبُ رِیْبَةٌ — سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔

۱۸۔ اَصْدَقُ الرُّؤْیَاءِ بِالْاَسْحَارِ — سب سے سچے خواب سحر کے وقت آتے ہیں۔

۱۹۔ اَلرِّزْقُ یَطْلُبُ الْمَرْءَ کَمَا یَطْلُبُهُ اَجَلُهُ — رزق آدمی کو موت کی طرح تلاش کرتا ہے۔

۲۰۔ اِیَّاکَ وَاللَّوْ فَاِنَّ اللَّوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطٰنِ

کاش کہہ کر مت پچھتاؤ۔ کاش کے لفظ سے شیطانی عمل کا دروازہ کھلتا ہے۔

۲۱۔ اِزْهَدْ فِیْ الدُّنْیَا یُحِبُّکَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّکَ النَّاسُ

دنیا سے بے نیاز ہوجاؤ اللہ تم سے محبت کریگا جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے پرواہ ہوجاؤ لوگ تمہیں چاہنے لگیں گے۔

۲۲۔ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ — باہمی گفتگو امانت ہوتی ہے۔

۲۳۔ اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ — شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۲۴۔ مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ — امیر آدمی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

۲۵۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ فِی السَّفَرِ خَادِمُهُمْ — قوم کا سردار سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے۔

۲۶۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ — جو کسی قوم سے مشابہت رکھے وہ انہی میں سے ہے۔

۲۷۔ حُبُّکَ الشَّیَٔ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ — کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

۲۸۔ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ — دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

۲۹۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُ مَالَا یَعْنِیْهِ

کسی کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ غیر متعلقہ چیزوں میں دلچسپی نہ لے۔

۳۰۔ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ — مومن کا تحفہ موت ہے۔

۳۱۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ — اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

۳۲۔ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ — جس سے مشورہ لیا جائے، وہ اسکے پاس امانت ہے۔

۳۳۔ اِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عَیَالاً — بعض باتیں بولنے والے کے لیے مصیبت ہوتی ہیں۔

۳۴۔ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِباً اَن یُّحَدِّث بِکُلِّ مَاسَمِعَ

کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کرتا پھرے۔

۳۵۔ اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّوَالُ — جہالت کی بیماری کا علاج سوال ہے۔

۳۶۔ دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ — مشکوک کو چھوڑ کر مضبوط کو اختیار کرو۔

۳۷۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ — جس نے عاجزی اختیار کی اللہ نے اسے بلند کر دیا۔

۳۸۔ مَن لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ — جو بندوں کا ناشکرا ہے وہ اللہ کا بھی ناشکرا ہے۔

۳۹۔ مَنْ سَکَنَ الْبَادِیَةَ جَفَا — جو گاؤں میں رہائش پذیر ہو گیا وہ علم سے دور ہو گیا۔

۴۰۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً — میری بات آگے پہنچا دو، خواہ ایک جملہ ہی ہو۔

یہ احادیث مختلف کتب سے چنی گئی ہیں اور سب کی سب مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو جب دو کاموں میں سے ایک کام کا اختیار ملتا تو آپ آسان کام کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو (شمائل ترمذی صفحہ ۲۵)۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دانشمند کون ہے؟ انہوں نے کہا دانشمند وہ ہے جو اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے۔ آپ نے فرمایا اتنی بات تو جانوروں کو بھی معلوم ہے۔ جب کوئی کتے کو تنگ کرتا ہے تو وہ اسے کاٹتا ہے اور جو اسے روٹی کھلائے وہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ دانشمند تو وہ ہے جو دو اچھائیوں میں سے بڑی اچھائی کو اور دو بُرائیوں میں سے مصلحتاً چھوٹی برائی کو ترجیح دے سکے (تذکرۃ الاولیآء صفحہ ۴)۔

یہاں سے علمِ ترجیحات کی نورانی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں اور اس کے مکمل دھارے متعین ہو رہے ہیں۔

علمِ ترجیحات

انسان دین ودنیا کے تمام معاملات میں ترجیحات قائم کیے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ وہ ایک قدم بھی اٹھاتا ہے تو کسی ترجیح کی بنا پر اٹھاتا ہے اور اگر رکتا ہے تو کسی نہ کسی ترجیح کی بنا پر رکتا ہے۔ یہ ایک مستقل علم ہے جسے آج تک مدوّن نہیں کیا گیا۔ ذیل کی سطور میں اس علم کی باقاعدہ بنیاد رکھی جا رہی ہے اور یہ سب شہنشاہِ دوعالم ﷺ کی بانٹی ہوئی خیرات ہے۔

یاد رکھیے! سیاسیات، معاشیات اور سائنس وغیرہ تمام علوم میں سب سے زیادہ ماہر وہ ہے جو ان علوم میں سب سے زیادہ ترجیحات کو جانتا ہے۔

ذاتی معاملات میں ترجیحات

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقاً تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ لہٰذا کثرتِ مجاہدہ اور اپنی صحت کی حفاظت میں حسبِ ضرورت ترجیحات جاننا ضروری ہے۔ روزمرہ کے معاملات مثلاً طعام، آرام، کام اور دوستوں سے ملاقات میں ترجیحات معلوم ہوں کہ کس وقت کون سا کام صحیح ہے۔ انسان کی کمزوری ہے کہ اپنے سامنے والی چیز کو دور والی چیز پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی ذاتی بات خواہ کتنی ہی فضول ہو، اسے دوسروں کی قیمتی بات پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ غلط ترجیح ہے اسے اخلاق سیکھ کر درست کیا جائے۔

معاشرتی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق مخلوق کے حقوق، انسانوں کے حقوق، مسلمانوں کے حقوق، دوستوں اور رشتہ داروں کے حقوق اور ماں باپ، میاں بیوی، اولاد، مہمان، پڑوسی وغیرہ کے حقوق سے ہے۔ ان میں ترجیحات کا جاننا ضروری ہے۔ عام مخلوق پر انسان کو، عام انسان پر مسلمان کو، عام مسلمان پر رشتہ دار کو اور عام رشتہ دار پر قریبی رشتہ دار کو ترجیح دی جائے۔ فرد اور معاشرے کے مفاد میں ترجیح، ذاتی اور دوسروں کے مفاد میں ترجیح جاننا ضروری ہے اور یہ کہ کس صورتحال میں مختلف افراد سے کس قسم کا معاملہ کرنا ہے۔ مثلاً کسی کی اولاد کے سامنے اسکی پردہ پوشی اور اسکے والدین کے سامنے اس کی غلطی پر

اسے صاف صاف ٹوک دینا راجح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنْزِلُوْ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے انکے مرتبے کے مطابق پیش آ ؤ (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۸۴۲)۔

دینی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق اختلافی معاملات یعنی اصولی وفروعی اختلاف میں ترجیحات، علمِ حدیث میں سند وصحت کے لحاظ سے ترجیحات، فقہی واجتہادی مسائل میں ترجیحات، حرام اور حلال میں ترجیحات، خاموشی اور کلام میں ترجیحات، زکوٰۃ اور عفو کی تقسیم میں ترجیحات، امر ونہی میں ترجیحات (جن کا جاننا ایک مبلغ کے لیے نہایت ضروری ہے) اور تقسیمِ میراث وغیرہ میں ترجیحات سے ہے۔

مسائلِ طریقت میں ترجیحات

اسکا تعلق دین اور دنیا میں ترجیحات، عقل اور نقل میں ترجیحات، سائنس اور مذہب میں ترجیحات اور کشف والہام میں ترجیحات (تاکہ کشف صحیح اور باطل میں امتیاز معلوم ہو اور قابل عمل ہونے نہ ہونے کا پتہ چلے) سے ہے۔ ان تمام باتوں میں وہم پر ظن کو اور ظن پر قطعیت کو ترجیح حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلیٰ مَالَا یُرِیْبُکَ یعنی شک سے بالاتر کو مشکوک پر ترجیح دو (مسند احمد حدیث رقم: ۱۷۲۸، ترمذی حدیث رقم: ۲۵۱۸، نسائی حدیث رقم: ۵۷۱۱، سنن الدارمی حدیث رقم: ۲۵۳۵)۔

گھریلو، معاشی، تعلیمی اور سیاسی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق اِن چیزوں سے ہے۔ گھریلو کاموں میں ترجیحات یعنی کونسا کام زیادہ اہم اور پہلے کرنے کے قابل ہے۔ معاشی ترجیحات مثلاً گھر میں آٹا اور سبزی دونوں موجود نہیں جبکہ رقم صرف ایک چیز کو خریدنے کی ہے تو یقیناً پہلے آٹا خریدا جائے گا۔

تعلیم حاصل کرنے کے لیے تعلیم کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک کو اپنی ضرورت اور طبیعت کے مطابق ترجیح دینے اور پھر پیشہ کے انتخاب میں ترجیحات کو سمجھنے سے ہی زندگی کو مناسب رُخ پر موڑا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ سرکاری اور قومی معاملات میں ترجیحات کو سمجھنے والے ملک اور قوم کو صحیح سمت میں چلا سکتے ہیں۔ بنیادی ضرورتوں کو سہولیات پر ترجیح دی جائے گی۔ جنگی تدابیر میں ترجیحات کو سمجھنے والا کمانڈر بھی ایک بہترین سالار ثابت ہوسکتا ہے۔

کونسا کام کس شخص کی ذمہ داری ہے، کسی قوم کی ترقی میں اس ترجیح کا بہت بڑا دخل ہے۔ مثلاً عورت سے حکومت کرانا، مرد سے روٹیاں پکوانا، مفسّر سے کتابت کرانا غلط ترجیحات ہیں۔ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ (ہر کام کے لیے ماہرین ہوتے ہیں)۔

کون سا کام کس وقت مناسب ہے اس میں ترجیح دینا مثلاً میدانِ جہاد میں مجاہد سے گھریلو مشورے مانگنا، یا ایک مریض مر رہا ہو جبکہ دوسرا مریض طبیب سے صرف مشورہ مانگ رہا ہو تو یہ غلط ترجیحات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا تعلق تدبیر اور حکمتِ عملی سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا عَقْلَ کَالتَّدْبِیْرِ یعنی تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں (شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۴۶۴۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۴۲۱۸)۔

طبی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق مرض کی تشخیص میں ترجیحات اور دواؤں کے انتخاب میں ترجیحات سے ہے۔ مثلاً نبض اگر منخفض اور سست ہے تو مرض بلغمی ہے اور اگر نبض مشرف اور سریع ہے تو مرض سوداوی ہے۔ علاج کرتے وقت صفراء کو خارج کرنے کے لیے ریوند عصارہ پر سقمونیا کو ترجیح دینا، بلغم اگر پتلی ہو تو اطریفل و معاجین کا استعمال اور اگر متعفن ہو جائے تو شربتِ صدر کو ترجیح دینا۔ متعدد علامات پر پوری اترنے والی ایک ہی دوا کا انتخاب کرنا۔ اس کا تعلق تجربے اور مہارت سے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا حَکِیْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرُبَۃٍ یعنی حکیم وہی ہے جس کے پاس تجربہ ہو (ترمذی حدیث: ۲۰۳۳، مسند احمد حدیث: ۱۱۶۶۷، شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۴۶۴۸)۔ نیز فرمایا لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ یعنی کوئی مرض لاعلاج نہیں (مسلم حدیث: ۵۷۴۱، مسند احمد حدیث: ۱۴۶۰۹)۔

نیز فرمایا اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں بھیجی جس کا علاج نہ بھیجا ہو (بخاری حدیث:

۵۶۷۸،ابن ماجہ حدیث:۳۴۳۹)۔

ان تمام معاملات میں نبی کریم ﷺ کی احادیث راہنمائی کررہی ہیں۔اور ہر حدیث اپنی تصریح اور عبارت کے لحاظ سے دلالت کناں ہے۔

اللہ اللہ حضور کی باتیں　　عین رب غفور کی باتیں
چند لفظوں میں بند سمندر ہیں　　میرے آقا حضور کی باتیں

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی

علم ترجیحات کے موضوع پر فقیر راقم الحروف نے ایک مستقل رسالہ ''علم ترجیحات'' کے نام سے لکھ دیا ہے جس میں اس موضوع پر کافی تفصیل سے بحث موجود ہے۔

گیارہویں آیت:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنی (اے نبی) بلاشبہ آپ عظیم اخلاق والے ہیں (القلم:۴)۔

اسلام کا اخلاقی ضابطہ

خُلق باطنی اوصاف کو کہتے ہیں جبکہ خَلق (خ پر زبر کے ساتھ) ظاہری شکل وصورت کو کہتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ خَلق اور خُلق دونوں کے لحاظ سے نیّرِ اعظم ہیں بقول شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی علیہ الرحمۃ والرضوان

در خَلق و در خُلق توئی نیّرِ اعظم　　لاتدرک اوصافک لم تدرکماہی

ترجمہ:۔خَلق اور خُلق میں آپ ہی نیّرِ اعظم (سب سے بڑا سورج) ہیں آپ کے اوصاف اور کمالات کا ادراک اور احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو آپ نے فرمایا آپ ﷺ کا اخلاق،قرآن تھا۔

ہمہ خُلق او شد کلامِ الٰہی　　دِل وجاں فدائے ادائے محمد

اخلاق کی تعریف

اخلاق خُلق کی جمع ہے۔خَلق ظاہری شکل وصورت کو کہتے ہیں اور خُلق طبیعت مزاج اور عادت کو کہتے ہیں۔اہل علم کے لیے ہم یہی بات امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:اَلْخَلْقُ وَالْخُلْقُ فِی الْاَصْلِ وَاحِدٌ کَالشَّرْبِ وَالشُّرْبِ وَالصَّرْمِ وَالصُّرْمِ ، لٰکِنْ خُصَّ الْخَلْقُ بِالْهَیْئَاتِ وَالْاَشْکَالِ وَالصُّوَرِ الْمُدْرَکَةِ بِالْبَصَرِ ، وَخُصَّ الْخُلْقُ بِالْقُویٰ وَالسَّجَایَا الْمُدْرَکَةِ بِالْبَصِیْرَةِ ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ(مفردات صفحہ ۱۵۹)۔

حسن اخلاق کی تعریف یہ ہے کہ:هُوَ الْاِنْصَافُ فِی الْمُعَامَلَةِ وَبَذْلُ الْاِحْسَانِ وَالْعَدْلِ فِی الْاَحْکَامِ ، وَالْاَظْهَرُ اَنَّهٗ هُوَ الْاِتِّبَاعُ بِمَا اَتیٰ بِهٖ مُحَمَّدٌ ﷺ مِنْ اَحْکَامِ الشَّرِیْعَةِ وَآدَابِ الطَّرِیْقَةِ وَاَحْوَالِ الْحَقِیْقَةِ ، وَلِذَا لَمَّا سُئِلَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ خُلُقِهٖ ﷺ اَلْوَارِدِ فِی حَقِّهٖ وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ ، فَقَالَتْ: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی یہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں انصاف،اوراحکام پرعمل کرنے میں زور لگادینے کا نام ہے۔زیادہ واضح تعریف یہ ہے کہ: شریعت کے جواحکام اور طریقت کے جوآداب اور حقیقت کے جواحوال سیدنا محمد ﷺلیکرآئے انکے اتباع کواخلاق کہتے ہیں۔اسی لیے جب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن یعنی آپ کا اخلاق قرآن تھا(مرقاۃ جلد ۹ صفحہ ۲۶۵)۔

ہر مسلمان کے لیے بااخلاق ہونا ضروری ہے مگر دین کے مبلغ کے اخلاق کا معیار کچھ جداگانہ ہے۔ذیل میں ہم ہر مسلمان کے عمومی اخلاق اور مبلغ اسلام کے خصوصی اخلاق پر جداجدا بحث کریں گے۔

ہر مسلمان کا عمومی اخلاق

اخلاق کی اہمیت

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ :یعنی اے محبوب بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں(القلم:۴)۔

اس آیت میں اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم قرار دیا ہے۔ حسن اخلاق سے کہیں بڑھ کر عظمتِ اخلاق کا مرتبہ ہے۔ پھر عَلٰی خُلُق کا معنی ہے: اخلاق پر فائز ہونا۔ گویا اعلیٰ ترین اخلاق کے مظاہرے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی تکلف سے کام نہیں لینا پڑتا بلکہ آپ کو اس پر مکمل کنٹرول اور عبور حاصل ہے۔ پھر اللہ کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی عظمت کو اِنَّ اور لامِ تاکید کے ذریعے دوبار مؤکد فرمایا ہے۔

اب اس موضوع پر احادیث ملاحظہ فرمائیے:

(۱)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِی اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّم کَانَ الْقُرْآنَ یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا (مسلم: ۱۷۳۹، ابوداود: ۱۳۴۲)۔

(۲)۔ عَنِ الحَسَنِ بْنِ عَلِی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَیْنُ سَأَلْتُ اَبِی عَنْ سِیْرَةِ النَّبِیِّ ﷺ فِی جُلَسَآئِهِ ، فَقَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ دَائِمَ الْبِشْرِ ، سَهْلَ الْخُلُقِ ، لَیِّنَ الْجَانِبِ ، لَیْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِیظٍ وَلَا سَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ وَلَا عَیَّابٍ وَلَا مُشَّاحٍ ، یَتَغَافَلُ عَمَّا لَا یَشْتَهِی وَلَا یُؤیِسُ مِنْهُ رَاجِیَهُ ، وَلَا یُجِیبُ فِیهِ قَدْ تَرَکَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ ، اَلرِّیَآءِ وَالْاِکْثَارِ وَمَا لَا یَعْنِیهِ ، وَتَرَکَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ ، کَانَ لَا یَذُمُّ اَحَداً وَلَا یَعِیْبُهُ وَلَا یَطْلُبُ عَورَتَهُ وَلَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا فِیمَا رَجَا ثَوَابَهُ ، وَاِذَا تَکَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَآءُهُ کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُسِهِمُ الطَّیْرُ ، فَاِذَا سَکَتَ تَکَلَّمُوا لَایَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِیث ، وَ مَنْ تَکَلَّمَ عِنْدَهُ اَنْصَتُوا لَهُ حَتّٰی یَفْرُغَ حَدِیثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِیْثُ اَوَّلِهِمْ ، یَضْحَکُ مِمَّا یَضْحَکُونَ مِنْهُ ، وَیَتَعَجَّبُ مِمَّا یَتَعَجَّبُونَ مِنْهُ ، وَیَصْبِرُ لِلغَرِیْبِ عَلَی الْجَفْوَةِ فِی مَنْطِقِهِ وَمَسْئَلَتِهِ حَتّٰی اِنْ کَانَ اَصْحَابُهُ لَیَسْتَجْلِبُونَهُمْ وَیَقُولُ اِذَا رَأَیْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ یَطْلُبُهَا فَأَرْفِدُوهُ ، وَلَا یَقْبَلُ الثَّنَآءَ اِلَّا مِنْ مُکَافِیٍٔ ، وَلَا یَقْطَعُ عَلٰی اَحَدٍ حَدِیْثَهُ حَتّٰی یَتَجَوَّزَهُ فَیَقْطَعَهُ بِانْتِهَاءٍ اَوْ قِیَامٍ۔

ترجمہ: حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حسین نے کہا کہ میں نے اپنے والد

ماجد سے نبی کریم ﷺ کے اپنے ہم مجلس لوگوں میں اخلاق واطوار کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خوش رو، نرم خو اور نرم مزاج رہتے تھے۔ آپ نہ ہی بد خلق تھے نہ درشت مزاج، نہ ہی شور مچانے والے تھے نہ بدگو، نہ ہی عیب جو تھے نہ بخیل۔ جس چیز سے آپ کو خواہش نہ ہوتی اس سے اعراض فرماتے اور دوسروں کو اس سے مایوس نہ کرتے، تین چیزوں کو آپ نے ترک کر دیا تھا، جھگڑا، تکبر اور بے مقصد کام، لوگوں کے معاملات میں بھی تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا، نہ ہی کسی کی مذمت کرتے تھے نہ اس کو عیب لگاتے تھے، کسی کا عیب تلاش نہیں کرتے تھے، جس چیز میں ثواب کی امید ہو اسکے ماسواء میں بات نہیں کرتے تھے، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے اصحاب اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاتے جیسے انکے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو پھر وہ بات شروع کرتے تھے، آپ ﷺ کے سامنے وہ کسی بات پر بحث نہیں کرتے تھے، جو شخص آپ ﷺ سے بات کرتا تو سب خاموش ہو جاتے، حتیٰ کہ وہ شخص اپنی بات سے فارغ ہو جاتا، جس بات پر لوگ ہنستے آپ ﷺ بھی ہنستے تھے اور جس پر لوگ تعجب کرتے آپ ﷺ بھی تعجب کرتے تھے، کسی اجنبی شخص کی بات اور سوال میں سختی ہوتی تو اس پر صبر فرماتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے اصحاب (سوال کے لیے) اجنبیوں کو لے آتے، آپ ﷺ فرماتے جب تم کسی ضرورت مند کو سوال کرتے دیکھو تو اس کی حاجت پوری کرو، آپ ﷺ صرف اسی شخص کی تعریف قبول کرتے جو کسی احسان کے بعد تعریف کرتا، کسی شخص کی بات نہیں کاٹتے تھے۔ سوائے اسکے کہ وہ حد سے بڑھ جائے پھر اس کو منع فرماتے یا اٹھ کر چلے جاتے (شمائل الترمذی مع المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ صفحہ ۲۵۷، الشفاء ۱/۹۴، ۹۵)۔

(۳)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَكَانَ يَقُولُ إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فاحش تھے اور نہ فحاشی کو پسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں (بخاری: ۳۵۵۹، مسلم: ۲۳۲۱، ترمذی: ۱۹۷۵)۔

(۴)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَحِمَهَا اللّٰهُ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ

يَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ یعنی بے شک مومن اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے سے دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو تہجد پڑھنے والے کا درجہ پا لیتا ہے(ابوداؤد حدیث:۴۷۹۸)۔

(۵)۔ عَنْ اَبِی ذَرٍ ﷺ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ یعنی تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اگر گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا دے گی، اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ(ترمذی حدیث:۱۹۸۷)۔

(۶)۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقاً یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں(مسلم حدیث: ۶۰۳۳، بخاری حدیث: ۳۵۵۹، ترمذی حدیث: ۱۹۷۵، مسند احمد حدیث حدیث: ۶۸۲۹)۔

(۷)۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَاناً اَحْسَنَهُمْ خُلُقاً وَاَلْطَفَهُمْ بِاَهْلِهٖ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والا ہے اور اپنے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ نرم دل ہے(ترمذی حدیث: ۲۶۱۲، مسند احمد حدیث: ۲۴۲۵۹)۔

بدگمانی مت کرو

شرعی قائدہ یہ ہے کہ ہر انسان بے قصور ہے جب تک اس کا جرم کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے۔ کسی انسان کو دیکھتے ہی اس کی شکل سے اندازہ لگانے کی کوشش کرنا اور تحقیق سے پہلے اس کے کسی ظاہری فعل کی وجہ سے فوراً بدگمان ہو جانا ایک بہت بڑی معاشرتی برائی ہے۔ اگر ہر انسان کو ایک شریف آدمی اور باعزت آدمی سمجھ کر اس سے معاملہ کریں تو آپ کو معاشرے کا ایک کامیاب ترین ماہر نفسیات تسلیم کر لیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طُوْبٰى لِمَنْ شَغَلَهُ عُيُوْبُهُ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ یعنی خوشخبری ہو اسے جو اپنے عیب دیکھنے سے فارغ ہی نہ ہوا کہ

دوسروں کے عیب دیکھتا(بلوغ المرام حدیث:۱۵۳۹)۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ یعنی اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور عیبوں کی جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو تم اس سے انتہائی کراہت محسوس کرتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ توبہ کو بہت قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے(الحجرات:۱۲)۔حسن ظن سے متعلق احادیث ملاحظہ کیجیے:

(۱)۔ وَعَن عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ وَيَقُولُ مَا اَطْيَبَكَ وَاَطْيَبَ رِيْحَكَ ، مَا اَعظَمَكَ وَ اَعظَمَ حُرمَتَكَ ، وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكَ مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَاِنْ نَظُنَّ بِهٖ اِلَّا خَيراً ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، تو کتنا ہی پاکیزہ ہے اور تیری ہوا کیسی پاکیزہ ہے، تو کتنا ہی عظمت والا ہے اور تیری کتنی ہی عظیم شان ہے۔قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں محمد کی جان ہے، اللہ کے ہاں ایک مومن کی شان تیری شان سے بڑھ کر ہے، اس کا مال بھی اور اسکا خون بھی اور یہ کہ ہم اسکے بارے میں حسن ظن سے کام لیں(ابن ماجہ حدیث:۳۹۳۲)۔

(۲)۔ وَعَن اَبِى هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَاتَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَاناً ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ ایک دوسرے پر کان نہ دھرو، ایک دوسرے پر تجسس نہ کرو، ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک

دوسرے سے بے وفائی نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ(مسلم حدیث:۶۵۳۶، بخاری حدیث:۶۰۶۶، ابوداؤدحدیث:۴۹۱۷، مؤطاامام مالک کتاب حسن الخلق باب ماجاءفی المہاجرۃ حدیث:۱۵)۔

زبان کو قابو میں رکھو

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنی زبان درازی کی وجہ سے ناک کے بل گرائے جائیں گے۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی حقدار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دو ہونٹوں اور پھر دانتوں کے ذریعے پابند کیا ہے، یہ پھر بھی دروازے توڑ دیتی ہے اور فضول بکنے لگتی ہے (رسائل ابن عربی صفحہ ۴۰۷)۔

زبان کو قابو میں رکھنے سے متعلق احادیث دیکھیے:

(۱)۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں تمام اعمال کا سردار عمل بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ لیا اور فرمایا: کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا یعنی اسے قابو میں رکھ (ترمذی:۲۶۱۶)۔

(۲)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَومِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیراً اَوِ لِیَصْمُتْ یعنی جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا پھر چپ رہے (مسلم حدیث:۱۷۳، بخاری حدیث:۶۰۱۸)۔

(۳)۔ وَعَن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس نے مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھا (مسلم حدیث:۱۶۲، بخاری حدیث:۱۱، ترمذی حدیث:۲۵۰۴)۔

(۴)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: جو شخص مجھے دو

جبڑوں کے درمیان والی چیز یعنی زبان اور دو ٹانگوں کے درمیان والی چیز یعنی شرمگاہ کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں (بخاری حدیث:۶۴۷۴)۔

(۵)۔ معلمِ اخلاق ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكَ بِطُولِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ یعنی دیر تک خاموش رہا کرو۔ یہ چیز شیطان کو بھگانے والی ہے اور تیرے دینی معاملات میں تیری مددگار ہے (شعب الایمان للبیہقی حدیث:۴۹۴۲)۔

(۶)۔ مَنْ صَمَتَ نَجَا یعنی جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا (ترمذی:۲۵۰۱)۔

(۷)۔ اَلْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاذَيَانِ وَ يَتَكَاذَبَانِ یعنی ایک دوسرے کو گالی دینے والے دونوں شیطان ہیں، بکواس کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں (مسند احمد:۱۷۴۹۵)۔

(۸)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں چوٹی کا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا: جب کوئی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو پھر وہ جواباً اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (بخاری حدیث:۵۹۷۳)۔

خدا جانے کس کا قول ہے کہ:

It Is Strange That Sword & Words Have the Same Alphabets & Even More Strange Is That They Have The Same Effect If Not Handled Properly.

ترجمہ: عجیب بات ہے کہ انگریزی میں تلوار اور الفاظ کے ایک ہی ہجے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں کو اگر صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے تو دونوں ایک جیسے خطرناک ہیں۔

لوگوں سے محبت اور شفقت

اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے۔ اللہ کریم کے محبوب ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِی اَبُوْ بَکر یعنی میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر ہے (الترمذی: ۳۷۹۱)۔ مشکوۃ شریف میں پورا باب اس نام سے موجود ہے: بَابُ الشَّفْقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَی الْخَلْقِ

(۱)۔ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ یعنی لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا آدھی عقل ہے (شعب الایمان حدیث: ۶۵۶۸)۔

(۲)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ تَلْقَىٰ أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلَقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ إِنَاءِ أَخِيْكَ یعنی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نیکی صدقہ ہے، اور نیکیوں میں یہ بھی شامل ہے کہ تم اپنے بھائی سے کھلے ماتھے ملاقات کرو، اور تم اپنے ڈول میں سے اپنے بھائی کے برتن میں بھی ڈال دو (ترمذی حدیث: ۱۹۷۰)۔

(۳)۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ یعنی انہی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: اچھا بول بھی صدقہ ہے (بخاری حدیث: ۲۹۸۹)۔

(۴)۔ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُرْحَمُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ یعنی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا (مسلم حدیث: ۶۰۳۰، بخاری حدیث: ۷۳۷۶، ترمذی حدیث: ۱۹۲۲، مسند احمد حدیث: ۱۹۱۹۴)۔

(۵)۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم

کرے گا(ابوداؤدحدیث:۴۹۴۱،ترمذی حدیث:۱۹۲۴،مسند احمد حدیث:۶۵۰۱)۔

(۶)۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَیَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کیا اور بڑے کا احترام نہیں کیا اور نیکی کا حکم نہیں دیا اور برائی سے منع نہیں کیا(ترمذی حدیث:۱۹۲۱)۔

حسد نہ کر

کسی پر اللہ کا انعام دیکھ کر جلنا اور اس انعام کے زوال کی آرزو کرنا حسد ہے۔حسد کرنے والا اگلے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے مگر اپنے اعمال اور نیکیوں کو ضرور برباد کر لیتا ہے۔

حضور کریم ﷺ نے فرمایا: وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ ، فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: حسد سے بچو، حسد نیکیوں کو اسطرح کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے(ابوداؤد حدیث:۴۹۰۳)۔

حسد کا بہترین علاج یہ ہے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہا جائے۔مزید علاج یہ ہے کہ جس پر حسد آرہا ہے اس کے لیے مزید ترقی کی دعا کی جائے،اس طرح حسد کا علاج بھی ہو جائے گا اور نفس کی مخالفت اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔اگر کچھ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم حسد کا تقاضا اور مطالبہ پورا نہیں کرنا چاہیے یعنی حسد میں آکر اگلے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔یہ ایسا موذی مرض ہے کہ عوام سے لے کر خواص تک اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اگر کسی سے نعمت کے زوال کی آرزو نہ کی جائے مگر ویسی ہی نعمت کی اپنے لیے بھی تمنا کی جائے تو اسے حسد نہیں کہتے بلکہ رشک اور غِبطہ کہتے ہیں،حسد ناجائز ہے اور غبطہ جائز ہے۔

غصہ نہ کر

نکتہ یاد رکھیے کہ غصے کا اکثر سبب تکبر ہوا کرتا ہے۔اللہ کے مقابلے پر تکبر کرنا شیطان کا وصفِ خاص ہے جسے قرآن نے خود بیان فرمایا ہے۔شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ سے ہی صفراء

بنتا ہے اور انسان صفراوی تحریک سے ہی غصے میں آتا ہے، اسی لیے غصے کا علاج پانی پینا اور وضو کرنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: بے شک غصہ شیطان کی طرف سے ہے، اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ وضو کرلے (ابوداؤد حدیث:۴۷۸۲)۔

اس موضوع پر مزید احادیث ملاحظہ کیجیے:

(۱)۔ وَعَن اَبِی هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ اَوْصِنِی ، قَالَ لَا تَغْضَبْ ، فَرَدَّدَ ذٰلِکَ مِرَاراً، قَالَ لَا تَغْضَبْ یعنی حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا مجھے نصیحت فرمائیں۔ فرمایا: غصہ نہ کر۔ اس نے کئی بار یہی سوال کیا آپ نے فرمایا غصہ نہ کر (بخاری حدیث:۶۱۱۶، ترمذی حدیث:۲۰۲۰، مؤطا امام مالک، باب ما جاء فی الغضب حدیث:۱۱، مسند احمد حدیث:۶۶۴۳)۔

(۲)۔ وَعَن اَبِی هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ یعنی حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاقتور وہ نہیں جو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (مسلم حدیث:۶۶۴۳، بخاری حدیث:۶۱۱۴، ابوداؤد حدیث:۴۷۷۹، مسند احمد حدیث:۷۲۳۸)۔

(۳)۔ اَلْغَضَبُ یُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصِّبْرُ الْعَسَلَ یعنی غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح مصبر شہد کو خراب کر دیتا ہے (شعب الایمان للبیہقی:۸۲۹۴)۔

(۴)۔ عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنَا اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ یعنی حضرت ابو ذر غفاری ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، اگر غصہ چلا جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے (ابوداؤد حدیث:۴۷۸۲)۔

انجیل میں لکھا ہوا تھا کہ: عَبْدِیْ اُذْکُرْنِیْ حِیْنَ تَغْضَبُ اَذْکُرْکَ حِیْنَ اَغْضَبُ یعنی اے میرے بندے جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد رکھ، جب میں جلال میں ہوں گا تو

تجھے یاد رکھوں گا (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۷۸)۔

تکبر نہ کر

انسان کا نفس اللہ تعالیٰ کی ضد ہے۔ تکبر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ انسان اپنے نفس کو جس قدر گرائے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف کرے گا۔ جس قدر اپنے نفس کو فنا کرے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کو بقاء کے ساتھ پہچانے گا۔ اسی لیے صوفیاء علیہم الرضوان فرماتے ہیں: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ بِالْبَقَاءِ یعنی جس نے اپنے نفس کو فناء کے ساتھ پہچانا، اس نے اپنے رب کو بقاء کے ساتھ پہچان لیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں (الفرقان:۶۳)۔

(۱)۔ وَعَنِ ابنِ مَسْعُودٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِي قَلبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَردَلٍ مِنْ كِبْرٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جسکے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا (مسلم حدیث: ۲۶۶، ۲۶۷، ابوداؤد حدیث: ۴۰۹۱، ترمذی حدیث: ۱۹۹۸، مسند احمد حدیث: ۳۷۸۸، ابن ماجۃ حدیث: ۵۹)۔

(۲)۔ وَعَن عُمَرَ ﷺ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنبَرِ يَا اَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهٖ صَغِيرٌ وَفِي اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِي اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهٖ كَبِيرٌ ، حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْخِنْزِيرٍ یعنی حضرت عمر فاروق ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! عاجزی اختیار کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے اللہ کی خاطر عاجزی اختیار کی اللہ نے اسے بلند کر دیا۔ وہ لوگوں میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں عظیم ہوتا ہے اور جس نے تکبر کیا اللہ نے اسے گرا دیا۔ وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے اور اپنے خیال میں بڑا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کی نظروں میں خنزیر اور کتے سے بھی بدتر ہوتا ہے (شعب الایمان

للبیہقی حدیث:۸۱۴۰)۔اسنادہ صحیح

(۳)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: إِنَّ اللّٰہَ أَوْحیٰ إِلَیَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرَ أَحَدٌ عَلیٰ أَحَدٍ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ عاجزی اختیار کرو، حتی کہ کوئی شخص دوسرے کے سامنے فخر کا اظہار نہ کرے(مسلم حدیث:۷۲۱۰)۔

(۴)۔ حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ أَنْ لَا یَرْتَفِعَ شَیْءٌ مِنَ الدُّنْیَا إِلَّا وَضَعَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں جو بھی تکبر کرتے ہوئے سر اٹھائے، اللہ اسے گرا ڈالے(بخاری حدیث:۲۸۷۲)۔

(۵)۔ ایک حدیث شریف میں ہے: وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰہُ یعنی جو کوئی اللہ کی خاطر عاجزی کرتا ہے اللہ اسے بلند ہی کرتا ہے(مسلم حدیث:۶۵۹۲)۔

تواضع کند ہوش مندِ گزیں
نہد شاخِ پر میوہ سر بر زمیں

حضور سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ: خود کو سب سے کمتر سمجھو۔ اگر کسی چھوٹے کو دیکھو تو کہو اس نے چھوٹی عمر کی وجہ سے میری نسبت تھوڑے گناہ کیے ہیں لہٰذا بلا شبہ یہ مجھ سے افضل ہے۔ اگر کسی بڑے کو دیکھو تو کہو: اس نے مجھ سے پہلے اللہ کی عبادت کی ہے۔ کسی عالم کو دیکھو تو کہو اسے اللہ نے وہاں پہنچایا ہے جہاں میں نہیں پہنچ سکا، یہ وہ کچھ جانتا ہے جو میں نہیں جانتا اور اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ کسی جاہل کو دیکھو تو کہو اس نے جہالت کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کی ہے اور میں جاننے کے باوجود نافرمانی کرتا ہوں اور معلوم نہیں اس کا خاتمہ کس پر ہوگا اور میرا خاتمہ کس پر ہوگا(فتوح الغیب حاصل مقالہ نمبر۷۸)۔

معاف کر دیا کرو

انسان کے دل میں اگر کسی کے خلاف بغض، ناراضگی اور لگت بازی موجود ہو تو یہ بات اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان پہاڑ کی طرح حائل رہتی ہے۔ معاف کر دینا دراصل اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا ہے اور اس پر صوفیاء کا اجماع ہے کہ رضا ہی وصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ یعنی متقی وہ ہیں جو آسانی میں اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے (آل عمران:۱۳۴)۔

(۱)۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو ابنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي التَّوْرَاةِ قَالَ أَجَلْ وَاللَّهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا) وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ المتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ یعنی حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی شان بتائیں جو تورات میں لکھی ہے، فرمایا اچھا: اللہ کی قسم تورات میں ان کی بعض شانیں وہ ہیں جو قرآن میں بھی مذکور ہیں (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (الاحزاب: ۴۵) آپ ﷺ امیوں کے لیے پناہ ہیں، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ تشدد پسند اور سخت دل والے نہیں ہو، اور نہ ہی بازاروں میں چیخنے والے ہو، اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہو بلکہ درگزر کرتے ہو اور معاف کردیتے ہو (بخاری حدیث: ۲۱۲۵)۔

(۲)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ ؟ قَالَ : مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب، تیرے ہاں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: جو قدرت کے باوجود معاف کر دے (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۸۳۲۷)۔

(۳)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِماً إِلَّا أَن يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ إِلَّا أَن

يُنْتَهَکَ شَیءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَیَنْتَقِمُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یعنی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، اور نہ ہی کسی زوجہ کو اور نہ ہی کسی خادم کو، سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے۔ آپ ﷺ کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچائی گئی تو آپ نے کبھی تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہیں لیا، سوائے اس کے کہ اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جائے، آپ اللہ کے دین کے لیے بدلہ لیتے تھے (مسلم حدیث:۶۰۵۰)۔

(۴)۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ اِلَّا عِزّاً۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: صدقہ مال میں سے نقصان نہیں کرتا، اور معاف کرنے سے اللہ کسی بندے کی عزت میں اضافہ ہی کرتا ہے (مسلم حدیث:۶۵۹۲)۔

(۵)۔ آپ ﷺ کو جنگ میں زخمی کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اقدس سے خون پوچھتے ہوئے فرمایا: اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ مجھے پہچانتے نہیں وَهُوَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَیَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَإِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (بخاری:۳۴۷۷، مسلم:۴۶۴۶)۔

(۶)۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے ایک آدمی چل پڑا جو آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ جب آپ اپنے قبیلے کے پاس پہنچ گئے تو ٹھہر گئے اور فرمایا: اے نوجوان! ابھی کچھ مزید کہنا باقی ہے تو کہہ لو، تمہاری گالیاں میرے قبیلے کے کچھ نادان لوگ نہ سن لیں اور وہ تمہارے خلاف کارروائی نہ کریں کَیْلَا یَسْمَعَکَ بَعْضُ سُفَهَاءِ الْحَیِّ فَیُجِیْبُوْکَ (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۷۷)۔

وعدہ وفا کر

عہد کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عہد وہ ہے جو عالم ارواح میں ہر انسان نے اپنے رب سے کیا تھا۔ جس کا ذکر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی میں ہے (الاعراف:۱۷۲)۔

دوسرا عہد وہ ہے جو ہر مسلمان نے اس دنیا میں اسلام قبول کر کے اسے نبھانے اور اس پر

قائم رہنے کے لیے کیا۔یہی بیعتِ اسلام ہے جو ایک عظیم وعدہ ہے۔

تیسرا عہد وہ ہوتا ہے جو کوئی بھی شخص انفرادی اور ذاتی طور پر کسی کے ساتھ کرتا ہے جیسے کسی جگہ پر پہنچنے کا وعدہ یا رقم دینے کا وعدہ، امانت لوٹانے کا وعدہ اور حکومت کا عوام سے وعدہ وغیرہ۔یہی تیسرا عہد ہمارا موضوع ہے۔

وفائے عہد پر قرآنی آیات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (المائدہ:۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے عہد پورے کرو۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً (الاسراء:۳۴)۔

ترجمہ: اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

بَلٰىٰ مَنْ أَوْفىٰ بِعَهْدِهٖ وَاتَّقىٰ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (آل عمران:۷۶)۔

ترجمہ: کیوں نہیں؟ جس نے عہد پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (المومنون:۸،المعارج:۳۲)۔

ترجمہ: مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (البقرۃ:۱۷۷)۔

ترجمہ: (اصل نیکیوں اور ایمان کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ) اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب عہد کریں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا (مریم:۵۴)۔

ترجمہ: اور اے حبیب کتاب میں اسماعیل کو یاد کیجیے، بے شک وہ وعدے کے سچے تھے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا (النحل:۹۱)۔

ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرلو جب تم عہد کرو، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد انہیں مت توڑو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُون. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصّف:۲،۳)۔

ترجمہ: اے ایمان والو وہ بات کیوں کرتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک یہ بات سخت نا پسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔

وفائے عہد پر احادیث

حدیث کی کتابوں میں وعدہ پورا کرنے پر مستقل ابواب موجود ہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں: بَابُ مَنْ اَمَرَ بِاِنْجَازِ الْوَعْدِ۔ ابوداؤد میں: بَابٌ فِي الْعِدَةِ اور مشکوٰۃ شریف میں: بَابُ الْوَعْدِ موجود ہیں۔

عن عَبْدِ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ سَأَلْتُكَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ قَالَ وَهٰذِهِ صِفَةُ نَبِيٍّ (بخاری:۲۶۸۱)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوسفیان نے خبر دی کہ: ہرقل نے ان سے کہا: میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ وہ (نبی کریم ﷺ) تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو تم نے بتایا کہ وہ تم کو نماز پڑھنے سچ بولنے، پاکیزگی، عہد پورا کرنے اور امانت ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں، ہرقل نے کہا: اور یہی نبی کی صفات ہوتی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِبَيْعٍ قَبْلَ أَنْ يُبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ أَنْ آتِيَهُ بِهَا فِي مَكَانِهِ فَنَسِيتُ ثُمَّ ذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَجِئْتُ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ: يَا فَتىً لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ (ابوداؤد:۴۹۹۶ بَابٌ فِي الْعِدَةِ)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی

بعثت سے پہلے کچھ خرید وفروخت کی۔میری طرف کچھ بقایاجات رہ گئے۔میں نے وعدہ کیا کہ آپ ادھر ہی ٹھہریں میں لے کر آتا ہوں۔میں جا کر بھول گیا۔پھر تین دن کے بعد مجھے یاد آیا،تو میں آ گیا تو آپ ﷺ اسی جگہ موجود تھے۔تو فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے بہت تکلیف دی، میں تین دن سے ادھر تمہارا منتظر ہوں۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ، اَنَّ النَّبِیّ ﷺ قَالَ:اِضْمَنُوْا لِیْ سِتّاً مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ:اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ ، وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُمْ ، وَاَدُّوا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ ، وَغُضُّوا اَبْصَارَکُمْ ، وَکَفُّوا اَیْدِیکُمْ (مسند احمد:۲۲۶۵۶)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا،اور جب وعدہ کرے گا تو خلاف ورزی کرے گا اور جب امانت دیا جائے گا تو خیانت کرے گا۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہیثم رضی اللہ عنہ سے خادم فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا۔آپ کے پاس تین خادم آ گئے۔ان میں سے دو تقسیم ہو گئے اور ایک باقی بچا۔اسی دوران آپ ﷺ کی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی خادم مانگنے کے لیے حاضر ہوئیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: کَیفَ بِمَوعِدِی لِاَبِی الْهَیثَم یعنی ابوالہیثم کے ساتھ میرے وعدے کا کیا ہوگا؟ پھر آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ضرورت پر اپنے وعدے کو ترجیح دی (احیاء العلوم صفحہ ۱۰۶۴)۔

بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آنے والا ایک ایمان افروز واقعہ مذکور ہے۔قریش مکہ کے نمائندہ سہیل بن عمرو سے معاہدہ طے پایا کہ اگر قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو وہ اسے واپس کر دیں گے،اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش مکہ کے پاس آئے گا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے مگر ان کے والد سہیل بن عمرو نے انہیں گھر میں باندھ رکھا تھا۔جب یہ معاہدہ طے پا چکا تو عین اس موقع پر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ زنجیروں سمیت اچانک پہنچ گئے۔حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:

فَبَیْنَمَا هُمْ کَذٰلِکَ إِذْ دَخَلَ أَبُو جَنْدَلِ بْنُ سُهَیْلِ بْنِ عَمْرٍو یَرْسُفُ فِی

قُيُودِهِ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ أَسْفَلِ مَكَّةَ حَتّٰى رَمَى بِنَفْسِهِ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ سُهَيْلٌ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ أَوَّلُ مَا أُقَاضِيكَ عَلَيْهِ أَنْ تَرُدَّهُ إِلَيَّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ قَالَ فَوَاللّٰهِ إِذًا لَمْ أُصَالِحْكَ عَلٰى شَيْءٍ أَبَدًا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَجِزْهُ لِي قَالَ مَا أَنَا بِمُجِيزِهِ لَكَ قَالَ بَلٰى فَافْعَلْ قَالَ مَا أَنَا بِفَاعِلٍ قَالَ مِكْرَزٌ بَلْ قَدْ أَجَزْنَاهُ لَكَ قَالَ أَبُو جَنْدَلٍ أَيْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ أُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ جِئْتُ مُسْلِمًا أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ لَقِيتُ وَكَانَ قَدْ عُذِّبَ عَذَابًا شَدِيدًا فِي اللّٰهِ (البخاری:۲۷۳۲)۔فَرَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا جَنْدَلِ بْنَ سُهَيْلٍ يَوْمَئِذٍ إِلَى أَبِيهِ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَأْتِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ إِلَّا رَدَّهُ فِي تِلْكَ الْمُدَّةِ وَإِنْ كَانَ مُسْلِمًا وَجَاءَ تْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَكَانَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ مِمَّنْ خَرَجَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهِيَ عَاتِقٌ فَجَاءَ أَهْلُهَا يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَرْجِعَهَا إِلَيْهِمْ حَتّٰى أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْمُؤْمِنَاتِ مَا أَنْزَلَ (البخاری:۴۱۸۱)۔

ترجمہ: جس وقت ان کے درمیان یہ باتیں ہورہی تھیں، اچانک حضرت ابوجندل بن سہیل بن عمرو اپنی ایڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے آگئے، وہ مکہ کے نچلے حصہ سے نکلے اور انہوں نے خود کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا، تب سہیل نے کہا: اے محمد (ﷺ)! یہ پہلا شخص ہے جس کے لیے میں معاہدہ کے مطابق مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ اس کو ہمیں واپس کردیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ابھی تک ہم نے معاہدہ مکمل نہیں لکھا ہے، اس نے کہا: اللہ کی قسم! پھر میں آپ سے کبھی بھی کسی بات پر صلح نہیں کروں گا، نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا میری خاطر اس کو اجازت دے دو، اس نے کہا: میں اس کو آپ کی خاطر بھی اجازت نہیں دوں گا، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم ایسا کرلو، اس نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا، قریش کے ایک آدمی مکرز نے کہا: کیوں نہیں! ہم آپ کی خاطر اس کو اجازت دیتے ہیں (مگر چونکہ مکرز معاہدہ کرنے میں ذمہ دار آدمی نہیں تھا لہٰذا اس کی بات نہ سنی گئی)۔ حضرت ابوجندل نے کہا: اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکین کی طرف واپس کیا جائے گا حالانکہ میں مسلمان ہوکر تمہارے پاس آیا ہوں، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ مجھے کتنی اذیت دی گئی ہے اور ان کو واقعی اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے

بہت سخت عذاب دیا گیا تھا۔

پس اس دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو جندل بن سہیل کو اس کے باپ سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا، اور اس مدت کے دوران جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا آپ اس کو واپس کر دیتے خواہ وہ مسلمان ہو اور ہجرت کرنے والی مسلمان عورتیں آئیں، تو حضرت ام کلثوم بنتِ عقبہ بن ابی معیط ان خواتین میں شامل تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلیں تو ان کے گھر والے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے کہ آپ ان کو واپس کریں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے متعلق آیت نازل کی۔

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِی إِسْرَائِیلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِی إِسْرَائِیلَ أَنْ یُسْلِفَهُ أَلْفَ دِینَارٍ فَقَالَ ائْتِنِی بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ فَقَالَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیدًا قَالَ فَأْتِنِی بِالْكَفِیلِ قَالَ كَفٰی بِاللّٰهِ كَفِیلًا قَالَ صَدَقْتَ فَدَفَعَهَا إِلَیْهِ إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی فَخَرَجَ فِی الْبَحْرِ فَقَضٰی حَاجَتَهُ ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا یَرْكَبُهَا یَقْدَمُ عَلَیْهِ لِلْأَجَلِ الَّذِی أَجَّلَهُ فَلَمْ یَجِدْ مَرْكَبًا فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِیهَا أَلْفَ دِینَارٍ وَصَحِیفَةً مِنْهُ إِلَی صَاحِبِهِ ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا ثُمَّ أَتَی بِهَا إِلَی الْبَحْرِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّی كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا أَلْفَ دِینَارٍ فَسَأَلَنِی كَفِیلًا فَقُلْتُ كَفٰی بِاللّٰهِ كَفِیلًا فَرَضِیَ بِكَ وَسَأَلَنِی شَهِیدًا فَقُلْتُ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیدًا فَرَضِیَ بِكَ وَأَنِّی جَهَدْتُ أَنْ أَجِدَ مَرْكَبًا أَبْعَثُ إِلَیْهِ الَّذِی لَهُ فَلَمْ أَقْدِرْ وَإِنِّی أَسْتَوْدِعُكَهَا فَرَمٰی بِهَا فِی الْبَحْرِ حَتّٰی وَلَجَتْ فِیهِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَهُوَ فِی ذٰلِكَ یَلْتَمِسُ مَرْكَبًا یَخْرُجُ إِلَی بَلَدِهِ فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِی كَانَ أَسْلَفَهُ یَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِی فِیهَا الْمَالُ فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِیفَةَ ثُمَّ قَدِمَ الَّذِی كَانَ أَسْلَفَهُ فَأَتٰی بِالْأَلْفِ دِینَارٍ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِی طَلَبِ مَرْكَبٍ لِآتِیَكَ بِمَالِكَ فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِی أَتَیْتُ فِیهِ قَالَ هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ إِلَیَّ بِشَیْءٍ قَالَ أُخْبِرُكَ أَنِّی لَمْ أَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِی جِئْتُ فِیهِ قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَدّٰی عَنْكَ

الَّذِی بَعَثْتَ فِی الْخَشَبَةِ فَانْصَرِفْ بِالْأَلْفِ الدِّینَارِ رَاشِدًا (بخاری حدیث:۲۲۹۱)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا۔ اس نے کسی اسرائیلی سے سوال کیا کہ وہ اسے ایک ہزار دینار قرض دے، اس نے کہا: تم میرے پاس گواہ لاؤ جن کو میں اس پر گواہ کروں، اس نے کہا: اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے اس نے کہا: پھر تم میرے پاس کفیل لاؤ، اس نے کہا: اللہ کا کفیل ہونا کافی ہے، اس دوسرے نے کہا: تم نے سچ کہا، پھر اس کو ایک مدتِ معین کے وعدہ پر وہ دینار دے دیئے، وہ شخص دریا کے پار نکل گیا، پھر اس نے اپنی ضرورت پوری کی، پھر اس نے کوئی کشتی تلاش کی جس میں سوار ہو کر مدتِ معینہ پر اس کی رقم پہنچائے تو اس کو، کوئی کشتی نہ ملی، تب اس نے لکڑی کو کھوکھلا کیا اور اس کے اندر ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور اس قرض خواہ کے نام ایک پرچا لکھ دیا اور (کسی چیز سے) اس کا منہ بند کر دیا، پھر وہ اس لکڑی کو لے کر دریا پر آیا اور یہ دعا کی: اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیے تھے، اس نے مجھ سے کفیل کا سوال کیا تو میں نے کہا: اللہ کافی کفیل ہے، پس وہ تیری کفالت پر راضی ہو گیا اور اس نے مجھ سے گواہ کا سوال کیا تو میں نے کہا: اللہ کافی گواہ ہے، پس وہ تیری گواہی پر راضی ہو گیا اور میں نے کشتی تلاش کرنے کی پوری کوشش کی تا کہ میں اس کی طرف اسکی رقم بھیج دوں لیکن میں اس پر قادر نہیں ہوا اور اب میں یہ رقم والی لکڑی تیری امان میں دیتا ہوں، پھر اس شخص نے وہ لکڑی دریا میں ڈال دی حتیٰ کہ وہ لکڑی دریا میں داخل ہو گئی، پھر وہ واپس آ گیا اور وہ اس عرصہ میں کشتی تلاش کرتا رہا، جس سے وہ اس شہر کی طرف نکلے، پھر جس شخص نے اس کو قرض دیا تھا وہ دریا کی طرف نکلا کہ شاید اسے کوئی کشتی نظر آئے جو اس کا مال لے کر آ رہی ہو، تو اس کو وہ لکڑی مل گئی جس میں اس کا مال تھا، وہ اس لکڑی کو اپنے گھر والوں کے لیے اٹھا کر لے آیا اور جب اس لکڑی کو کھولا تو اس کو وہ مال مل گیا اور وہ پرچا بھی مل گیا، ادھر وہ مقروض بھی آ پہنچا، جس کو اس نے قرض دیا تھا، اس نے قرض خواہ کو ایک ہزار دینار ادا کر دیے اور کہا: اللہ کی قسم! میں مسلسل کشتی تلاش کرتا رہا تا کہ میں وقت پر تمہاری رقم پہنچا دوں، لیکن مجھے اس سے پہلے کوئی کشتی نہیں مل سکی، قرض خواہ نے کہا: کیا تم نے میری طرف کوئی چیز بھیجی تھی؟ مقروض نے کہا: میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ مجھے

اس سے پہلے کوئی کشتی نہیں ملی، جس میں میں تمہارے پاس آتا، اس قرض خواہ نے کہا: بے شک اللہ نے تمہاری وہ رقم مجھے پہنچادی ہے جو تم نے لکڑی میں رکھ کر میرے پاس بھیجی تھی، پھر وہ شخص وہ ایک ہزار دینار لے کر خوشی اور کامیابی کے ساتھ چلا گیا۔

ایک مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کسی سے وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ آجاؤں گا تم بھی آجانا۔ آپ وعدے کے مطابق پہنچ گئے مگر وہ آدمی بھول گیا۔ آپ اس کے انتظار میں رات بھر اسی جگہ موجود رہے۔ اگلے دن وہ آدمی آیا اور اس نے کہا میں بھول گیا تھا۔ آپ نے فرمایا جب تک تم نہ آتے میں نے اسی جگہ انتظار کرنا تھا (ابن جریر: ۱۷۹۱۶)۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلَنِي يَهُودِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْحِيرَةِ أَيَّ الْأَجَلَيْنِ قَضىٰ مُوسىٰ قُلْتُ لَا أَدْرِي حَتّٰى أَقْدَمَ عَلىٰ حَبْرِ الْعَرَبِ فَأَسْأَلَهُ فَقَدِمْتُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ قَضىٰ أَكْثَرَهُمَا وَأَطْيَبَهُمَا إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ فَعَلَ (بخاری حدیث: ۲۶۸۴)۔

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھ سے اہل حیرہ کے ایک یہودی نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں) کون سی مدت کو پورا کیا تھا، میں نے کہا: میں نہیں جانتا حتیٰ کہ میں عرب کے کسی عالم کے پاس جا کر اس سے سوال کروں، پھر میں آیا اور میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت موسیٰ نے زیادہ لمبی اور زیادہ پاکیزہ مدت کو پورا کیا تھا (یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ یا دس سال خدمت کرنے کی شرط رکھی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال ان کی خدمت کی)، بے شک اللہ کے کوئی بھی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی بات فرماتے تو اس کو پورا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے: قریش کے ایک آدمی نے اپنے بیٹوں کے لیے میری دو بیٹیوں کا رشتہ مانگا تھا اور میں نے کھل کر وعدہ نہیں کیا تھا مگر وعدے سے ملتی جلتی بات کی تھی (**وَقَدْ كَانَ مِنِّي اِلَيْهِ شِبْهُ الْوَعْدِ**)۔ اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے ایک تہائی منافقت کی حالت میں نہیں ملوں گا۔ میں آپ سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے

اپنی دونوں بیٹیوں کا رشتہ دیا(احیاء العلوم صفحہ ۱۰۶۳)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَیْنِ قَدْ أَعْطَیْتُکَ هٰکَذَا وَهٰکَذَا وَهٰکَذَا فَلَمْ یَجِءْ مَالُ الْبَحْرَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ النَّبِیُّ ﷺ فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَیْنِ أَمَرَ أَبُو بَکْرٍ فَنَادٰی مَنْ کَانَ لَهٗ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ عِدَةٌ أَوْ دَیْنٌ فَلْیَأْتِنَا فَأَتَیْتُهٗ فَقُلْتُ إِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِی کَذَا وَکَذَا فَحَثٰی لِی حَثْیَةً فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِیَ خَمْسُ مِائَةٍ وَقَالَ خُذْ مِثْلَیْهَا (البخاری:۲۲۹۶،مسلم:۶۰۲۳)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر بحرین کا مال آیا تو میں تمہیں اتنا اور اتنا دوں گا، پھر بحرین کا مال نہیں آیا حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی، پھر جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس سے نبی کریم ﷺ نے کوئی وعدہ کیا ہو یا جس کا نبی کریم ﷺ پر کوئی قرض ہو، وہ ہمارے پاس آئے تو میں ان کے پاس گیا، سو میں نے کہا نبی کریم ﷺ نے مجھ سے اس طرح اور اس طرح فرمایا تھا، تو حضرت ابوبکر نے مجھے لپ بھر کر دیا، میں نے ان کو شمار کیا تو وہ پانچ سو تھے، حضرت ابوبکر نے فرمایا: تم ان کی دو مثل اور لے لو۔

عَنْ أَبِی أُسَیْدٍ مَالِکِ بْنِ رَبِیعَةَ السَّاعِدِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِذَا جَاءَهٗ رَجُلٌ مِنْ بَنِی سَلِمَةَ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ أَبَوَیَّ شَیْءٌ أَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمِ الصَّلَاةُ عَلَیْهِمَا وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِی لَا تُوصَلُ إِلَّا بِهِمَا وَإِکْرَامُ صَدِیقِهِمَا (ابوداؤد حدیث: ۵۱۴۲، ابن ماجہ حدیث: ۳۱۱۴)۔

ترجمہ: حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنی سلمہ میں سے ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ میرے ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ کیا بھلائی کا کوئی طریقہ موجود ہے؟ فرمایا: ہاں، ان پر جنازہ پڑھنا، اور ان کے لیے استغفار کرنا، اور ان کے لوگوں سے وعدے پورے کرنا، اور ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ أُعْطِيكَ. فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيهِ .قَالَتْ أُعْطِيهِ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ (ابوداؤدحدیث:۴۹۹۱)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے۔میری والدہ نے مجھ سے کہا آ ؤ میں تمہیں دیتی ہوں۔رسول ﷺ نے اس سے فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کھجور دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: اگر تم اسے کچھ نہ دیتی تو تمہارا جھوٹ لکھا جاتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (بخاری حدیث:۳۳، مسلم حدیث:۲۱۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِي ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَر (البخاری:۳۴، مسلم:۲۱۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس میں وہ منافقت کی خصلت ہوگی جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ جب امانت دی جائے تو خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا قَالَ : لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ،

وَلَا دِيْـنَ لِـمَـنْ لَا عَهْدَ لَـهٗ (مسندِاحمد حدیث:۱۲۳۲۴،۱۲۵۰۵،۱۳۱۳۲،۱۳۵۷۱،المعجم الاوسط للطبرانی حدیث:۲۶۰۶،۵۹۲۳)۔

ترجمہ: حضرت انس ﷜فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی ہمیں خطاب فرماتے تو یہ الفاظ ضرور فرماتے تھے: جسکی کوئی امانت نہیں اسکا کوئی ایمان نہیں، اور جسکا کوئی عہد نہیں اسکا کوئی دین نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ (بخاری حدیث:۳۱۸۶،مسلم حدیث:۴۵۳۳)۔

ترجمہ: حضرت انس ﷜ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَن يَّفِيَ لَهُ فَلَم يَفِ وَلَمْ يَجِيءْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ(ابوداؤدحدیث:۴۹۹۴،ترمذی:۲۶۳۳)۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم ﷜نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت میں ہو کہ وہ وعدہ وفا کرے گا مگر وہ ایسا کر نہ سکا اور مقررہ وقت پر پورا نہ اتر سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ بھولنا قصداً نہ تھا۔

حضور غوثِ اعظم قدس سرہ الاقدس نے فرمایا کہ مجاہدہ اور نفس کا محاسبہ کرنے والے اور اولوالعزم صوفیاء کی دس خوبیاں ہیں۔ وہ دس کی دس خوبیاں آپ قدس سرہ نے بیان فرمائی ہیں اور ان میں سے تیسری خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ اول تو ایسا صوفی وعدہ کرے ہی نہیں اور اگر وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

اَنْ يَـحْـذَرَ اَنْ يَعِـدَ اَحَـداً شَيْـئًا فَيُخْلِفَهٗ ، وَيَقْطَعَ الْعِدَةَ اَلْبَتَّةَ ، فَاِنَّهٗ اَقْوٰى لِاَمْـرِهٖ ، وَاَقْـصَـدُ بِـطَرِيْقِهٖ ، لِاَنَّ الْخَلْفَ مِنَ الْكِذْبِ ، فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ فُتِحَ لَهٗ بَابُ السَّـخَـآءِ وَدَرَجَةُ الْـحَيَـآءِ ، وَاُعْـطِيَ مَوَدَّةً فِي الصَّادِقِيْنَ وَرِفْعَةً عِنْدَاللّٰهِ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ (شرح فتوح الغیب مقالہ نمبر ۷۸،غنیۃ الطالبین صفحہ ۳۱۴)۔

ترجمہ: صوفی کسی سے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی سے پرہیز کرے، اور سرے سے وعدہ ہی نہ کرے تو بہتر ہے تا کہ وعدہ خلافی کی نوبت ہی نہ آئے، یہ چیز اس کی روحانیت کے لیے قوت بخش ہے اور راہِ سلوک کے لیے اعتدال پیدا کرتی ہے، جب صوفی ایسا کرے گا تو اس کے لیے سخا کا دروازہ اور حیاء کا مرتبہ کھلے گا، اور صادقین کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوگی اور اللّٰہ جَلَّ ثَنَاءُ ہٗ کے ہاں اسے بلند رتبہ ملے گا۔

وقت کی پابندی

وقت کی تعریف امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح لکھی ہے: اَلْوَقْتُ نِهَايَةُ الزَّمَانِ الْمَفْرُوْضِ لِلْعَمَلِ یعنی وقت اس زمانے کی انتہا کو کہتے ہیں جو فرض عمل کی ادائیگی کے لیے مقرر کیا گیا ہو (مفردات الفاظ القرآن صفحہ ۵۶۶)۔

نماز کا وقت مقرر ہے، اللہ کریم فرماتا ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا بے شک نماز مومنوں پر فرض کر دی گئی ہے وقتِ مقررہ پر (النساء:۱۰۳)۔ روزے رمضان کے مقرر مہینے میں فرض ہیں، زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ دینا ہوتی ہے، حج سال کے مقررہ دن میں کیا جاتا ہے، سورج وقت پر نکلتا اور ڈوبتا ہے، چاند اپنے وقت کے مطابق نکلتا ڈوبتا ہے اور گھٹتا اور بڑھتا ہے، دن رات کا آنا جانا اور موسموں کی تبدیلی سب وقت کے مطابق ہے اور یہ چیزیں کبھی غلطی نہیں کرتیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے وقت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے قرآن شریف میں وقت کی قسمیں اٹھائی ہیں، فرمایا: وَالْفَجْرِ ، وَالصُّبْحِ ، وَالضُّحىٰ ، وَالَّيْلِ ، وَالْعَصْرِ اور عصر کی قسم کے ساتھ انسان کا خسران بیان فرمایا۔

وقت ہی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلىٰ حِينٍ یعنی تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک مقرر وقت تک عیش وعشرت ہے (البقرۃ:۳٦)۔ وقت ہی کے ضائع ہونے سے بیماری طول پکڑتی ہے، وقت ہی کے ضائع ہونے سے مریض مر جاتا ہے، وقت پر توبہ نہ کرنے سے دل پر سیاہی مکمل طور پر چھا جاتی ہے اور ایک دن

اعمال کا کاغذ اور قلم رکھوا دیا جائے گا، پیپر چھین لیا جائے گا، توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا اور وقت ضائع کرنے والوں کو اس دن وقت ضائع ہونے کا احساس ہوگا مگر بے سود۔ قیامت کے دن کافر کہیں گے: فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی کاش ہمیں ایک موقع اور دیا جائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہوں (الشعراء:۱۰۲)۔ اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ: اَلْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ یعنی وقت ایک کاٹنے والی تلوار ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ الْاَوْدِيِّ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ ، اِغْتَنِمْ خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوتِكَ رَوَاهُ الْبَغْوِيُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْحَاكِم عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (شرح السنۃ حدیث: ۴۰۲۰، مستدرک حاکم حدیث: ۸۰۱۰)۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے، اپنی امیری کو غربت سے پہلے، اپنی فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ (بخاری حدیث: ۶۴۱۲)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کثرت سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحت ہے اور دوسری فراغت ہے۔

وعدے کی تعریف بھی یہی ہے کہ: اَلْوَعْدُ اَلَّذِيْ جُعِلَ لَهٗ وَقْتٌ یعنی وعدہ وہ ہوتا ہے جس کے لیے وقت مقرر کیا گیا ہو (مفرداتِ راغب صفحہ ۵۶۶)۔

اللہ کریم سے اچھے اخلاق مانگو

(۱)۔ نبی کریم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنْ مُنْکِرَاتِ الْاَخْلَاقِ یعنی اے اللہ مجھے برے اخلاق سے بچا (ترمذی حدیث:۳۵۹۱)۔

(۲)۔ عَن عَائِشَةَ الصِّدِّیْقَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ (حِینَ نَظَرَ فِی المِراۃِ) اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلقِی فَاَحْسِنْ خُلُقِی یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب آئینہ دیکھتے تو یہ دعا فرماتے اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِی فَاَحْسِنْ خُلُقِی یعنی اے اللہ تو نے میری صورت کو اچھا بنایا، میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے (مسند احمد حدیث:۲۵۲۷۵)۔

بعثتِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد

(۱)۔ وَعَن مَالِکٍ عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ یعنی امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان تک حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حسین اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں (مؤطا امام مالک حدیث: ۸ من کتاب حسن الخلق)۔

مبلغِ اسلام کا خصوصی اخلاق

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اعراف:۱۹۹)۔

سیدنا امام جعفر صادق قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: لَیْسَ فِی الْقُرْآنِ آیَةٌ اَجْمَعَ لِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ مِنْ هٰذِهِ الْآیَةِ یعنی قرآن میں اس آیت سے بڑھ کر مکارم اخلاق کی جامع آیت اور کوئی نہیں (تفسیر بغوی جلد۲ صفحہ۱۸۴، قرطبی جلد۷ صفحہ۳۰۳)۔

اس آیت میں اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل تبلیغی حکمت عملی سے نوازا ہے اس آیت کے تین اجزاء ہیں۔

(۱)۔ خُذِ الْعَفْوَ

سب سے پہلی اور بنیادی حکمت عملی یہ ارشاد فرمائی کہ خُذِ الْعَفْوَ یعنی درگزر اور معافی کو اختیار کریں۔ ان الفاظ میں اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو نرمی اختیار کرنے اور معاف کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ یعنی اللہ کی کیسی عظیم رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل ہیں، اور اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ ضرور آپ کے گردوپیش سے بھاگ جاتے، تو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ضروری کاموں میں ان سے مشورہ لیں، پھر آپ جب کسی کام کا آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (آل عمران ۱۵۹)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیں حکمت کے ساتھ اور اچھے وعظوں کے ساتھ اور مخالفین سے بحث احسن طریقے سے کریں (النحل: ۱۲۵)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی احسن طریقے سے تردید فرمائیں، بس ایسا لگے کہ آپ کے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہے گویا وہ گہرا دوست ہے (فصلت: ۳۴)۔

بلکہ ہر ولی کی شان میں فرمایا: الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ یعنی متقین وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں خوشی اور غمی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصے پر قابو رکھتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (آل عمران: ۱۳۴)۔

خُذِ الْعَفْوَ کا تعلق ایسے معاملات سے بھی ہے جن کا تعلق استحباب سے ہے۔ محض مستحبات

اورزوائد کے معاملے میں سختی کرناروح تبلیغ اور مغز شریعت کے منافی ہے۔حبیب کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں بھیجا تو فرمایا:

(۱)۔ وَعَنْ اَبِی بَرْدَةَ ﷺ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ ﷺ بِی وَمُعَاذِ بن جَبَلٍ اِلَی الْیَمَنِ ، فَقَالَ یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَختَلِفَا یعنی حضرت ابوبردہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو فرمایا: دونوں آسانی کرنا مشکلات پیدا نہ کرنا۔لوگوں کو خوش رکھنا متنفر نہ کرنا، دونوں ایک جیسی بات کرنا اور اختلاف نہ کرنا (بخاری حدیث: ۳۰۳۸،مسلم حدیث: ۴۵۲۶،مسند احمد حدیث: ۱۹۷۲۱)۔

آپ ﷺ نے جہاں غیر مسلموں کو ڈیل کرنے کے لیے احسن ترین نفسیاتی رویہ اختیار فرمایا ہے وہاں اپنے خدام اور ساتھیوں سے بھی درگزر فرمایا ہے اور انہیں بات بات پر نہیں ٹوکا۔

(۲)۔ سیدنا انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں: خَدَمْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَشْرَ سِنِینَ فَمَا قَالَ لِی أُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا أَلَّا صَنَعْتَ یعنی میں نے دس سال تک نبی کریم ﷺ کی خدمت کی، آپ نے مجھے کبھی اف نہیں فرمایا، اور کبھی نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، اور یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا (بخاری حدیث: ۶۰۳۸)۔

(۳)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَسَبَّ رَجُلٌ رَجُلًا عِنْدَهُ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ الْمَسْبُوبُ یَقُولُ عَلَیْکَ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَمَا إِنَّ مَلَکًا بَیْنَکُمَا یَذُبُّ عَنْکَ کُلَّمَا یَشْتُمُکَ هَذَا قَالَ لَهُ بَلْ أَنْتَ وَأَنْتَ أَحَقُّ بِهِ وَإِذَا قَالَ لَهُ عَلَیْکَ السَّلَامُ قَالَ لَا بَلْ لَکَ أَنْتَ أَحَقُّ بِهِ۔

ترجمہ: ایک صحابی کو کسی آدمی نے گالی دی، وہ جواباً کہنے لگے: تجھ پر سلام ہو۔نبی کریم ﷺ پاس تھے، آپ نے فرمایا: جب وہ آدمی تجھے گالی دیتا ہے تو تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اسے جواب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم خود ایسے ہو اور تم اس گالی کے زیادہ حقدار ہو۔اور جب تم جواباً اس پر سلام بھیجتے ہو تو فرشتہ تمہیں کہتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو اور تم خود سلامتی کے زیادہ حقدار ہو (مسند احمد: ۲۳۶۳۵)۔

(۲)۔ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ

اس آیت کا دوسرا جملہ ہے وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی نیکی کا حکم دیں۔عرف کا معنی ہی ایسا کام

ہے جس کا نیک کام ہونا معروف ہو۔ گویا اس کا تعلق ایمانیات، فرائض اور واجبات سے ہے۔ ابوالفیض فیضی لکھتے ہیں: اَلامْرِ الْمَعْلُوْمِ عِلْماً وَ حُکْماً یعنی معروف کا معنی ہے: ہر وہ کام جسکی شرعی دلیل بھی معلوم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس پر کیا فتویٰ اور کیا حکم لگتا ہے (سواطع الالہام صفحہ ۲۳۰)۔

پوری امت کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:۱۰۴)۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (ال عمران:۱۱۰)۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

(۱)۔ عَنْ اَبِی سَعِیْدٍ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ مَنْ رَایٰ مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ ، فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَان یعنی حضرت ابوسعید ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ پھر اگر اسکی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے۔ پھر اگر اسکی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے (مسلم حدیث:۱۷۷، ابوداؤد حدیث:۱۱۴۰، ترمذی حدیث:۲۱۷۲، ابن ماجہ حدیث:۴۰۱۳)۔

واضح ہو گیا کہ کلمہ حق بولنا اہل حق پر واجب ہے، اور دینی غیرت کو ترک کر دینے کا نام اخلاق نہیں۔ بلکہ احادیث میں تو یہاں تک وارد ہے کہ:

(۲)۔ عَنْ جَرِیرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ یَكُونُ فِی قَوْمٍ یَعْمَلُ فِیهِمْ بِالْمَعَاصِی یَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ یُغَیِّرُوا عَلَیْهِ فَلاَ یُغَیِّرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ یَمُوتُوا۔

ترجمہ: حضرت جریر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی شخص کسی قوم میں رہ کر گناہ کرتا ہو اور وہ لوگ اس کی اصلاح کرنے کی طاقت رکھتے ہوں مگر اصلاح نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو موت سے پہلے پہلے عذاب دے گا (ابوداؤد حدیث:۴۳۳۹، ترمذی حدیث:۲۱۶۸)۔

(۳)۔ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

اس آیت کا تیسرا جملہ ہے وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ یعنی جاہلوں سے مت الجھیں۔ جاہل سے بحث کرنے سے وقت ضائع ہوتا ہے مگر اسے علمی گفتگو سمجھ ہی نہیں آتی اور اگر کوئی بات اس کی سمجھ میں آ بھی گئی ہو تو اپنی جاہلانہ ضد کی وجہ سے وہ ڈٹا رہتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں، اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں تم پر سلام ہو (الفرقان:۶۳)۔

سیدنا لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت قرآن نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یعنی نیکی کا حکم دے، اور برائی سے منع کر، اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے (لقمان:۱۷)۔

اس موضوع پر احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱)۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اسْتَأْذَنَ الْحُرُّ لِعُيَيْنَةَ فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ هِيْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فَوَاللّٰهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ فَغَضِبَ عُمَرُ حَتّٰى هَمَّ أَنْ يُوقِعَ بِهِ فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ (خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ) وَإِنَّ هَذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ وَاللّٰهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حر بن قیس نے حضرت عمر فاروق سے عرض کیا کہ عیینہ کو ملاقات کی اجازت دیں۔ حضرت عمر نے انہیں اجازت دی۔ جب وہ مجلس میں پہنچے تو کہنے لگے اے ابنِ خطاب آپ ہمیں مال نہیں دیتے اور نہ ہی ہمارے درمیان عدل سے فیصلہ کرتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر سخت غصہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے عیینہ کو مارنے کا ارادہ کیا۔ حر نے کہا: اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ

وَأَعْرِضْ عَنْ الْجَاهِلِينَ اور یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔اللہ کی قسم جب حر نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمر ﷜ نے بالکل تجاوز نہیں کیا، اور حضرت عمر قرآن کے سامنے تھم جایا کرتے تھے (بخاری حدیث: ۴۶۴۲)۔

(۲)۔ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ هُوَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِیْ قَالَ: لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، عَلٰى نَبِيِّهِ ﷺ (خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكَ أَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ، وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ، وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ یعنی جب نبی کریم ﷺ پر یہ آیت خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: اے جبریل اس کا کیا معنی ہے؟ حضرت جبریل نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آدمی سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے جس نے آپ پر ظلم کیا ہو، اور اسے عطاء کرنے کا حکم دیا ہے جس نے آپ کو محروم کیا ہو، اور اس سے تعلق جوڑنے کا حکم دیا ہے جس نے آپ سے قطع تعلق کیا ہو (ابن جریر حدیث: ۱۲۰۷۱، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۰)۔

(۳)۔ عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَابْتَدَأْتُهُ فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِی بِفَوَاضِلِ الْأَعْمَالِ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَأَعْرِضْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ یعنی حضرت عقبہ بن عامر ﷜ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا، میں نے پہل کرتے ہوئے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے افضل ترین اعمال کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا: اے عقبہ: جو تجھ سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو، اور جو تجھے محروم کرے تم اسے عطاء کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو (مسند احمد حدیث: ۱۷۳۳۴)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ لوگ میرے جھوٹے عیب بیان نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو میں نے اپنے ساتھ بھی نہیں کیا، پھر تمہارے ساتھ کیسے کروں مَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِنَفْسِيْ ، فَكَيْفَ اَفْعَلُهُ لَكَ (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۷۸)۔

حماسہ لکھتے ہیں:

لَلْحِلْمُ خَيْرٌ فَاعْلَمَنَّ مَغَبَّةً
مِنَ الْجَهْلِ اِلَّا اَنْ تُشَمَّسَ بِالظُّلَمِ

ترجمہ: آخر کار حلم ہی جہالت سے اچھا ہے، یہ بات اچھی طرح جان لو، سوائے اس کے کہ تمہیں ظلماً دھوپ میں ہی بٹھا دیا جائے۔

اس شعر میں نکتے کی بات یہ ہے کہ حلم کو جہل کے مقابلے پر بولا گیا ہے۔ گویا جس میں حلم نہیں اس میں علم نہیں۔

نگاہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

دوستوں کے راز فاش مت کرو

مبلغ، استاد اور مرشد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دوستوں کے راز کی زیادہ جستجو نہ کرے اور ان کی کمزوریاں دوسروں کے سامنے بیان نہ کرے۔ اس کا سینہ اسرار کا خزینہ ہونا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

(۱)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّكَ اِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ یعنی حضرت معاویہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم لوگوں کے بھیدوں کی جستجو کرو گے تو انہیں متنفر کر دو گے (ابوداؤد: ۴۸۸۸)۔

کسی عالم دین اور مبلغ اسلام کو زیب نہیں دیتا کہ تحقیق کیے بغیر محض سنی سنائی بات آگے پھیلائے، یا محض کسی کے خلاف بات سن کر نوٹس لے لے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

(۲)۔ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِباً اَن يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ یعنی کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کرتا پھرے (مسلم: ۷، ابوداؤد: ۴۹۹۲)۔

(۳)۔ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (بخاری: ۲۴۴۲، مسلم: ۶۵۷۸)۔

حماسہ لکھتے ہیں:

وَ فِتْيَـانُ صِـدْقٍ لَسْـتُ مُـطْـلِـعَ بَعْضِهِمْ
عَـلـىٰ سِـرِّ بَـعْـضٍ غَيْـرُ اَنِّى جِمَـاعُهَـا

ترجمہ: صدق اور سادگی والے نوجوان جن میں سے کسی ایک کا راز کسی دوسرے کے سامنے میں ہرگز بیان نہیں کرتا، بس میرے پاس تو وہ آ کر بیٹھے رہتے ہیں۔

اگر تحقیق میں غلطی ہو جائے تو رجوع کر لینا عالم کی عظمت ہے

موجودہ زمانے کا ایک خطرناک المیہ یہ ہے کہ بعض علماء عقیدے اور تحقیق میں سرِ عام غلطی کرتے ہیں اور متوجہ کرنے کے باوجود اپنی بات پر ڈٹے رہتے ہیں خواہ ان کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپس میں دست و گریباں ہو رہی ہو۔ ایسے لوگوں کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اخلاص اور للّٰہیت سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

(ا)۔ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي غِبْتُ عَنِ امْرَأَتِي سَنَتَيْنِ فَجِئْتُ وَهِيَ حُبْلَى فَشَاوَرَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ نَاسًا فِي رَجْمِهَا فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ كَانَ لَكَ عَلَيْهَا سَبِيلٌ فَلَيْسَ لَكَ عَلَى مَا فِي بَطْنِهَا سَبِيلٌ فَاتْرُكْهَا حَتَّى تَضَعَ فَتَرَكَهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا قَدْ خَرَجَتْ ثَنَايَاهُ فَعَرَفَ الرَّجُلُ الشَّبَهَ فِيهِ فَقَالَ: ابْنِي وَرَبِّ الْكَعْبَةِ .فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَجَزَتِ النِّسَاءُ أَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ مُعَاذٍ لَوْلَا مُعَاذٌ لَهَلَكَ عُمَرُ۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا کہ میں دو سال تک گھر سے غائب رہا ہوں، واپس آیا ہوں تو میری بیوی حاملہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کے بارے میں لوگوں سے مشورہ فرمایا، حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اس کے پیٹ میں بچے کا کیا قصور؟ اسے بچے کی پیدائش تک چھوڑ دیجیے۔ آپ اس عورت کو سزا دینے سے رک گئے۔ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو اسکے دانت نکلے ہوئے تھے۔ اس شخص نے بچے کو شباہت سے پہچان لیا اور کہنے لگا رب کعبہ کی قسم یہ میرا بیٹا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت

معاذ بن جبل کے بارے میں فرمایا: عورتیں اس بات سے عاجز آ گئی ہیں کہ معاذ جیسا بیٹا پیدا کریں، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۴۴۳، جامع المسانید لابن کثیر ۱۱/۳۶۳، ابن عساکر ۲۴/۲۷۴، سیر اعلام النبلاء جلد ا صفحہ ۴۵۲، الاصابہ لابن حجر صفحہ ۱۸۴۸)۔

(۲)۔ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ رُبَّمَا رَأَى ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّأْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ۔

ترجمہ: حضرت طاؤس تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک رائے قائم کرتے تھے مگر بعد میں اس سے رجوع کر لیتے تھے (سنن الدارمی: ۶۳۴)۔

(۳)۔ سیدنا ابن مسعود ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ عَلِمَ فَلْيَقُلْ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ اللّٰهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنْ الْعِلْمِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ لَا أَعْلَمُ فَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ (قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنْ الْمُتَكَلِّفِينَ)۔

ترجمہ: جس کے پاس صحیح علم ہو وہ بیان کرے، اور جسے معلوم نہ ہو وہ کہے: اللّٰهُ أَعْلَمُ یعنی اللہ بہتر جانتا ہے، جب کوئی شخص نہ جانتا ہو تو وہ بے تکلف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، تو یہ بھی اس کے عالم ہونے کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: فرما دو میں تم لوگوں سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں (بخاری حدیث: ۴۷۷۴)۔

امام بغوی علیہ الرحمۃ نے سورۃ ص کی آیت نمبر ۸۶ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنْ الْمُتَكَلِّفِينَ کی تفسیر میں لکھا ہے: كُلُّ مَنْ قَالَ شَيْئاً مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ فَقَدْ تَكَلَّفَ لَهُ یعنی جس نے بھی خود اپنی طرف سے کوئی بات کہی اس نے اس کیلئے تکلف کیا (بغوی جلد ۳ صفحہ ۷۱۵)۔

مبلغین پر شیطان کا خصوصی حملہ

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوب نکتہ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین مقامات پر احسن طریقے سے تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ان تینوں مقامات میں سے ہر مقام کے آخر میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

سورۃ المؤمنون میں فرمایا: ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا

يَصِفُونَ ، وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ، وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ (المؤمنون:۹۶تا۹۸)۔

سورۃ فصلت میں فرمایا: وَلا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ، وَمَا يُلَقَّاهَا ، إِلا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ، وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (فصلت:۳۴،۳۵،۳۶)۔

سورۃ اعراف کی زیر بحث آیت میں فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اعراف:۱۹۹)۔

تصوف سراسر اخلاق ہے

صوفیاء نے تصوف کو سراسر اخلاق قرار دیا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْماً وَلَا عُلُوْماً وَ لٰکِنَّهٗ اَخْلَاقٌ یعنی تصوف نہ رسوم ہے نہ علوم ہے بلکہ اخلاق ہے۔ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ یعنی تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے (کشف المحجوب صفحہ ۴۱)۔

عصر حاضر میں لطائف پر مراقبے، فناء اور بقاء کے دعوے عروج پر ہیں۔ اور ہو ہو کی چند ضربیں سیکھ لینے والے کو فوراً خلافت سے نواز دیا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ایسے لوگوں میں اکثریت کو ابھی اصلاح نفس اور اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض حبس دم، مراقبے اور لطائف شناسی تو ھندومت اور بدھ مت میں بھی رائج ہے۔ یہ چیزیں اس وقت تک کسی کام کی نہیں جب تک اخلاق محمدی میں خود کو رنگ نہ لیا جائے۔

خَلق ظاہر ہے اور خُلق باطن ہے۔ اصلاحِ باطن ہی کو تزکیہ کہتے ہیں اور تزکیہ نفوس ہی اخروی فلاح ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی (الاعلیٰ:۱۴) اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرہ:۱۲۹)۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ

الْاَخْلَاقِ (موطا امام مالک حدیث: ۸ من کتاب حسن الخلق)۔

اخلاق اور ادب ہی دراصل روحانیت اور طریقت کی جان ہے اور اخلاق کا ایک باریک اور زبردست پہلو یہ ہے کہ سالک فنا کے بعد بقاء کی طرف لوٹ کر ایک طرف مخلوقِ خدا کی اصلاح میں مصروف رہے اور دوسری طرف اللہ کریم جل شانہٗ سے ایک لحہ بھی غافل نہ ہو۔

ریاکاری، تکبر، حسد، خوف، غصہ اور بُغض بہت بڑی روحانی اور اخلاقی بیماریاں ہیں۔ اخلاق کے موضوع پر لکھی جانیوالی کتابوں میں ان کے مفصل علاج درج ہیں۔ طریقت والوں کے لیے ریا، تکبر اور خوف کا علاج فنائیت ہے اور حسد، غصہ اور بغض کا علاج رضا ہے۔

ایثار اور قربانی کا جذبہ

اپنا حق ٹھیک ٹھیک وصول کرنا اور دوسروں کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرنا عدل وانصاف کہلاتا ہے، جبکہ اپنا حق معاف کر دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دے دینا ایثار کہلاتا ہے۔ مدینہ شریف کے انصار نے مکہ شریف سے ہجرت کر کے آنے والوں پر اپنا حقوق جس طرح قربان کیے اللہ کریم اس کی منظر کشی فرماتا ہے: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یعنی اور ان کے لیے بھی جو لوگ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی دار الہجرۃ اور دار الایمان میں گھر تیار رکھے، اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اور اپنے دلوں میں کوئی طلب نہیں پاتے اس چیز کی جو ان مہاجرین کو دی گئی اور وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہو اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں (الحشر: ۹)۔

اس آیت کا شانِ نزول اس طرح ہے:

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷜ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَبَعَثَ إِلَى نِسَائِهِ فَقُلْنَ مَا مَعَنَا إِلَّا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَضُمُّ أَوْ يُضِيفُ هٰذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَا فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ مَا عِنْدَنَا إِلَّا قُوتُ صِبْيَانِي

فَقَالَ هَيِّئِي طَعَامَكِ وَأَصْبِحِي سِرَاجَكِ وَنَوِّمِي صِبْيَانَكِ إِذَا أَرَادُوا عَشَاءً فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا وَأَصْبَحَتْ سِرَاجَهَا وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ فَجَعَلَا يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ فَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ أَوْ عَجِبَ مِنْ فَعَالِ كُمَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ (وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا، آپ نے اسکو اپنی ازواج کی طرف کھانا کھلانے کے لیے بھیج دیا، ازواج نے کہا: ہمارے پاس تو صرف پانی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون اسکو مہمان بنائے گا؟ انصار کے ایک شخص نے کہا: میں اس کو مہمان بناؤں گا، سو وہ اس شخص کو مہمان بنا کر اپنی بیوی کے پاس لے گیا، اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی تکریم کرو، اسکی بیوی نے کہا: میرے پاس تو صرف اپنے بچوں کا کھانا ہے، اس انصاری نے کہا: اپنا کھانا لے آؤ، اور اپنا چراغ بجھا دو، اور اپنے بچوں کو سلا دو، جب وہ رات کے کھانے کا ارادہ کریں، اسکی بیوی نے کھانا پیش کیا اور چراغ بجھا دیا اور اپنے بچوں کو سلا دیا، پھر وہ خاتون اس طرح کھڑی ہوگئی جیسے وہ چراغ کو درست کر رہی ہو، اس نے چراغ بجھا دیا، یوں وہ دونوں میاں بیوی مہمان پر یہ ظاہر کر رہے تھے کہ گویا وہ بھی کھا رہے ہیں، ان دونوں نے بھوکے رات گزاری، پھر جب صبح کو وہ انصاری شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس رات تم دونوں کے کاموں سے بہت خوش ہوا، اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ انکو خود شدید ضرورت ہو، اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا، وہی لوگ کامیاب ہیں (الحشر:۹) (بخاری حدیث:۳۷۹۸)۔

(۲)۔ وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَن نَتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِكَ عِندِي مَالًا ، فَقُلْتُ الْيَومَ اَسْبُقُ اَبَا بَكرٍ اِن سَبَقْتُهُ يَومًا ، فَقَالَ فَجِئْتُ بِنِصفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهلِكَ ؟ فَقُلْتُ مِثْلَهُ وَاَتٰى اَبُو بَكرٍ بِكُلِّ مَالٍ عِنْدَهُ ، فَقَالَ يَا اَبَا بَكرٍ، مَا اَبقَيتَ لِاَهْلِكَ؟ فَقَالَ اَبقَيتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ، قُلْتُ لَا اَسْبُقُهُ اِلٰى شَئٍ اَبَدًا ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ ان دنوں میرے پاس مال کافی تھا۔ میں نے سوچا اگر میں ابوبکر سے آگے نکل سکتا ہوں تو وہ آج ہی کا دن ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے عرض کیا اسی کے برابر۔ اور ابوبکر اپنا سارا مال لے کر آ گئے۔ فرمایا: ابوبکر گھر والوں کیلیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں ان کے لیے اللہ اور اسکا رسول چھوڑ کر آیا ہوں۔ میں نے کہا میں کسی معاملے میں بھی ابوبکر سے آگے نہیں نکل سکتا (ترمذی حدیث: ۳۶۷۵، ابوداؤد حدیث: ۱۶۷۸)۔

(۳)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ آخَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ إِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا فَأَقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِي وَانْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ هَوِيتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا فَإِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لَا حَاجَةَ لِي فِي ذٰلِكَ هَلْ مِنْ سُوقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ

یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ شریف میں ہجرت کر کے پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سعد بن ربیع کا بھائی بنایا، سعد بن ربیع نے مجھ سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میں تمہیں اپنا آدھا مال دیتا ہوں اور دیکھو میری دو بیویوں میں سے تمہیں کون سی پسند آتی ہے، میں اسے تمہاری خاطر طلاق دے دیتا ہوں، پھر جب وہ عدت گزار چکے تو تم اس سے نکاح کر لینا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا: مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں، تم مجھے بازار کا راستہ بتا دو تا کہ میں تجارت کر سکوں (بخاری حدیث: ۲۰۴۸)۔

(۴)۔ عَنْ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ اشْتَكَى ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ قَالَ فَمَاتَ وَأَبُو طَلْحَةَ خَارِجٌ فَلَمَّا رَأَتْ امْرَأَتُهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ هَيَّأَتْ شَيْئًا وَنَحَّتْهُ فِي جَانِبِ الْبَيْتِ فَلَمَّا جَاءَ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ كَيْفَ الْغُلَامُ قَالَتْ قَدْ هَدَأَتْ نَفْسُهُ وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ قَدِ اسْتَرَاحَ وَظَنَّ أَبُو طَلْحَةَ أَنَّهَا صَادِقَةٌ قَالَ فَبَاتَ فَلَمَّا أَصْبَحَ اغْتَسَلَ فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَعْلَمَتْهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ أَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِمَا كَانَ مِنْهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُبَارِكَ لَكُمَا فِي لَيْلَتِكُمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَرَأَيْتُ لَهُمَا

تِسْعَةَ أَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرَأَ الْقُرْآنَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار ہوگیا، پس وہ فوت ہو گیا اور حضرت ابوطلحہ گھر سے نکلے ہوئے تھے، جب انکی بیوی نے یہ دیکھا کہ بچہ فوت ہوگیا ہے تو انہوں نے اس کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور اسکو گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا، جب حضرت ابوطلحہ آئے اور پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا: وہ پرسکون ہے اور مجھے امید ہے وہ راحت پا چکا ہے، اور حضرت ابوطلحہ نے گمان کیا کہ وہ سچی ہیں، حضرت انس نے کہا: انہوں نے رات گزاری، جب صبح ہوئی تو غسل کیا، جب وہ گھر سے باہر نکلنے لگے تو ان کی بیوی نے انہیں بتایا کہ بچہ فوت ہو چکا ہے، پس انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر انہوں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ ان دونوں کے ساتھ رات کو کیا ہوا ہے، تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے رات کے معاملے میں برکت دے گا، سفیان نے کہا: پس انصار کے ایک شخص نے کہا: میں نے دیکھا کہ انکے نو بیٹے ہوئے اور وہ سب قرآن مجید کے قاری تھے (بخاری حدیث:۱۳۰۱)۔

(۵)۔ جنگِ احد میں جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تیر چلا رہے تھے اور حضور ﷺ انہیں تیر پکڑا رہے تھے تو آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر کفار کو دیکھنا چاہا، حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اپنا سر مبارک نیچے کیجیے کہیں آپ کو تیر نہ لگ جائے نَحْرِیْ دُوْنَ نَحْرِکَ یعنی آپ کی گردن پر میری گردن فدا (بخاری حدیث:۳۸۱۱)۔

(۶)۔ حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ یرموک کے دن میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کرنے کے لیے نکلا، میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا، میرا خیال تھا کہ اگر اس میں زندگی کی رمق ہوئی تو اسے پانی پلاؤں گا۔ اچانک میں نے اسے دیکھ لیا، میں نے اس سے کہا: کیا میں تجھے پانی پلاؤں؟ تو اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا کہ پلاؤ، اتنے میں ایک اور آدمی کے کراہنے کی آواز آئی اس پر میرے چچا زاد بھائی نے مجھے اشارے سے کہا کہ اسکی طرف پانی لے جاؤ۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے کہا: کیا تجھے پانی پلاؤں؟ انہوں نے مجھے اشارے سے پلانے کیلئے کہا۔ اتنے میں حضرت ہشام کو ایک اور زخمی کے کراہنے کی آواز آ گئی انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ انکی طرف پانی لے جاؤ۔ میں ادھر ہوا، دیکھا تو وہ شہید ہو چکے تھے پھر میں

حضرت ہشام کی طرف لوٹا تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے پھر میں اپنے چچازاد بھائی کی طرف بڑھا تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے (قرطبی جلد ۱۸صفحہ ۲۸، ابن کثیر جلد ۴صفحہ ۴۴۵)۔

(۷)۔ ہجرت کی رات سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا دفاع کیا مگر خود سانپ کا ڈنگ برداشت کر گئے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے بستر مبارک پر رات گزاری اور حضور کی جان پر اپنی جان نچھاور کی۔

نکتۂ خاص

(۱)۔ ہر کسی کی خدمت کرنا اور اس خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے نبھانا اور اس کے بدلے میں کسی سے کچھ طلب نہ کرنا۔ (۲)۔ عبادات اور خدمات کو مخفی رکھنا، دائیں ہاتھ سے دینا اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ (۳)۔ لوگوں کے مظالم پر صبر کرنا۔ یہ تین چیزیں روحانیت کا نکتۂ خاص ہے۔

خ: خدمت الف: اخفاء ص: صبر یہ بنا خاص۔

اسلام کا معاشرتی ضابطہ

معاشرے کی بنیادی اکائی ایک فرد ہے۔ افراد کے باہم ملنے سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اسلام معاشرے کی باضابطہ بنیاد رکھنے کے لیے باقاعدہ نکاح کا قانون فراہم کرتا ہے جس میں میاں اور بیوی ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے غیر ذمہ دارانہ حرکات کی دوٹوک نفی ہو جاتی ہے اور انسان اپنی انسانی شان وشوکت کے ساتھ جانوروں اور حیوانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی اپنی پسند سے دو تین چار خواتین تک کے ساتھ نکاح کرو (النسآء:۳)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ یعنی میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ مجھ سے نہیں (مسلم حدیث رقم: ۳۴۰۳، بخاری حدیث رقم: ۵۰۶۳، نسائی حدیث رقم: ۳۲۱۷)۔

پھر اس نکاح کو چوری چھپے کرنا بھی جائز نہیں۔ بلکہ اس کا اعلان کرنے کا حکم ہے (مسند

احمد حدیث رقم: ۱۶۱۳۶، مستدرک حاکم حدیث رقم: ۲۷۹۷)۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام میں حقوق کا مطالبہ کرنے کا کوئی تصور نہیں بلکہ اپنا اپنا فرض ادا کرنے کا ہر کسی کو حکم ہے۔ جب ہر کوئی اپنا فرض ادا کرتا رہے گا تو ایک کا فرض ہی دوسرے کا حق ہے۔ حقوق خود بخود ادا ہوتے رہیں گے۔ اس ذہن کے ساتھ حقوق و فرائض کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

میاں بیوی کے حقوق و فرائض

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ شوہر جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے۔ جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، اسے منہ پر نہ مارے، اس کے ساتھ بدزبانی نہ کرے اور نہ اسے گھر سے نکالے (ابوداؤد حدیث رقم: ۲۱۴۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۸۵۰، مسند احمد حدیث رقم: ۲۰۰۳۵)۔

۲۔ مومنوں میں سے کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اور وہ اپنے گھر والوں سے لطف و کرم سے پیش آتا ہو (ترمذی حدیث: ۲۶۱۲، مسند احمد حدیث: ۲۴۲۵۹)۔

۳۔ کوئی مومن مرد، مومن عورت (اپنی بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اسکی کوئی عادت اسے ناپسند ہے تو اسکی کوئی دوسری عادت اسے پسند بھی ہوگی (مسلم حدیث رقم: ۳۶۴۸، مسند احمد حدیث رقم: ۸۳۸۴)۔

۴۔ جو عورت اس حال میں مَری کہ اس کا شوہر اس پر راضی تھا وہ جنت میں گئی (ترمذی حدیث رقم: ۱۱۶۱، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۸۵۴)۔

۵۔ مرد کا عورت پر اتنا زیادہ حق ہے کہ اگر میں کسی انسان کو سجدے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے (ترمذی حدیث رقم: ۱۱۵۹)۔

۶۔ اگر شوہر حکم دے کہ سفید پہاڑ کو کالا بنا دو اور کالے کو سفید بنا دو (مطلب یہ ہے کہ مشکل کام کا حکم دے) تو عورت اس پر عمل کرے (مسند احمد حدیث رقم: ۲۴۵۲۵)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ

عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً یعنی مرد عورتوں پر سربراہ ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر خود فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں، نیک بخت وہ عورتیں ہیں جو ادب والی ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت رکھتی ہیں۔ جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ۔ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آ جائیں تو ان پر زیادتی کرنے کے بہانے مت نکالو (النسآء:۳۴)۔

اس آیت مبارکہ میں میاں بیوی کا گھریلو سسٹم اور اسکی مکمل فلاسفی بیان کر دی گئی ہے۔ بیوی کی نافرنی کی صورت میں سب سے پہلے اسے سمجھایا جائے اور نرمی سے نصیحت کی جائے۔ اگر وہ نہ مانے تو اس سے الگ سویا جائے۔ اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو شوہر اَدبی کاروائی کے طور پر اسے مار سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا مگر عورتیں بگڑنے لگیں تو مارنے کی اجازت دے دی (ابوداؤد حدیث:۲۱۴۶، ابن ماجہ حدیث:۱۹۸۵، دارمی حدیث: ۲۲۲۳)۔

مذکورہ بالا آیت میں تو اور بھی وضاحت کے ساتھ اجازت نازل ہوگئی۔ بہتر اور افضل یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی غلطیوں پر صبر و تحمل سے کام لے اور اسے نہ مارے۔ اور اگر مارنے ہی کی ضرورت محسوس کرے تو ادب سکھانے کی غرض و غایت کو ملحوظ رکھے۔ ایسا جذباتی ہو کر نہ مارے کہ بیوی شکایت کرنے پر مجبور ہو جائے (مرقاۃ جلد۶ صفحہ۲۷۴)۔ نیز منہ پر نہ مارے (ابوداؤد حدیث رقم: ۲۱۴۲، ابن ماجہ حدیث رقم: ۱۸۵۰، مسند احمد حدیث رقم: ۲۰۰۳۵)۔

خاندانی منصوبہ بندی

رِزق کی کمی کے خوف سے خاندانی منصوبہ بندی کرنا بالکل ناجائز ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ یعنی اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل مت کرو (بنی اسرائیل:۳۱)۔

اگر عورت کی صحت اور بچوں کی تربیت کے پیشِ نظر خاندانی منصوبہ بندی کی جائے تو یہ

کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ایسا نہ کرو تو پھر کیا ہے؟ جسے اللہ نے پیدا کرنا ہے وہ پیدا ہو کر ہی رہے گا (مسلم حدیث: ۳۵۵۴، بخاری حدیث: ۷۴۰۹، شرح معانی الآثار للطحاوی ۲/۱۹، مؤطا امام محمد صفحہ ۲۵۲)۔

صحیح مسلم میں اسی مضمون کی بہت سی احادیث موجود ہیں اور بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۸۴ پر بھی ایسی ہی حدیث موجود ہے۔ اس حدیث کے اندازِ بیان میں کراہت اور ناپسندیدگی صاف جھلک رہی ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔

لیکن یہ انفرادی اور ذاتی سطح پر بات ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس خاندانی منصوبہ بندی کی تبلیغ کرنا اور اسکے لیے اشتہار بازی سخت ناجائز ہے اس لیے کہ اس سے فحاشی پھیلتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے (النور: ۱۹)۔

اگر خدانخواستہ میاں بیوی کا نباہ کسی صورت میں نہ ہو سکے تو اسلام نے ایسی صورتحال سے چھٹکارے کے لیے طلاق کی اجازت دی ہے۔ طلاق کوئی پسندیدہ چیز تو نہیں لیکن ناگزیر حالات میں معاشرت میں اصلاح کا یہ آخری حربہ نہایت حسن و خوبی سے مزیّن ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اَبْغَضَ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاقُ یعنی حلال چیزوں میں اللہ کی سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے (ابوداؤد حدیث: ۲۱۷۸، ابن ماجۃ حدیث: ۲۰۱۸)۔

عوام کے لیے ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی طلاق دینا ہی چاہے تو فی الحال ایک رجعی طلاق دے تاکہ بصورتِ ضرورت اس سے رجوع ممکن ہو۔ تین حیض کے اندر اندر رجوع کر لیا تو ٹھیک، وہ دوبارہ میاں بیوی بن جائیں گے۔ نئے نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض گزر گئے تو یہی طلاق بائن ہو جائے گی۔ اب عورت چاہے تو آگے نکاح کرے اور اگر واپس اسی شوہر کے پاس آنا چاہے تو صرف نکاح کرنا پڑے گا، حلالہ کی ضرورت نہیں۔

حاملہ کا معاملہ مختلف ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اگر عورت کو چھوٹی عمر یا

بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہوتو اس کی عدت تین ماہ ہے۔اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

اس کے برعکس ایک ہی مرتبہ دی گئی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اوراب ان سے رجوع یا دوبارہ صرف نکاح سے کام نہیں چل سکتا۔مرد کی اس بے وقوفی کی سزا یہ ہے کہ اگر دوبارہ اسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو پہلے حلالہ ہو۔حلالہ یہ ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔پھر وہ اس سے مباشرت کرے اور پھر مرد اپنی مرضی سے طلاق دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ یعنی دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا جب تک کسی دوسرے شوہر سے صحبت نہ کرے (البقرہ:۲۳۰)۔

حدیث شریف میں اس سے زیادہ واضح الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

حَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَهَا (مسلم حدیث:۳۵۲۶، بخاری حدیث:۲۶۳۹، ترمذی حدیث:۱۱۱۸، نسائی حدیث:۳۴۰۸، ابن ماجہ حدیث:۱۹۳۲، سنن الدارمی حدیث:۲۲۷۱)۔

بے وقوفی کرچکنے کے بعد پھر مختلف مذاہب کے لوگوں کے پاس جا جا کر گنجائش ڈھونڈتے رہنا بڑے شرم کی بات ہے۔ایسے لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ میں نے غصے میں طلاق دی تھی۔مجھے پتہ نہیں چلا۔مجھے ہوش نہیں رہا وغیرہ وغیرہ۔لیکن یاد رکھیں یہ سب فضول بہانے ہیں۔غصہ بذاتِ خود ایک برائی ہے اور طلاق عام طور پر غصے میں ہی دی جاتی ہے۔لہٰذا غصے کا بہانہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: تم نے تین طلاقیں دیں، طلاق تو ہوگئی مگر تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی (مسلم حدیث :۳۶۵۶، نسائی حدیث:۳۵۵۷، المصنف لابن ابی شیبہ ۴/۱۱، سنن الدارقطنی حدیث:۳۹۲۲)۔

حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں (مسلم حدیث:۳۷۴۳، بخاری حدیث:۵۲۵۹)۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں نافذ کردیا یعنی تین طلاقیں ہوگئیں (ابوداؤد حدیث:۲۲۴۵)۔اس طرح کی کئی احادیث دارقطنی جلد۴ صفحہ ۹،۱۰ پر موجود ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی خاموشی کے بعد فرمایا کہ تم لوگ تین طلاقیں دینے کے بعد سواری پر بیٹھ کر میرے پاس پہنچ جاتے ہو اور یا ابنِ عباس یا ابنِ عباس کرنے لگ جاتے ہو۔اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نجات کی راہ رکھی ہے جبکہ تم اللہ سے نہیں

ڈرے اور اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ مجھے تمہاری نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہو چکی ہے (ابوداؤد حدیث: ۲۱۹۷)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ اس مسئلے کا کیا حل ہے؟ فرمایا تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے بار تم نے اللہ کی کتاب سے مذاق کیا ہے (مؤطا مالک کتاب الطلاق حدیث رقم: ۱)۔

امام نووی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، مالک، ابوحنیفہ، احمد اور جمہور علمائے سلف وخلف علیہم الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ایک ہی بار تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (شرح نووی علی مسلم جلد ا صفحہ ۴۷۸)۔

اولاد کے حقوق

بچے کے پیدا ہوتے ہی اسکے کانوں میں اذان کہنا مستحب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان پڑھی (ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۰۵)۔

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھیں۔ اسکی اچھی تربیت کریں اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ وُّلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحَسِّنْ اِسْمَهٗ وَاَدِّبْهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ یعنی جسکا بچہ ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اور اسکی تعلیم و تربیت کرے اور جب بالغ ہو جائے تو اسکی شادی کر دے (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۸۶۶۶)۔

نام وہی اچھا ہے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ نسبت اور تعلق ظاہر ہو۔ غیر اسلامی، بے معنی اور لایعنی نام نہیں رکھنے چاہییں۔ نبی کریم ﷺ قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے (ترمذی حدیث رقم: ۲۸۳۹)۔

ساتویں دن بچے کا عقیقہ کر دینا چاہیے۔ اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو زندگی میں کبھی بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: بچہ اپنے عقیقہ کی وجہ سے گروی رہتا ہے، اس کی طرف سے ساتویں دن جانور ذبح کرنا چاہیے، اور اس کا نام رکھنا چاہیے، اور اس کا سر منڈا دینا چاہیے (ابوداؤد: ۲۸۳۷، ترمذی: ۱۵۲۲)۔ بیٹا ہو تو دو بکریاں اور بیٹی ہو تو ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ اللہ

کے محبوب ﷺ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے، خواہ بکرا ہو یا بکری (ابوداوٗد: ۲۸۳۵، ترمذی: ۱۵۱۶، نسائی: ۴۲۱۷، ابن ماجہ: ۳۱۶۲)۔ گائے کی قربانی میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے۔ سات حصوں میں سے ایک حصہ بکری کے برابر تصور ہوگا۔

بچے کے دودھ پینے کی مدت دو سال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ یعنی مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (البقرۃ: ۲۳۳)۔ (وَخَالَفَ الصَّاحِبَانِ الْإِمَامَ، قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ يُؤْخَذُ بِقَوْلِهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ يُؤْخَذُ بِقَوْلِهِمَا، وَقِيْلَ يُخَيَّرُ الْمُفْتِيْ، وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْعِبْرَةَ لِقُوَّةِ الدَّلِيْلِ وَلَا يَخْفٰى قُوَّةُ دَلِيْلِهِمَا (کذا فی البحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۳۸۹)، فَعَلٰى قَوْلِهِمَا الْفَتْوٰى ۔ بچے کے ماں باپ باہم مشورہ کر کے دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا یعنی اگر بچے کے ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ جلدی چھڑانا چاہیں تو اُن پر کوئی حرج نہیں (البقرۃ: ۲۳۳)۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہے کہ اگر کوئی شیر خوار بچہ شرعی مدتِ رضاعت کے دوران اپنی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اسکی رضاعی ماں بن جائے گی۔ یعنی بچے کی عمر دو سال سے زیادہ نہ ہو تو اس شرط کے ساتھ رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ لَا رِضَاعَ اِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ یعنی رضاعت دو سال کے اندر اندر ثابت ہوتی ہے اُسکے بعد نہیں (سنن الدارقطنی حدیث: ۴۳۱۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۴۶۲)۔

بچہ جب کچھ سیکھنے کے قابل ہو جائے تو اسے کلمہ طیبہ، ایمان مجمل و مفصل اور نماز سکھائی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سات سال کے بچے کو نماز کا حکم دو۔ جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو۔ اور اس عمر میں انہیں الگ الگ بستروں پر سلاؤ (ابوداوٗد حدیث رقم: ۴۹۵، ترمذی حدیث رقم: ۴۰۷)۔

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۲۴، مسند امام اعظم صفحہ ۲۰)۔ جھوٹ، چوری، زنا، رشوت، شراب، قتل، ڈاکہ، خودکشی وغیرہ کا حرام ہونا ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیے۔ اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت کا ہر کسی کو علم ہونا چاہیے۔ سینہ بسینہ ہر دور میں اتنا

علم آگے منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ یہی دین کا تواتر ہے۔ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے اوراس لحاظ سے مسلمان سو فیصد شرح خواندگی حاصل کر چکے ہیں۔

ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کو کسی صحیح العقیدہ اور باعمل استاد کے پاس مسجد یا مدرسے میں بھیجا کریں۔ عیسائیوں، قادیانیوں اور بدمذہبوں کے سکولوں اور مدارس میں بچوں کو ہرگز ہرگز نہ بھیجا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ (تحریم:٦)۔

حضرت محمد بن سیرین تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ یعنی یہ علم دین ہے۔ خوب غور کرلو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو (مسلم حدیث رقم: ٢٦، سنن الدارمی حدیث رقم: ٤٢٣، ٤٢٨)۔

بچوں کو ان سکولوں اور کالجوں میں بھی نہ بھیجا جائے جہاں لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے پڑھتے ہوں۔

فقیر راقم الحروف نے ہر مسلمان کی بنیادی تعلیمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے معلم الاسلام نامی ایک مختصر سا کتابچہ تحریر کر دیا ہے۔ ناظرہ قرآن شریف اور اس کے ساتھ معلم الاسلام یا معلم الاسلام کے برابر علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

بچے کو اچھا ماحول فراہم کیا جائے۔ اچھے دوستوں سے تعلقات رکھنے کا حکم دیا جائے۔ اور بری سنگت سے بچانے کی مکمل کوشش کی جائے۔ دوستی اور صحبت ہی انسان کو بناتی ہے اور یہی انسان کو بگاڑتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ یعنی آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے دوستوں کے بارے میں غور کر لینا چاہیے (ابو داؤد حدیث رقم: ٤٨٣٣، ترمذی حدیث رقم: ٢٣٧٨)۔

یہ زندگی کے مختلف آداب ہیں جو والدین اپنے بچوں کو سکھائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا باپ کا اپنی اولاد کے لیے بہترین تحفہ یہ ہے کہ اسے اچھے آداب سکھائے (ترمذی حدیث رقم: ١٩٥٢، مسند احمد حدیث رقم: ١٦٧١٥)۔

نیز فرمایا جس نے تین یا دو یا ایک بھی بیٹی یا بہن کو پالا، اسے ادب سکھایا اور اس پر رحم کیا حتیٰ

کہ اللہ کے کرم سے اسکی شادی ہوگئی، اس شخص پر جنت واجب ہوگئی (شرح السنۃ حدیث: ۳۴۵۷)۔

اولاد کا اگلا حق یہ ہے کہ جب بالغ ہو جائے تو باپ ان کا نکاح کر دے۔ مشکوٰۃ کے صفحہ نمبر ۲۷۱ پر اس مضمون کی دو حدیثیں موجود ہیں۔ گویا نکاح کرنا باپ کی ذمہ داری ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بیوہ یا مطلقہ سے مشورہ لیا جائے اور کنواری سے صرف اجازت لی جائے۔ خاموش ہو جانا ہی اسکی اجازت ہے (مسلم حدیث: ۳۴۷۶، ابوداؤد حدیث: ۲۰۹۸، ترمذی حدیث: ۱۱۰۸، نسائی حدیث: ۳۲۶۰، ابن ماجۃ حدیث: ۱۸۷۰، سنن الدارمی حدیث: ۲۱۹۲، مسند احمد حدیث: ۱۸۹۳، موطا امام مالک حدیث: ۴ من کتاب النکاح)۔

لہٰذا گھر والوں کے باہمی مشورے اور لڑکی لڑکے کی شریفانہ اجازت یا باحیاء خاموشی کے ساتھ رشتہ طے کرنا ضروری ہے۔ لڑکے لڑکی کو خود پیچا لڑانے کی شریعت میں ہرگز اجازت نہیں۔ خود بخود شادیاں رچا لینے والے لڑکے لڑکیوں کو ہم نے زندگی بھر روتے اور نتائج سامنے آنے پر اپنے کیے پر پچھتاتے دیکھا ہے۔ کنواری لڑکی کا اپنے لیے خود شوہر تلاش کرنا بے حیائی پر ہی منتج ہوگا۔

پھر بھی اگر کوئی خود نکاح کر لے تو باقی شرائط کے ہوتے ہوئے نکاح کی حد تک اسے درست مان لیا جائے گا۔ ہدایہ اور کنز میں لکھا ہے کہ ایسا نکاح ہو جائے گا۔ لیکن یہ ماں باپ کے حقوق، اسلامی عرف، آداب اور شرم وحیا کے منافی ہونے کی بنا پر قابلِ تعزیر جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا نِـكَـاحَ اِلَّا بِـوَلِـيٍّ یعنی وارث کے بغیر نکاح کرنے کا کوئی تُک نہیں (ابوداؤد حدیث: ۲۰۸۵، ترمذی حدیث: ۱۱۰۱، ابن ماجۃ حدیث: ۱۸۸۱، سنن الدارمی حدیث: ۲۱۸۶، مسند احمد حدیث: ۱۹۵۳۷)۔

اور اگر لڑکی نے اپنے سے کم تر خاندان میں نکاح کر لیا جو اسکے خاندان والوں کیلئے بے عزتی اور عار کا سبب ہو تو اسکے وارث یہ نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔ کنز کے الفاظ یہ ہیں مَنْ نَـكَـحَتْ غَيْرَ كُفُوٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ یعنی جس نے کمتر لوگوں میں نکاح کر لیا اس کا ولی تفریق کرا سکتا ہے۔

لڑکے لڑکی کا بھاگ جانا جسے آج کل کے مہذب الفاظ میں کورٹ میرج (court marriage) کہا جا رہا ہے۔ یہ اسلامی روایات اور اُمت کے عملی تواتر کے سراسر منافی ہے۔ اس سے ماں باپ اور اہل خاندان کی ناک کٹ جاتی ہے۔ اور یہ بات غیرِ کفو کے طعنے سے کہیں زیادہ طعنہ بن جاتی ہے بلکہ بعض اوقات لڑکی کے خاندان والے لڑکی اور داماد دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

ایسی بھیانک صورتحال کے پیشِ نظر یہ حدیث شریف جوں کی توں سنا دینے کو دل چاہتا ہے۔

اَیُّمَا امْرَءَ ةٍ نَکَحَتْ نَفْسَهَا بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّهَا فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ یعنی جس عورت نے بھی اپنے وارث کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے (ابوداؤد حدیث رقم: ۲۰۸۳، ترمذی حدیث رقم: ۱۱۰۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۸۷۹، دارمی حدیث رقم: ۲۱۸۸، مسند احمد حدیث رقم: ۲۵۳۸۰)۔

(والنکاح ینعقد کما فی متون الاحناف والحدیث محمول علی نفی الکمال)

رشتہ پسند کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا سخت ضروری ہے کہ اگلے کا دین و مذہب کیا ہے۔ آج کل لوگ محض قوم، دولت، پیشہ اور شکل وصورت پر زور دیتے ہیں مگر دین کی طرف بہت کم لوگ دھیان دیتے ہیں اور بعد میں پتا چلنے پر یا خود بھی بے دین ہو جاتے ہیں یا کم از کم اُن کی بیٹی ضرور بے دین ہو جاتی ہے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے فرمایا کہ لوگ چار چیزوں کو دیکھ کر عورت سے نکاح کرتے ہیں۔ دولت، خاندان، خوبصورتی اور دین۔ تم دین داری کو ترجیح دیا کرو (بخاری حدیث: ۵۰۹۰، مسلم حدیث: ۳۶۳۵، ابوداؤد حدیث: ۲۰۴۷، نسائی حدیث: ۳۲۳۰، ابن ماجۃ حدیث: ۱۸۵۸، دارمی حدیث: ۲۱۷۴، مسند احمد حدیث: ۹۵۳۳)۔

ٹیلی فون پر نکاح جائز نہیں۔ اس میں آواز کی بناوٹ اور دھوکے فریب کا اندیشہ ہے۔ اگرسی ایل آئی پر فون کا نمبر آ رہا ہو یا ماڈرن ٹیلی فون پر تصویر بھی آ رہی ہو تو پھر بھی کسی سائنسی ٹیکنیک سے دھوکا ممکن ہے اور اگر ٹیلی فون کا محکمہ بھی ملوث ہو تو بڑے آرام سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ٹیلی فون پر نکاح درست نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص باہر کے ملک میں کسی محکمانہ مجبوری کے پیشِ نظر شادی کے کاغذات تیار کرنے کے لیے فون پر نکاح کرنا چاہتا ہو تو ایسے نکاح کے بعد آمنے سامنے ملاقات پر نکاح کی تجدید کر لینا ضروری ہے۔

ماں باپ سے حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اسکا کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین سے احسان کا سلوک کرو (النسآء: ۳۶)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْناًیعنی اورہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیّت کی ہے(العنکبوت:۸)۔

خاص طور پر جب والدین ضعیف ہوجائیں تو ان کے حقوق کی ادائیگی پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: تیرے رب نے فیصلہ دیا ہے کہ اس کے سواء کسی کی عبادت نہ کر۔اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ان میں سے کوئی ایک یا دونوں اگر تیرے سامنے بوڑھے ہوجائیں تو انہیں اُف تک نہ کہواور نہ انہیں جھڑکواوران سے کریمانہ بات کرو۔اور ان پر اپنی رحمت کا سایہ کیے رکھواور دعا کرو کہ اے ہمارے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا ہے(ترجمہ بنی اسرائیل:۲۳۔۲۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر بھی تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر اگلے قرابت دار اور پھر اگلے قرابت دار(مسلم حدیث رقم:۶۵۰۰، بخاری حدیث رقم:۵۹۷۱،ابن ماجۃ حدیث رقم:۲۷۰۶)۔

ایک اورحدیث میں ہے کہ رب کی رضا باپ کی رضا میں ہےاور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے(ترمذی حدیث رقم:۱۸۹۹)۔

آج کل کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کسی شخص کی بیوی اور ماں یعنی(ساس بہو) کے درمیان جھگڑا رہتا ہوتو یہ شخص کیا کرے۔اسکا ایک حل تو یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی مجبوری کا احساس کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کا شوہر اپنی ماں کے قدموں سے دور ہوکر اپنی جنت ضائع کر بیٹھےاوراگر بہو بدخو ہے تو ساس ہی عفوودرگزر سے کام لےاوراپنے بیٹے کو درمیان میں نہ گھسیٹے۔

اسکا دوسرا حل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی اور ماں کے درمیان نہایت سمجھداری کا کردار ادا کرے۔ انکے جھگڑوں سے گھبرائے نہیں بلکہ یہ سوچے کہ ایسا شروع سے ہوتا چلا آیا ہے۔یہ ہر گھر کا مسئلہ ہے۔نہایت ٹھنڈے دل سے دونوں طرف کا معاملہ سلجھاتا رہے۔بوکھلا کرکوئی غلط قدم نہ اٹھائے۔

انتہائی حالات میں اگر مرد کو ماں اور بیوی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا پڑے تو یاد رکھیں کہ ماں کا حق سب سے زیادہ ہے۔ماں کی خدمت جہاد سے بہتر ہے۔

صحیح بخاری میں ایک باب موجود ہے جس کا نام ہے۔ لَا یُجَاھَدُ اِلَّا بِاِذْنِ الْوَالِدَیْن یعنی ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کیا جائے۔

اس باب میں حدیث ہے کہ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ اُجَاھِدُ قَالَ ءَ لَکَ اَبَوَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِیْھِمَا فَجَاھِدْ یعنی ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے شوقِ جہاد کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا انکی خدمت والا جہاد کر (بخاری حدیث رقم: ۵۹۷۲)۔

صحیح بخاری میں جلد نمبر ا صفحہ ۴۲۱ پر ایک باب الجھاد باذن الوالدین بھی موجود ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک نوجوان اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر جہاد کے لیے آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَارْجِعْ اِلَیْھِمَا فَاضْحِکْھُمَا کَمَا اَبْکَیْتَھُمَا یعنی واپس لوٹ جا۔ اپنے ماں باپ کو جس طرح رلا کر آئے ہو اسی طرح جا کر ہنساؤ (ابن ماجۃ حدیث: ۲۷۸۲)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے جبکہ ماں باپ کی خدمت فرضِ عین ہے (حاشیہ بخاری جلد ا صفحہ ۴۲۱)۔

ماں کی خاطر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے (مرقاۃ جلد اا صفحہ ۴۵۱)۔ ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دینا چاہیے (مسلم حدیث رقم: ۶۵۰۹)۔

ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا وہی تیری جنت ہیں اور وہی تیری دوزخ ہیں (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۶۶۲)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد: ان کی نمازِ جنازہ پڑھو، ان کے لیے استغفار پڑھو۔ جس کسی سے انہوں نے کوئی وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو۔ جس کے ساتھ انکے تعلقات اچھے تھے، تم بھی ان سے اچھے تعلقات رکھو۔ اور ان کے دوستوں کا احترام کرو (ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۴۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۶۶۴)۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر اسی طرح ہے جس طرح باپ کا حق ہوتا ہے (شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۷۹۲۹)۔

پڑوسیوں کے حقوق

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبریل (علیہ السلام) پڑوسی کے لیے اتنے احکام لے کر آئے کہ مجھے شک ہو گیا کہ کہیں پڑوسی کو وارث نہ بنا دیا جائے (مسلم حدیث رقم: ۶۶۸۵، ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۵۱، ترمذی حدیث رقم: ۱۹۴۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۶۷۳)۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب سالن بناؤ تو تھوڑا شوربہ زیادہ رکھو اور اس میں سے کچھ پڑوس میں بھی بھیج دو (مسلم حدیث رقم: ۶۶۸۸، ترمذی حدیث رقم: ۱۸۳۳، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۳۶۲، سنن الدارمی حدیث رقم: ۲۰۸۳)۔

پڑوسیوں کو کوئی اذیت اور دکھ نہ پہنچایا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے (مسلم حدیث: ۱۷۳، بخاری حدیث: ۶۰۱۸، ترمذی حدیث: ۲۵۰۰، ابن ماجۃ حدیث: ۳۹۷۱، مسند احمد حدیث: ۷۶۴۴)۔

مہمان نوازی

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا احترام کرے (مسلم حدیث رقم: ۱۷۳، بخاری حدیث رقم: ۶۰۱۸، ترمذی حدیث رقم: ۲۵۰۰، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۹۷۱، مسند احمد حدیث رقم: ۷۶۴۴)۔

پہلے دن مہمان کو پرتکلف کھانا کھلانا چاہیے بشرطیکہ میزبان اس کی طاقت رکھتا ہو۔ مہمان کے پیر تک دبانا مہمان نوازی میں شامل ہے۔ مہمان کو چاہیے کہ بے جا بوجھ نہ بنے۔ زیادہ عرصہ قیام نہ کرے اور اپنے بھائی کو گناہ گار نہ کرے (مسلم حدیث: ۴۵۱۴)۔

تمام مسلمانوں کے حقوق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں (الحجرات: ۱۰)۔

نیز فرمایا: لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ یعنی لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ کیا معلوم وہ ان سے بہتر ہوں (الحجرات: ۱۱)۔

نیز فرمایا: اِجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ یعنی بہت بدگمانی کرنے سے بچو۔ بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ تجسّس (عیب ڈھونڈنا) مت کرو۔ ایک دوسرے کا گلہ (غیبت) مت کرو۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاؤ؟ اس سے تو نفرت کرو گے (تو پھر غیبت بھی ایسے ہی ہے) (الحجرات:۱۲)۔

بدگمانی اور تجسّس ایسی عظیم معاشرتی برائیاں ہیں کہ اگر ان سے انسان بچ جائے تو حسنِ معاشرت کے اکثر پہلوؤں پر اسے دسترس مل جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: نبی کریم ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اے کعبہ! اللہ کی قسم جس نے تجھے عظیم شان اور حرمت بخشی ہے ایک بندۂ مومن کی شان تیری شان سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ اس کا مال اور خون بھی تجھ سے بڑھ کر ہے اور یہ کہ اس کے بارے میں حسنِ ظن رکھا جائے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۹۳۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (مسلم حدیث رقم: ۱۶۲، بخاری حدیث رقم: ۱۱، ترمذی حدیث رقم: ۲۵۰۴)۔

حسنِ ظن کا تعلق سوچ اور خیال سے ہے۔ بولنے کا تعلق زبان سے ہے اور مارنے کا تعلق ہاتھ سے ہے۔ خیال، زبان اور ہاتھ تینوں چیزوں کو مومن کے معاملے میں پابندِ سلاسل کر دیا گیا ہے۔

حاجت روائی، مشکل کُشائی اور پردہ پوشی

جو اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ اسکی حاجت روائی کرے گا۔ جس نے مسلمان کی مشکل کشائی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکی مشکل کشائی کرے گا۔ جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا (بخاری حدیث رقم: ۲۴۴۲، مسلم حدیث رقم: ۶۵۷۸، ابوداؤد حدیث رقم: ۴۸۹۳، ترمذی حدیث رقم: ۱۴۲۶)۔

ایک اور حدیث میں ہے: مومن ایک دوسرے کے لیے دیوار کی طرح ہیں جس کی

اینٹیں ایک دوسرے کو طاقت دیتی ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر یہ بات سمجھائی (بخاری حدیث رقم: ۴۸۱، ۶۰۲۶، مسلم حدیث رقم: ۶۵۸۵، ترمذی حدیث رقم: ۱۹۲۸، نسائی حدیث رقم: ۲۵۶۰)۔

نیز فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اور اسے حقیر نہیں سمجھتا۔ تقویٰ سینے میں چھپی ہوئی چیز کا نام ہے (نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا)۔ کسی آدمی کے شرارتی ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ تمام مسلمانوں پر مسلمانوں کا خون اور مال و متاع حرام ہے (مسلم حدیث: ۶۵۴۱، ابوداؤد حدیث: ۴۸۸۲، ترمذی حدیث: ۱۹۲۷، ابن ماجۃ حدیث: ۳۹۳۳، مسند احمد حدیث: ۱۶۰۲۵)۔

نیز فرمایا: اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (مسلم حدیث رقم: ۱۷۰، بخاری حدیث رقم: ۱۳، نسائی حدیث رقم: ۵۰۳۹، ترمذی حدیث رقم: ۲۵۱۵، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۶۶، سنن الدارمی حدیث رقم: ۲۷۴۲، مسند احمد حدیث رقم: ۱۳۶۳۶)۔

تمام انسانوں کے حقوق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ یعنی ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی (بنی اسرائیل: ۷۰)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ یعنی جو لوگوں پر رحم نہ کرے اللہ اس پر رحم نہیں کرتا (مسلم حدیث رقم: ۶۰۳۰، بخاری حدیث رقم: ۷۳۷۶، ترمذی حدیث رقم: ۱۹۲۲، مسند احمد حدیث رقم: ۱۹۱۹۴)۔

نیز فرمایا: اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ یعنی جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو۔ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا (ابوداؤد حدیث: ۴۹۴۱، ترمذی حدیث: ۱۹۲۴)۔

حقوق کی ادائیگی میں ترجیحات کا قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔ غیر مسلم پر مسلم کو، عام مسلمان پر رشتہ دار کو اور عام رشتہ دار پر قریبی رشتہ دار کو ترجیح دی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے ان کے مقام و مرتبے کے مطابق پیش آؤ (ابوداؤد حدیث

رقم: ۴۸۴۲)۔لہٰذاانسانی حقوق کے نام پر کھچڑی پکا کر بیٹھ جانا غلط ہے۔

تمام مخلوق کے حقوق

حدیث شریف میں چیونٹیوں کو جلا کر مارنے سے منع کیا گیا ہے(مسلم حدیث:۵۸۴۹، بخاری:۳۰۱۹،ابوداؤد:۵۲۳۶،نسائی:۴۳۵۸،ابن ماجہ حدیث:۳۲۲۵)۔ایک عورت نے بلی کو باندھے رکھااور وہ بھوکی پیاسی مرگئی۔اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کو عذاب دیا(مسلم:۵۸۵۲،بخاری:۳۴۸۲)۔ایک آدمی نے کنویں پر کھڑے پیاسے کتے کو کنویں میں سے پانی نکال کر پلایا۔اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا(مسلم حدیث:۵۸۵۹،بخاری حدیث:۲۳۶۳،ابوداؤد حدیث:۲۵۵۰)۔

چھپکلی، بچھواور سانپ وغیرہ موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے لیکن انہیں جلا کر، ڈبوکر اور ذلیل کر کے مارنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ ایک ہی ضرب سے انکا کام تمام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ گرگٹ کوایک ہی ضرب سے مارنے پر ستر نیکیاں ملیں گی (مسلم حدیث رقم: ۵۸۴۸،ابوداؤد حدیث رقم: ۵۲۶۴)۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کا حکم دیا ہے۔ جب تم (سزااور قصاص) میں کسی کو قتل کرو تو اسے اچھے طریقے سے قتل کرو(یعنی اسے ذلیل کر کے نہ مارو)۔اور جب جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور چھری خوب تیز کرلواور اسے راحت پہنچاؤ(مسلم حدیث:۵۰۵۵،ابوداؤد حدیث:۲۸۱۵،ترمذی حدیث:۱۴۰۹،نسائی حدیث:۴۴۱۱، ۴۴۱۲، ۴۴۱۳، ۴۴۱۴،ابن ماجہ حدیث:۳۱۷۰)۔

اس پر امام نووی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جانور کے سامنے چھری کو تیز نہ کرو۔جانور کو راحت پہنچاؤ۔ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلالو۔دودھ اور بچوں والے جانور ذبح کرنے سے بچو۔دودھ سارے کا سارا نہ نکالو بلکہ بچھڑے کے لیے بھی چھوڑ دو۔دودھ دوہنے سے پہلے اپنے ناخن کاٹ لو۔اور ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کرو(شرح الاربعین النوویہ صفحہ ۵۷۔۵۸)۔

اخلاقی اور معاشرتی ضابطے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان کا پہلا تعلق اپنے آپ سے ہے، دوسرا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے اور تیسرا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ان تعلقاتِ ثلاثہ کو درست رکھنے کے لیے فقیر راقم الحروف نے خود اپنے لیے ایک نصیحت نامہ تحریر کیا تھا جسے اہل اسلام کے فائدے کے لیے منظر عام پر لایا جارہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نصیحت نامہ

اے غلام رسول!

اللہ سے ڈر۔ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے۔ یہی سب سے بڑا کافر ہے۔ تو اس کافرِ اعظم کے خلاف جہادِ اکبر کا اعلان کر۔ ریا، تکبر، حسد، غصہ، جھوٹ، غیبت، لذت، خودنمائی، بخل اور لالچ اس کے اہم محاذ ہیں۔ دوبارہ گن لے یہ دس محاذ ہوئے۔ ان سب کو ایک ایک کر کے کچل دے۔

چھوٹے گناہوں اور چھوٹی نیکیوں کو حقیر سمجھ کر انکی طرف سے غافل مت ہونا۔ شیطان کے پاس اہلِ ایمان کے خلاف یہی ایک راستہ باقی ہے۔ زیادہ کھانا تمام جسمانی بیماریوں کی جڑ ہے اور اس سے ذہانت اور حافظہ دونوں برباد ہو جاتے ہیں اور شہوت زور پکڑ جاتی ہے۔

نفس کی مکاریوں کی کوئی حد نہیں اس کی اکثر مکاریوں کے خلاف ایک زبردست ڈھال خاموشی ہے۔ خبردار! تیری زبان تیرے دماغ سے آگے نہ نکلنے پائے۔ تیرے نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کیا میں تجھے تمام اعمال کا نچوڑ نہ بتادوں؟ انہوں نے عرض کیا، ضرور۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا! اسے قابو میں رکھ۔

اے غلام رسول!

حقوق العباد کا پورا خیال رکھ۔ تجھ پر سب سے زیادہ حق تیری ماں کا ہے اور پھر باپ کا۔ تیرے ماں باپ ہی تیری جنت ہیں اور وہی تیری دوزخ ہیں۔ اگر وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں تو ان کے لیے استغفار کر اور ان کی طرف سے صدقہ دے اور ان کی قبر کی زیارت کر۔ ان کے بعد بھائی، بہن، بیوی، اولاد، پڑوسی، تمام مسلمان، پھر سب انسان اور پھر تمام جاندار، ان سب کا درجہ

بدرجہ حق ادا کر۔ تیرے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔ اچھے دوستوں کی صحبت اختیار کر۔ جیسے تیرے دوست ہوں گے وہ تجھے ویسا ہی بنا دیں گے۔ تین دن سے زائد کسی بھائی سے ناراض نہ رہ اور اسے بلانے میں پہل کر۔

مریض کی عیادت کر۔ وہاں تیری ملاقات تیرے رب سے ہو جائے گی۔ مظلوم کی آہ سے ڈر۔ مظلوم کی آہ سیدھی عرش پر جاتی ہے۔ اور ظلم قیامت کے دن ظلمات ہوگا۔ یتیم پر رحم کر۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ سوالی کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ زیادہ نہیں تو ایک میٹھا بول ہی سہی۔ میٹھا بول بھی صدقہ ہے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کی حوصلہ افزائی کر۔ اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے۔ زمین کی طرح بچھ جا جس کے سینے پر ساری دنیا چلتی ہے۔ تو اس کھجور کی مانند ہو جا جسے لوگ پتھر مارتے ہیں مگر وہ کھجوریں پھینکتی ہے۔ رزقِ حلال کھا۔ حرام کی کمائی سے کھانے اور لباس پہننے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی خواہ وہ کعبہ میں چلا جائے۔ ہو سکے تو نیکی کا راستہ بتا اور برائی سے روک۔ مگر اس کیلئے علم، حلم اور زبردست صلاحیت کی ضرورت ہے اور ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوا کرتا۔ البتہ اپنے ماتحتوں کی اصلاح ضرور کر۔ انکے بارے میں تجھ سے پوچھا جائے گا۔ مومنوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے۔ خصوصاً اولیاء اور علماء بہت ہی زیادہ حسن ظن کے حقدار ہیں۔ انکے متعلق کبھی غلط نہ سوچنا۔ ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے نبی کریم ﷺ کی امت کے لیے یہ دعا کیا کر۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ

حقوق العباد کی ادائیگی کا خلاصہ خدمتِ خلق ہے۔ یاد رکھ! اللہ کریم کسی کتے، بلی اور مکھی کی خدمت کو بھی ضائع نہیں کرتا۔

اے غلام رسول!

تجھ پر اللہ کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ تو شرک نہ کرے۔ اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کر۔ نبی کریم ﷺ سے سچی محبت کر۔ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت نہیں اس کے

دل میں ایمان نہیں۔ وضو اچھی طرح کیا کر۔ نماز با جماعت پڑھا کر۔ روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کر خواہ تھوڑی سی ہو۔ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک ذکر، درود اور استغفار میں مشغول رہا کر۔ ان دونوں وقتوں میں اللہ کی رحمت اور فیضان کی برسات ہوتی ہے۔

اپنے حال اور ضرورت کا علم حاصل کر۔ پھر اس پر عمل بھی کر۔ اپنے حال کی حفاظت کر اور اس کے آداب کو ملحوظ رکھ۔ عمل وہی اچھا ہے جو دائمی ہو خواہ تھوڑا ہی سہی۔ قبروں کی زیارت کر۔ اس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی یاد آتی ہے۔ اہلِ قبور کو ایصالِ ثواب کر کے ان سے دعائیں لے۔ مصائب پر صبر کر۔ اللہ پر توکل اختیار کر۔ اسی کی رضا پر راضی رہ۔ اللہ سے اچھا گمان رکھ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہے۔ اللہ کی طرف سے کشائش کا منتظر رہ۔ یہ انتظار بہترین عبادت ہے۔ احکامِ خداوندی کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ مگر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تو ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ تیرے نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ مجھے مختصر ترین بات بتا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے''۔

اے غلام رسول!

اس ساری نصیحت کا خلاصہ سن لے۔

تیرا پہلا تعلق اپنے آپ سے ہے۔ اپنی ذات کی اصلاح کا مختصر ترین طریقہ خاموشی ہے۔ تیرا دوسرا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے۔ اس تعلق کو درست کرنے کا مختصر ترین طریقہ خدمتِ خلق ہے۔ تیرا تیسرا تعلق اللہ کی ذات سے ہے۔ اس تعلق کو درست رکھنے کا مختصر ترین طریقہ ذکرِ الٰہی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

بارھویں آیت:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً یعنی اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی۔ اور آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضلِ عظیم ہے (النسآء: ۱۱۳)۔

اس آیت میں **وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ** کا جملہ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے **وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** ہے۔ اور اسکے بعد **وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً** کے الفاظ ہیں۔ اس سیاقِ کلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مفسرین نے **وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ** کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اس سے مراد دین اور شریعت کے امور، خفیہ اور پوشیدہ اسرار اور دلوں کے بھید ہیں (خازن جلد ا صفحہ ۴۲۹، مدارک علیٰ ہامش الخازن جلد ا صفحہ ۴۲۹)۔

فضلِ عظیم کے الفاظ حضور ﷺ کے علم کی بے پناہ وسعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ **ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ** یعنی اے نبی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں (آلِ عمران: ۴۴)۔

دوسری جگہ فرمایا: **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ** یعنی یہ نبی غیب بتانے میں بُخل نہیں کرتا (التکویر: ۲۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷺ فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہم میں ایک جگہ پر کھڑے ہو گئے اور ہمیں دنیا کے آغاز سے لے کر جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جس نے اسے یاد رکھا سو یاد رکھا۔ اور جس نے بھلا دیا سو بھلا دیا (بخاری حدیث رقم: ۳۱۹۲، مسلم حدیث رقم: ۷۲۶۳، ابو داؤد حدیث رقم: ۴۲۴۰)۔

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو گئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہوں گے۔ پھر فرمایا جو آدمی کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اللہ کی قسم تم جس چیز کے

بارے میں بھی سوال کرو گے میں یہاں کھڑے کھڑے جواب دوں گا۔ حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ دعویٰ سن کر زاروقطار رونے لگے۔ ادھر حضور ﷺ یہی فرمائے جارہے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ ارشاد فرمایا جہنم میں۔ حضرت عبد اللہ نے پوچھا میرے باپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا ''حذافہ''۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا پوچھ لو۔ پوچھ لو۔ پھر حضرت عمر فاروق ﷺ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں، اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے (بخاری حدیث رقم: ۷۲۹۴، مسلم حدیث رقم: ۶۱۲۱)۔

حضرت ابوزید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ پھر ظہر پڑھ کر تقریر شروع کر دی حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا۔ عصر پڑھ کر پھر خطاب فرمایا حتیٰ کہ مغرب ہو گئی۔ بس ہمیں حضور ﷺ نے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ بتا دیا۔ آج ہم میں سب سے زیادہ علم اسی کے پاس ہے جس نے اس خطبے کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد رکھا (مسلم حدیث: ۷۲۶۷)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ آج قیامت تک کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی **مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ** یعنی اللہ اپنے منتخب رسولوں کے سوا کسی کو غیب پر ظاہر نہیں کرتا (آلِ عمران: ۱۷۹، خازن جلد ا صفحہ ۳۲۸)۔

اسکے علاوہ قیامت کی علامات، جنت، دوزخ، فرشتے وغیرہ کے بارے میں آپ ﷺ کی خبریں حد اور شمار سے باہر ہیں۔ آپ ﷺ کی غیب دانی اور غیبی اطلاعات واخبار پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے۔

جن دلائل سے غیب کی کلیت کی نفی موہوم ہوتی ہے وہ یا تو علمِ ذاتی پر محمول ہیں یا عدم التفات پر محمول ہیں یا قرآنی نزول کے ذریعے تعلیمی تدارج کی وجہ سے عدمِ تکمیل پر محمول ہیں اور اگر کہیں خاموشی اختیار فرمائی ہے تو خاموشی عدمِ علم کا ثبوت نہیں ہوتی۔

انجیل میں ہے کہ ”وہ تمہیں آئندہ کی خبر دے گا“ (یوحنا کی انجیل ۱۶: ۱۳)۔

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب ﷺ کو سب کچھ سکھا دیا۔ اب آپ ﷺ نے اپنی امت کو کیسے تعلیم دی؟ اس مناسبت سے اسلام کا تعلیمی ضابطہ ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام کا تعلیمی ضابطہ

(۱)۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ

اللہ کریم جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

وَتِلْکَ حُجَّتُنَا آتَیْنَاهَا إِبْرَاهِیمَ عَلیٰ قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ إِنَّ رَبَّکَ حَکِیمٌ عَلِیمٌ. وَوَهَبْنَا لَهٗ إِسْحَاقَ وَیَعْقُوبَ کُلًّا هَدَیْنَا وَنُوحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوُودَ وَسُلَیْمَانَ وَأَیُّوبَ وَیُوسُفَ وَمُوسیٰ وَهَارُونَ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِینَ. وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰ وَعِیسٰی وَإِلْیَاسَ کُلٌّ مِنَ الصَّالِحِینَ. وَإِسْمَاعِیلَ وَالْیَسَعَ وَیُونُسَ وَلُوطًا وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعَالَمِینَ. وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّیَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَیْنَاهُمْ وَهَدَیْنَاهُمْ إِلیٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِیمٍ. ذٰلِکَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِی بِهٖ مَنْ یَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ أَشْرَکُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا کَانُوا یَعْمَلُونَ. أُولٰئِکَ الَّذِینَ آتَیْنَاهُمُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ یَکْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَیْسُوا بِهَا بِکَافِرِینَ. أُولٰئِکَ الَّذِینَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِکْریٰ لِلْعٰلَمِینَ (الانعام: ۸۳ تا ۹۰)۔

ترجمہ: اور یہ ہماری قوی دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو ان کے مخالف لوگوں پر دی، ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب نہایت حکمت والا اور بہت علم والا ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے، سب کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب کو ہدایت عطا

فرمائی یہ سب صالحین میں سے ہیں۔اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی ہدایت عطا فرمائی اور ہم نے سب کو ان کے زمانے کے سارے جہان والوں پر فضیلت دی۔اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو سیدھے راستے کی ہدایت دی۔اور یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے راہ پر چلاتا ہے اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ نیک عمل کرتے تھے ان سے ضائع ہو جاتے ۔ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمتِ شریعت اور نبوت عطا کی پس اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر کریں تو بے شک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر کر دیا ہے جو ان سے انکار کرنے والے نہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ بھی ان کے طریقے پر چلیں ۔فرما دیجیے ! میں اس تبلیغِ دین پر تم سے کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے سب جہان والوں کے لیے۔

ان آیات میں جس کثرت سے انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی بیان ہوئے ہیں قرآن میں کسی دوسری جگہ بیان نہیں ہوئے۔تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات توحید اور اصولِ دین کے معاملے میں ہمیشہ ایک جیسی رہی ہیں،لہٰذا اللہ کریم نے انہی اصولوں کو جاری رکھنے کیلئے اپنے حبیب ﷺ کو ان سب کی اقتداء کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه یعنی اے محبوب آپ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے طریقے پر چلیں یعنی انکی اقتداء کریں۔ یہ اقتداء عقیدۂ توحید سے متعلق ہے،اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہ وحی بھیجی کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں (انبیاء:۲۵)۔

یہی عقیدۂ توحید ہے جو ہر زمانے میں قائم رہا، ہاں البتہ دین کے فروع اور شرعی احکام میں سے بعض کو قائم رکھا گیا اور بعض کو منسوخ کر دیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی اہلِ اسلام ایسی اسرائیلی روایات کو قبول کر لیتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ ۔

ترجمہ: مجھ سے ایک آیت بھی سنو تو آگے پہنچا دو،اور بنی اسرائیل سے روایت کر لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں (بخاری حدیث:۳۴۶۱)۔

(۲)۔ نبی کریم ﷺ کا فرضِ منصبی اور آپ کی تعلیمات

آپ ﷺ نے بلا امتیاز پوری امت کو علم سکھایا۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَكِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِیْنٍ(الجمعہ:۲)۔

ترجمہ: وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے عظمت والے رسول کو بھیجا جوان پراس کی آیات پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں اور بے شک وہ لوگ ایمان لانے سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: **وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ** (النحل:۴۴)۔

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں پر اس کی وضاحت کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور تا کہ یہ لوگ فکر سے کام لیں۔

تیسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** یعنی بے شک اللہ کے رسول کا عمل تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے(الاحزاب:۲۱)۔

ان تینوں آیات سے معلوم ہوا کہ حبیب کریم ﷺ نے اپنی امت کو(۱)۔قرآن سنایا، نگاہ سے تزکیہ فرمایا، کتاب کی تعلیم دی اور حکمت کی تعلیم دی۔(۲)۔جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس کا معنی اور مفہوم واضح کیا۔(۳)۔اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کر کے دکھایا۔

بہترین معلم کی حیثیت سے آپ ﷺ کی یہی ذمہ داری ہوسکتی تھی، حدیث شریف میں ہے کہ: **اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً** یعنی بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے(ابنِ ماجہ حدیث:۲۲۹، دارمی حدیث:۳۴۹)۔

نیز فرمایا: **مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْراً یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ ، وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِی** یعنی اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے، بے شک میں قاسم ہوں اور دینے والا اللہ ہے(بخاری حدیث:۷۱، مسلم حدیث:۲۳۸۹)۔

اپنے سیاق کے اعتبار سے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ علم تقسیم فرماتے ہیں ،اور شانِ ورود کے اعتبار سے اسکا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرماتے ہیں، اور لفظی وسعت اور عموم کے اعتبار سے اسکے مفہوم میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر چیز بانٹتے ہیں۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر صحابی نے براہ راست آپ ﷺ سے علم سیکھا۔ ہاں اگر کوئی صحابی موقع پر موجود نہ ہوتے تو ان سے پوچھ لیتے جو موقع پر موجود ہوتے تھے۔ یا صغار صحابہ نے بھی نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد کبار صحابہ سے علم سیکھا۔

(۳)۔ نبی کریم ﷺ کے علم کے امین کون کون؟

قرآن شریف کی بے شمار آیات اوران گنت احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ سے تمام صحابہ نے براہِ راست علم حاصل کیا ہے، چنانچہ چند آیات اور احادیث اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ مزید دیکھیے کہ حبیب کریم ﷺ کی تعلیمات کے امین کون کون ہیں؟

(۱)۔ عَنْ مَالِكِ بنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مُرْسَلًا، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ ، لَنْ تَضِلُّوا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا ،كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ (موطاامام مالک حدیث:۱۵۹۹،مستدرک حاکم حدیث:۳۲۱،۳۲۲)۔

ترجمہ: امام مالک بن انس نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک ان سے چمٹے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

(۲)۔ **اِقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ** یعنی میرے بعد ان دو کی پیروی کرنا ،ابوبکر اور عمر (ترمذی حدیث: ۳۶۶۲)۔

اس حدیث کے اگلے الفاظ یہ بھی ہیں کہ: عمار سے ہدایت حاصل کرو اور جو تمہیں ابنِ مسعود حدیث بیان کرے اسے سچ مانو (ترمذی حدیث:۳۷۹۹)۔

(۳)۔ فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِی فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَاِيَّاكُمْ

وَمُحۡدَثَاتِ الۡاُمُورِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحۡدَثَةٍ بِدۡعَةٌ ، وَكُلُّ بِدۡعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

ترجمہ: تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ جلد ہی بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت پر عمل کرو۔اس کے ساتھ چمٹے رہو اور اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ نئے نئے کاموں سے بچ کے رہنا۔ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے(مسند احمد حدیث:۱۷۱۴۹، ابوداؤد حدیث:۴۶۰۷، ترمذی حدیث:۲۶۷۶، ابن ماجہ حدیث:۴۲)۔ سَنَدُهٗ صَحِيۡحٌ۔

(۴)۔ اِنِّی تَرَكۡتُ فِيۡكُمۡ مَا اِنۡ اَخَذۡتُمۡ بِهٖ لَنۡ تَضِلُّوا ،كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتۡرَتِی اَهۡلَ بَيۡتِی

یعنی میں تم میں وہ کچھ چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہلِ بیت(ترمذی حدیث:۳۷۸۶)۔

(۵)۔ رَفَعَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ رَأۡسَهٗ إِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِيرًا مِمَّا يَرۡفَعُ رَأۡسَهٗ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: اَلنُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصۡحَابِی فَإِذَا ذَهَبۡتُ أَتَى أَصۡحَابِی مَا يُوعَدُونَ وَأَصۡحَابِی أَمَنَةٌ لِأُمَّتِی فَإِذَا ذَهَبَ أَصۡحَابِی أَتَى أُمَّتِی مَا يُوعَدُونَ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا، آپ ﷺ کثرت سے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔تو فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امان ہیں، جب ستاروں کا نکلنا بند ہو جائے گا تو پھر آسمان پر وہی آ جائے گا جس کا وعدہ کیا گیا یعنی قیامت۔اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں،تو جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ فتنے آئیں گے جن سے ڈرایا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں تو جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ فتنے آن پڑیں گے کہ جن سے ڈرایا جاتا ہے(مسلم حدیث:۶۴۶۶)۔

اس کی تائید میں یہ حدیث بھی پڑھ لیجیے! اَصۡحَابِی كَالنُّجُوۡمِ فَبِاَيِّهِمُ اقۡتَدَيۡتُمۡ اِهۡتَدَيۡتُمۡ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے(مشکوٰۃ حدیث:۶۰۱۸)۔

اسی بات کو ایک نئے رنگ میں سمجھایا گیا:عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَمۡرٍو ﷺ قَالَ: قَالَ

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِى كَمَا اَتىٰ عَلىٰ بَنِى اِسْرَائِيْلَ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتىٰ اُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِى اُمَّتِى مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِى اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِى عَلىٰ ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّامِلَّةً وَاحِدَةً ، قَالُوا مَنْ هِىَ يَارَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِى۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو﷜روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر وہی وقت آئے گا جس طرح بنی اسرائیل پر آیا تھا۔قدم بہ قدم حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی ایسا شخص تھا جو اپنی ماں کے پاس اعلانیہ گیا تھا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا جو اسی طرح کرے گا۔بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ان میں سے ہر ایک جہنمی ہوگا سوائے ایک ملت کے۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: جس طریقے پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں (ترمذی حدیث:۲۶۴۱)۔

ایک حدیث میں مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مختلف علوم وفنون پر مہارت کا نہایت خوبصورت تذکرہ موجود ہے۔فرمایا:اَرْحَمُ اُمَّتِىْ بِاُمَّتِىْ اَبُوْ بَكْرٍ ، وَ اَشَدُّهُمْ فِىْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ ، وَ اَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ ، وَ اَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ اُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ ، وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ ، وَ اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ، اَلَا وَ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْناً وَ اِنَّ اَمِيْنَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ۔

ترجمہ: میری امت میں سے اس پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہے،اللہ کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر ہے،سب سے زیادہ حیاء والا عثمان ہے،سب سے بڑا قاری ابی بن کعب ہے،سب سے زیادہ میراث کا ماہر زید بن ثابت ہے،حلال اور حرام کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل ہے،خبردار ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ ابن جراح ہے (ترمذی حدیث:۳۷۹۱،ابن ماجہ حدیث: ۱۵۴،۱۵۵)۔

اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل﷜ کو اَعْلَمُ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فرمایا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمَامَ الْعُلَمَآءِ یعنی معاذ بن جبل قیامت کے دن علماء کے آگے آگے آئیں گے (الاستیعاب صفحہ ۶۷۲،صواعق محرقہ صفحہ ۷۹)۔

(۶)۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِي عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو شاذ ہوا وہ آگ میں گرا دیا گیا (ترمذی حدیث: ۲۱۶۷) اَلْحَدِيثُ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث بھی ملاحظہ کریں: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اِنَّ اُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَاِذَا رَأَيْتُمُ الْاِخْتِلَافَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جاؤ (ابن ماجہ حدیث: ۳۹۵۰)۔

الحاصل نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد ہم میں قرآن، سنت، ابوبکر و عمر سمیت خلفاء راشدین، تمام اہلِ بیت، تمام صحابہ کرام کو چھوڑا ہے اور ہمیں امت کے سوادِ اعظم کا پابند کیا ہے۔ ہم ان میں سے کسی ایک سے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ قرآن کے سب سے پہلے جامع سیدنا ابوبکر صدیق ہیں اور احادیث کے سب بڑے راوی سیدنا ابوہریرہ ہیں رضی اللہ عنہما۔

(۴)۔ عظیم ترین شہرِ علم کے بے شمار دروازے

بے شمار دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ تمام اسلامی تعلیمات کو آگے پھیلانے کا حکم تمام صحابہ کرام کو اجتماعی طور پر اور بہت کو انفرادی طور پر مل چکا ہے۔ دلائل ملاحظہ کریں:

تمام صحابہ کرام کو علم پھیلانے کا اجتماعی حکم

(۱)۔ حضرت ابوسعید خدری ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ ، وَ اِنَّ رِجَالًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُونَ فِي

الدِّیْنِ ، فَاِذَا اَتَوکُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِم خَیْرًا یعنی بے شک لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔لوگ تمہارے پاس زمین کے کونے کونے سے دین کی فقہ حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں اچھی تربیت دینا (ترمذی حدیث:۲۶۵۰،ابن ماجہ حدیث:۲۴۹)۔

(۲)۔ عَنِ بْنِ مَسعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَیرُ فَقِیهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلیٰ مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ، ثَلٰثٌ لَا یُغِلُّ عَلَیهِنَّ قَلبُ مُسْلِمٍ ، اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِیحَةُ لِلْمُسْلِمِینَ وَلَزُومُ جَمَاعَتِهِمْ ، فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِیطُ مِن وَرَآءِ هِمْ۔

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ آباد رکھے اس شخص کو جس نے میری بات کو سنا اور اسے یاد رکھا اور آگے پہنچادیا۔ کتنے ہی علمی نکات رٹنے والے ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان نکات کی خود کوئی سمجھ نہیں ہوتی اور کتنے ہی علمی نکات جاننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ بیان کرتے ہیں تو اگلا ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ اللہ کی خاطر مخلصانہ عمل، مسلمانوں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی اکثریت کا ساتھ دینا۔ بس بے شک انکی دعوت (کی برکت) ان کی پشت پناہی کرتی ہے (مسند احمد حدیث: ۲۱۶۴۵، ترمذی حدیث: ۲۶۵۶، ۲۶۵۷، ۲۶۵۸، ابوداؤد حدیث: ۳۶۶۰، ابن ماجہ حدیث: ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، سنن الدارمی حدیث: ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶)۔

(۳)۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: تَسْمَعُوْنَ وَیُسْمَعُ مِنكُمْ ، وَ یُسْمَعُ مِمَّن یَّسْمَعُ مِنكُمْ ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ سے سنتے ہو اور لوگ تم سے سنیں گے، اور جنہوں نے تم سے سنا ہے بعد والے لوگ ان سے سنیں گے (مسند احمد حدیث: ۲۹۵۱، ابوداؤد حدیث: ۳۶۵۹، ابن حبان حدیث: ۶۲)۔

(۴)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَةً ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ سے ایک آیت بھی سنو تو آگے پہنچادو (بخاری حدیث: ۳۴۶۱)۔

(۵)۔ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسىٰ أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعىٰ لَهُ مِنْهُ یعنی آج جولوگ حاضر ہیں وہ ان کو بتادیں جو موجود نہیں ہیں، ہوسکتا ہے جو آج موجود نہیں وہ زیادہ یاد رکھنے والا ہو(بخاری حدیث:۶۷،مسلم حدیث:۴۳۸۳)۔

(۶)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا یعنی (اللہ کے بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ)اے ہمارے رب ہمیں متقین کا امام بنادے(الفرقان:۷۴)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نسل اپنے بعد والی نسل کے لیے امام اور مقتداء ہے۔
چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: نَقْتَدِیُ بِالْمُتَّقِيْنَ وَ يَقْتَدِيُ بِنَا الْمُتَّقُوْنَ یعنی ہم متقین کی اقتداء کرتے ہیں اور بعد والے متقین ہماری اقتداء کریں گے(تفسیر بغوی جلد۳ صفحہ۳۴۸)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نَقْتَدِيُ بِمَنْ قَبْلَنَا وَ يَقْتَدِيُ بِنَا مَنْ بَعْدَنَا یعنی ہم اپنے سے پہلے والوں کی اقتداء کرتے ہیں اور جو لوگ ہمارے بعد ہیں وہ ہماری اقتداء کرتے ہیں۔

جن صحابہ کرام کو علمی خدمات کے لیے نامزد بھی کیا گیا

(۱)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار آدمیوں سے قرآن سیکھو، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم رضی اللہ عنہم (بخاری حدیث:۳۷۵۸،مسلم حدیث:۶۳۳۴)۔

(۲)۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لیے قرآن کی جو تفسیر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کردیں میں اس پر راضی ہوں(مستدرک حاکم حدیث:۵۴۷۴)۔

(۳)۔ جو حدیث تمہیں عبداللہ ابن مسعود بتائے اسے سچ سمجھو وَمَا حَدَّثَكُمْ اِبْنُ اُمِّ عَبْدٍ فَصَدِّقُوْهُ (ترمذی حدیث: ۳۷۹۹،مستدرک حاکم حدیث:۴۵۰۹)۔

(۴)۔ قرآن مجید کو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چار صحابہ نے جمع کیا: حضرت ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم (بخاری حدیث:۳۸۱۰،۵۰۰۳،۵۰۰۴،مسلم حدیث:۶۳۴۰،ترمذی حدیث:۳۷۹۴)۔

(۵)۔ بعد میں قرآن حکیم کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک صحیفے میں جمع کرایا اور یہ سارا کام

حضرت زید کے ہاتھوں سے ہوا(بخاری حدیث:۴۹۸۶)۔

(۶)۔ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اِنَّ اَعْظَمَ النَّاسِ اَجْراً فِی الْمَصَاحِفِ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ كَانَ اَوَّلَ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ بَيْنَ اللَّوْحَيْن یعنی بے شک تمام لوگوں میں مصاحف کے معاملے میں سب سے زیادہ اجر پانے والے ابوبکر صدیق ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قرآن کو دو لوحوں کے درمیان جمع کیا(فضائل الصحابہ حدیث:۵۱۳،۵۱۴،۲۸۰)اسنادہ حسن۔

(۷)۔ پھر اسکے بعد سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک قرأت پر جمع فرمایا۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب کچھ لوگوں کو قرأت میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت عثمان سے عرض کیا اے امیر المومنین: اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ يَّخْتَلِفُوْا فِی الْكِتَابِ یعنی اے امیر المومنین اس امت کی مدد کو پہنچیں اس سے پہلے کہ یہ کتاب میں اختلاف کریں(بخاری حدیث:۴۹۸۷)۔

(۸)۔ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمَذِی وَ قَالَ التِّرْمَذِی غَرِيْبٌ مُنْكَرٌ

ترجمہ: میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے(ترمذی حدیث:۳۷۲۳)۔

اسی طرح کی ایک مفصل حدیث اس طرح ہے: اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَاَبُو بَكْرٍ اَسَاسُهَا وَعُمَرُ حِيْطَانُهَا وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا وَعَلِیٌّ بَابُهَا ۔

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکر اس کی بنیاد ہے اور عمر اس کی چاردیواری ہے اور عثمان اس کی چھت ہے اور علی اس کا دروازہ ہے(مسند فردوس حدیث:۱۰۵،صواعق محرقہ صفحہ ۳۴)۔

ان دونوں حدیثوں کی سند کیسی بھی ہو،اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں اللہ کے پیارے علم کے عظیم دروازے ہیں اور ان سب سے کثرت کے ساتھ علم کا منقول ہونا اس کا واضح ثبوت ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور مزید آگے بیان ہو رہی ہے۔کسی صحابی کا نام لے کر انکی کوئی شان بیان کرنے سے دوسروں کی شان کی نفی نہیں ہوتی ۔ مثلاً حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امین الامت ہیں(بخاری حدیث:۳۷۴۵،مسلم حدیث:۶۲۵۴)۔اس سے دوسرے صحابہ کے امین ہونے کی نفی مراد نہیں ۔اسی طرح سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اسد اللہ یعنی شیر خدا ہیں (مستدرک حاکم حدیث:۴۹۶۱)۔مگر اس سے دوسرے صحابہ کے شیرِ خدا ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ مزید اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔

(۹)۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حافظہ عطا فرمایا (بخاری حدیث: ۱۱۸، ۱۱۹، ۲۰۴۷، ۲۳۵۰)۔ اور اسی لیے وہ سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ النَّاسُ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَلَقِيتُ رَجُلًا فَقُلْتُ بِمَا قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْبَارِحَةَ فِي الْعَتَمَةِ فَقَالَ لَا أَدْرِي فَقُلْتُ لَمْ تَشْهَدْهَا قَالَ بَلَى قُلْتُ لَكِنْ أَنَا أَدْرِي قَرَأَ سُورَةَ كَذَا وَكَذَا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: لوگ کہتے ہیں ابو ہریرہ کثرت سے احادیث بیان کرتا ہے، ایک آدمی سے میری ملاقات ہوئی، میں نے اس سے پوچھا گزشتہ رات عشاء کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے کہاں سے قرآن شریف پڑھا تھا؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں، میں نے کہا کیا تم نماز میں موجود نہیں تھے؟ اس نے کہا کیوں نہیں؟ میں نے کہا مجھے یاد ہے آپ ﷺ نے فلاں فلاں سورۃ پڑھی تھی (بخاری حدیث: ۱۲۲۳)۔

(۱۰)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے وفات کے وقت کہا گیا ہمیں وصیت فرمائیں، فرمایا: چار آدمیوں کے پاس علم تلاش کرنا: ابو درداء، سلمان فارسی، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن سلام (ترمذی حدیث: ۳۸۰۴)۔

اجتہاد کے لیے قرآن سنت اور ابوبکر وعمر بنیاد ہیں

عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ ، قَالَ كَيْفَ تَقْضِي اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَآءٌ؟ قَالَ اَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ ، قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ، قَالَ اَجْتَهِدُ رَأْيِىْ وَلَا اٰلُو قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى صَدْرِهٖ وَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ گے تو پھر؟ عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے۔

فرمایا: اگر رسول اللہ کی سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا (ترمذی حدیث: ۱۳۲۷، ابوداؤد حدیث: ۳۵۹۲، سنن الدارمی حدیث: ۱۷۰)۔

راوی فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے نمائندے کو ایسی بات کی توفیق بخشی جو رسول کو پسند ہے۔

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بُرَيْدَةَ ﷺ قَالَ : كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِذَا سُئِلَ عَنْ شَيءٍ فَكَانَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ بِهٖ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَ كَانَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ شَيءٌ قَالَ بِهٖ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ شَيءٌ قَالَ بِمَا قَالَ بِهٖ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِأَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ فِيْهِ شَيءٌ قَالَ بِرَأْيِهٖ۔ صحیح وافقہ الذہبی

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن ابی بریدہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر وہ اللہ کی کتاب میں ہوتا تو آپ کتاب اللہ سے اس کا جواب دیتے اور اگر کتاب اللہ میں موجود نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہوتا تو آپ اسی سے اسکا جواب دیتے اور اگر رسول اللہ ﷺ سے اسکا جواب منقول نہ ہوتا تو آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے جواب دیتے۔ اگر حضرت ابوبکر و عمر کی طرف سے اس مسئلہ کے بارے میں کوئی قول نہ ہوتا تو آپ اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرتے (مستدرک حاکم حدیث: ۴۴۶)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس کی طالب علمی کی عظیم داستان

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَأْتِي بَابَ الْأَنْصَارِ لِطَلَبِ الْحَدِيْثِ فَيَقْعُدُ عَلَى الْبَابِ حَتّٰى يَخْرُجَ وَلَا يَسْتَأْذِنُ ، فَيَخْرُجُ الرَّجُلُ وَيَقُولُ: يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ لَوْ أَخْبَرْتَنِي ، فَيَقُولُ: هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَطْلُبَ الْعِلْمَ ، وَإِذَا وَقَفَ فَلَا يَنْظُرُ مِنْ شِقِّ الْبَابِ إِذَا كَانَ الْبَابُ مَرْدُوداً۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس ﷺ انصار کے دروازوں پر حدیث سیکھنے آتے تھے اور دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آپ خود دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے جب تک صاحبِ خانہ خود گھر سے نہ نکلتا۔ جب صاحبِ خانہ باہر نکلتا تو کہتا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، آپ نے مجھے

اطلاع دے دی ہوتی، وہ فرماتے ہمیں اسی طرح علم سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب آپ دروازے کے باہر کھڑے رہتے تو اگر دروازہ بند ہوتا تو دروازے کے سوراخ میں سے اندر نہیں دیکھتے تھے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۸۶)۔

اسی طرح کی ایک حدیث دارمی میں بھی موجود ہے۔اس میں اضافی الفاظ یہ بھی موجود ہیں کہ سیدنا ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ان کے دروازے پر چادر بچھا کر لیٹ جاتا تھا اور میرے منہ پر مٹی پڑتی رہتی تھی (دارمی حدیث: ۵۷۴)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صغار صحابہ میں سے ہیں۔آپ تیرہ برس کے تھے جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا (الاستیعاب صفحہ ۴۶۵)۔

صحاح ستہ میں سے ہر ایک کتاب میں موجود ہے کہ سیدنا ابن عباس ﷺ ایک حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شَهِدَ عِنْدِی رِجَالٌ مَرْضِیُّونَ وَأَرْضَاهُمْ (اَحَبُّهُمْ كَمَا فِیْ مُسْلِمْ) عِنْدِی عُمَرُ یعنی مجھے پسندیدہ مردانِ خدا نے حدیث بیان کی ہے، اوران میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب عمر ہے (بخاری حدیث: ۵۸۱، مسلم حدیث: ۱۹۲۱، ترمذی حدیث: ۱۸۳، ابوداؤد حدیث: ۱۲۷۶، نسائی حدیث: ۵۶۱، ابن ماجہ حدیث: ۱۲۵۰)۔

سیدنا ابن عباس ﷺ کے سب سے بڑے استاد سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ ہیں۔سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ نے ان سے فرمایا:

مَا ظَنَنْتَ اَنَّ عِنْدِیْ مِنْ عِلْمٍ فَاسْأَلْنِی یعنی جس چیز کے بارے میں تم سمجھو کہ میرے پاس علم ہے تو مجھ سے پوچھ لو (بخاری حدیث: ۴۹۱۳)۔

حضرت فاروقِ اعظم ﷺ فرماتے تھے کہ: ذَاكُمْ فَتَى الْكُهُوْلِ ، لَهُ لِسَانٌ سَؤُوْلٌ وَ قَلْبٌ عَقُوْلٌ یعنی یہ بوڑھوں جیسا جوان ہے، جس کی زبان سوال کرنے والی ہے اوردل سمجھ رکھنے والا ہے (مصنف عبدالرزاق حدیث: ۲۰۴۲۸)۔

سیدنا ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں: وَجَدْتُ عَامَّةَ عِلْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ هٰذَا

الْحَيِّ مِنَ الْاَنْصَارِ یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کا علم کثرت سے انصار سے حاصل کیا۔

نیز فرماتے ہیں:اِنْ كُنْتُ لَاَسْئَلُ عَنِ الْاَمْرِ الْوَاحِدِ ثَلاثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ یعنی میں ایک ایک مسئلے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے تیس تیس صحابہ کرام سے پوچھا کرتا تھا (سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۱۰۸۵)۔ وقال اسنادہ صحیح۔

آپ ﷺ نے نبی کریم ﷺ سے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۲)۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت نے تمام صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بلا تفریق علم حاصل کیا ہے اور سب کو اپنا مقتداء و پیشواء مانا ہے۔

صحابیات میں سب سے بڑی عالمہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس امت کی خواتین میں سب سے بڑی عالمہ ہیں اور خواتین کے سب سے زیادہ مسائل آپ نے ہی بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے بائیس سو دس (۲۲۱۰) احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب محمد ﷺ پر جب بھی کسی حدیث کے بارے میں کوئی مشکل پیش آتی تو ہم عائشہ سے پوچھتے تھے۔ اس کا حل ہمیشہ عائشہ کے پاس مل جاتا تھا مَا اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْماً (ترمذی حدیث: ۳۸۸۳)۔

☆......☆......☆

تدریس کا شرعی ضابطہ

(ا)۔مدرسے کا معیار

استاد کا کامل ہونا اور صحیح العقیدہ ہونا

عَنِ ابْنِ سِیرِینَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِینَکُمْ [مسلم حدیث :٢٦، سنن الدارمی حدیث :٤٢٣، ٤٢٨]۔ وَ رَوَی الدَّیْلِمِی مِثْلَهٗ عَنِ ابنِ عُمر رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعاً

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بے شک یہ علم دین ہے، خوب غور کرلیا کرو تم اپنا دین کس سے حاصل کررہے ہو؟

عَنِ الْأَحْنَفِ قَالَ قَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا [بخاری کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم والحکمة ترجمة الباب ، سنن الدارمی: ٢٥٦]۔

ترجمہ: حضرت احنف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دین کی سمجھ حاصل کرو، اس سے پہلے کہ تمہیں لیڈر بنادیا جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **یَهْدِمُ الْإِسْلَامَ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْکِتَابِ وَحُکْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّیْنَ** ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اسلام کو تین چیزیں منہدم کردیتی ہیں۔ عالم کا پھسل جانا اور منافق کا قرآن پڑھ کر بحث کرنا اور گمراہ حکمرانوں کی حکومت (سنن الدارمی حدیث: ۲۲۰)۔

نصاب کا کامل ہونا

اسلام کا بنیادی اور اولین نصاب قرآن ہے۔ پھر قرآن کا وہ عملی نمونہ جن کے مقدس کردار کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا اور جن کا اخلاق سراپا قرآن تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ باقی تمام علوم انہی کے ماتحت اور انہی کے خادم ہیں۔ علمائے کرام اپنے زمانے کے حالات کے تقاضوں کے مطابق

نصاب مرتب کر سکتے ہیں۔

شاگردوں میں حصولِ علم کا شوق اور علم کے فضائل

(۱)۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ وَاضِعُ الْعِلْمِ عِندَ غَیرِ اَھْلِہٖ کَمُقَلِّدِ الْخَنَازِیْرِ الْجَوَاھِرَ وَاللُّؤْلُوءَ وَالذَّھَبَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور نااہل کے سامنے علم کی بات رکھنے والا ایسے ہے جیسے خنزیر کے گلے میں ہیرے، موتی اور سونا پہنانے والا (ابن ماجہ حدیث: ۲۲۴)۔ اَلْحَدِیْثُ صَحِیْحٌ اِلٰی قَوْلِہٖ ﷺ کُلِّ مُسْلِمٍ۔

(۲)۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : اُغْدُ عَالِماً اَوْ مُتَعَلِّماً اَوْ مُسْتَمِعاً اَوْ مُحِبًّا وَلَا تَکُنِ الْخَامِسَۃَ فَتَھْلِکَ۔

ترجمہ: عالم بن جا، یا طالب علم بن جا، یا علم کی باتیں سننے والا بن جا، یا علم والوں سے محبت کرنیوالا بن جا، پانچویں چیز نہ بننا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۵۱۷۱)۔

(۳)۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَیْنِ فِیْ مَسْجِدِہٖ فَقَالَ کِلَاھُمَا عَلٰی خَیْرٍ وَأَحَدُھُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِہٖ أَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَدْعُوْنَ اللّٰہَ وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ فَاِنْ شَاءَ أَعْطَاھُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَھُمْ وَاَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْہَ وَالْعِلْمَ وَیُعَلِّمُوْنَ الْجَاھِلَ فَھُمْ أَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فِیْھِمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا یہ دونوں اچھا کام کر رہے ہیں، ان میں سے ایک محفل دوسری محفل سے اچھی ہے، ایک محفل والے اللہ سے دعائیں مانگ رہے ہیں اور اسکی طرف رغبت رکھتے ہیں مگر اللہ کی مرضی ہو تو انہیں عطاء کر دے اور اسکی مرضی ہو تو عطاء نہ کرے، جبکہ دوسری محفل والے فقہ اور علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو سکھا رہے ہیں، اس محفل والے افضل ہیں، میں معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں، پھر آپ ﷺ اس محفل والوں کے پاس بیٹھ گئے (ابن ماجہ حدیث: ۲۲۹، سنن الدارمی حدیث: ۳۴۹)۔

فی إسناده ضعيفان: عبد الرحمن بن زياد وعبد الرحمن بن رافع۔

(۴)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اِحْيَائِهَا یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رات کو ایک گھڑی پڑھنا پڑھانا ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے (دارمی، مشکوٰۃ حدیث: ۲۵۶)۔

(۵)۔ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ اَوِ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَلٰى خُلَفَائِي رَحْمَةُ اللّٰهِ، قِيْلَ مَنْ خُلَفَائُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: اَلَّذِيْنَ يُحْيُوْنَ سُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا عِبَادَ اللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علی یا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے خلفاء پر اللہ کی رحمت ہو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اسے لوگوں کو سکھاتے ہیں (ابن عبد البر فی العلم: ۲۲۰)۔

(۶)۔ عَنِ الشَّعْبِي: صَلّٰى زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقُرِبَتْ اِلَيْهِ بَغْلَتُهُ لِيَرْكَبَهَا فَجَاءَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاَخَذَ بِرِكَابِهٖ، فَقَالَ زَيْدٌ: خَلِّ عَنْهُ يَابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِالْعُلَمَاءِ وَ الْكُبَرَاءِ، فَقَبَّلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَدَهُ وَ قَالَ: هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِاَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا ﷺ۔

ترجمہ: امام شعبی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کسی کی نمازِ جنازہ پڑھی، اسکے بعد ان کا خچر ان کے قریب لایا گیا تا کہ اس پر سوار ہوں، اتنے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان کی رکاب پکڑ لی، حضرت زید نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے! رکاب چھوڑ دیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہمیں اسی طرح علماء اور بزرگوں کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید بن ثابت نے فرمایا: ہمیں اسی طرح اپنے نبی ﷺ کے اہلِ بیت کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے (طبرانی حدیث: ۴۷۴۶، مستدرک حاکم حدیث: ۵۸۸۱، ۵۸۸۵، احیاء العلوم صفحہ ۶۷]۔

(۷)۔ وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِي الدَّرْدَآءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَآءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَآءِ اِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ ﷺ لِحَدِيثٍ

بَلَغَنِی اَنَّکَ تُحَدِّثُہٗ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ مَا جِئْتُ لِحَاجَۃٍ ، قَالَ فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ یَقُولُ مَنْ سَلَکَ طَرِیقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْماً اَسْلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیقًا مِن طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضاً لِطَالِبِ الْعِلْمِ ، وَاِنَّ الْعَالِمَ یَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانِ فِی جَوفِ الْمَآءِ ، وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ ، وَاِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ لَمْ یُوَرِّثُوا دِینَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

ترجمہ: حضرت کثیر ابنِ قیس فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ان کے پاس ایک آدمی آیا۔کہنے لگا اے ابودرداء میں آپ کے پاس مدینۃ الرسول ﷺ سے ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں۔میں نے سنا ہے آپ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔میں کسی اور کام سے نہیں آیا۔انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جس نے علم حاصل کرنے کے لیے سفر کیا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا۔اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔اور بے شک آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اور پانی کے اندر مچھلیاں عالم کے لیے استغفار کرتی ہیں۔اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔اور بے شک علماء، انبیاء کے وارث ہیں وہ دینار اور درہم کے وارث نہیں ہوتے بلکہ علم کے وارث ہوتے ہیں۔جس نے اسے حاصل کر لیا اسے وافر حصہ نصیب ہوا (ترمذی حدیث: ۲۶۸۲، ابوداؤد حدیث: ۳۶۴۱، ابن ماجۃ حدیث: ۲۲۳، مسند احمد حدیث: ۲۱۷۷۳، سنن الدارمی حدیث: ۳۴۷)۔

(۲)۔داخلہ کی شرائط

خلوصِ نیت

عَنْ کَعْبِ بنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ طَلَبَ العِلمَ لِیُجَارِیَ بِہِ الْعُلَمَآءَ اَوْلِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَھَآءَ اَوْیَصرِفَ بِہٖ وُجُوہَ النَّاسِ اِلَیْہِ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علم اسلیے حاصل کیا کہ علماء کو اپنے پاس بٹھائے یا بے وقوفوں سے بحث کرے، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا (ترمذی حدیث: ۲۶۵۴)۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ أَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی رضا کی علاوہ کسی اور مقصد کے لیے علم حاصل کیا یا کسی اور مقصد کا ارادہ کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (ترمذی حدیث: ۲۶۵۵)۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ ، فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَّفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُقَالَ جَرِیٌٔ فَقَد قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَءَ الْقُرْآنَ ، فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَّفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلتَ فِيهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرآنَ ، قَالَ كَذَبتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِيْلَ ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِی النَّارِ ، وَ رَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ ، فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَّفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ اَنْ يُنْفَقَ فِيهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِی النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: تمام لوگوں سے پہلے جس شخص کے بارے میں فیصلہ دیا جائے گا وہ ایک شہید ہونے والا آدمی ہوگا۔ اسے لایا جائے گا۔ اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ اعتراف کرے گا۔ فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید کر دیا گیا۔ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ تم اسلیئے لڑے تھے کہ تمہیں بہادر کہا جائے اور وہ کہا گیا۔ پھر اسکے بارے میں

حکم دیا جائے گا۔اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔حتیٰ کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔اور ایک آدمی جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا۔اسے لایا جائے گا اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔وہ اعتراف کرے گا۔فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا۔وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری خاطر قرآن پڑھا۔فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا ہے۔بلکہ تم نے علم اسلیے حاصل کیا کہ تمہیں عالم کہا جائے اور تم نے قرآن پڑھا تا کہ تمہیں قاری کہا جائے اور وہ کہا گیا۔پھر اسکے بارے میں حکم دیا جائے گا۔اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتیٰ کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا اور ایک آدمی جسے اللہ نے وسعت دی تھی اور اسے ہر طرح کی دولت سے نوازا تھا۔اسے لایا جائے گا۔اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔وہ اعتراف کرے گا۔فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا۔وہ کہے گا میں نے کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہو اور میں نے اس میں تیری خاطر خرچ نہ کیا ہو۔فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا۔بلکہ تم نے اسلیے خرچ کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے اور وہ کہا گیا۔پھر اسکے بارے میں حکم دیا جائے گا۔اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا پھر آگ میں ڈال دیا جائے گا

(مسلم حدیث: ۴۹۲۳،نسائی حدیث: ۳۱۳۷)۔

علم حاصل کرنے کے لیے عمر کی قید نہیں

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے مثلاً سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دس سال، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نو یا دس سال، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ سال، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اڑتیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دس سال کے تھے اور علم سیکھنا شروع کیا۔ان تمام اللہ کے پیاروں نے مختلف عمروں میں اور مختلف حالات میں علم حاصل کیا۔

علم حاصل کرنے کے لیے ملک اور شہر کی پابندی نہیں

اللہ کریم جل شانہ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

ترجمہ: اور یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سارے کے سارے مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں، تو ایسا

کیوں نہ ہوا کہ ان میں سے ہر طبقے سے کچھ لوگ نکل پڑتے، تاکہ دین کی فقہ حاصل کرتے اور جب واپس آتے تو اپنی قوم کو اللہ کا خوف دلاتے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے رہیں (توبہ:۱۲۲)۔

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنَ (اخرجہ ابن عدی: ۹۶۳، والبیہقی فی المدخل: ۳۲۴، والشعب: ۱۶۶۳)۔ وقال البيهقي في شعب الايمان: الحديث شبه مشهور و اسناده ضعيف، وقد روى من اوجه كلها ضعيفة۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو، خواہ چین میں ہو۔

(۳)۔ طالب علم کے فرائض

استاد کا ادب

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِنَّ مِنْ حَقِّ الْعَالِمِ اَنْ لَا تُكْثِرَ عَلَيْهِ السُّوَالَ وَلَا تُعْنِتَهُ فِي الْجَوَابِ ، وَاَنْ لَا تُلِحَّ عَلَيْهِ اِذَا اَعْرَضَ ، وَلَا تَأْخُذَ بِثَوبِهٖ اِذَا كَسَلَ ، وَلَا تُشِيْرَ اِلَيْهِ بِيَدِكَ ، وَاَنْ لَا تَغْمِزَهٗ بِعَيْنَيْكَ ، وَاَنْ لَّا تَسْئَلَ فِي مَجْلِسِهٖ ، وَاَن لَّا تَطْلُبَ زَلَّتَهٗ ، وَاِنْ زَلَّ تَأْنِيْتَ اَوْبَتَهٗ وَقَبِلْتَ فَيْئَتَهٗ ، وَاَن لَّا تَقُولَ قَالَ فُلَانٌ خِلَافَ قَوْلِكَ وَاَنْ لَّا تُفْشِيَ لَهٗ سِرًّا ، وَاَن لَّا تَغْتَابَ عِنْدَهٗ اَحَداً ، وَاَنْ تَحْفَظَهٗ شَاهِداً وَغَائِباً ، وَاَنْ تَعُمَّ الْقَوْمَ بِالسَّلَامِ وَاَنْ تَخُصَّهٗ بِالتَّحِيَّةِ ، وَاَنْ تَجْلِسَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ سَبَقْتَ الْقَومَ اِلٰى خِدْمَتِهٖ ، وَاَنْ لَّا تَمَلَّ مِنْ طُولِ صُحْبَتِهٖ ، اِنَّمَا هُوَ كَالنَّخْلَةِ تُنْتَظَرُ مَتٰى يَسْقُطُ عَلَيْكَ مِنْهَا مَنْفِعَةٌ ، وَاِنَّ الْعَالِمَ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ، فَاِذَا مَاتَ الْعَالِمُ اِنْثَلَمَتْ فِي الْاِسْلَامِ ثَلْمَةٌ لَا تُسَدُّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَطَالِبُ الْعِلْمِ يُشَيِّعُهٗ سَبْعُونَ اَلْفاً مِنْ مُقَرَّبِي السَّمَاءِ۔

ترجمہ: عالم کا ادب اس طرح کرو کہ اس پر زیادہ سوال نہ کرو اور اسے مت تھکاؤ، جب اس کی طبیعت مائل نہ ہو تو اس کے پاس مت بیٹھو، جب وہ تھک جائے تو اس کا کپڑا مت کھینچو، اپنے ہاتھ

کے ساتھ اس کی طرف اشارہ مت کرو، اپنی آنکھوں سے اس کے ساتھ باتیں مت کرو، اس کے خطاب کے دوران اس پر سوال نہ کرو، اس کی غلطیاں تلاش مت کرو، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس سے فوری درگزر کرو، اسے یہ مت کہو کہ فلاں آپ کے قول کے خلاف کہتا ہے، اس کا کوئی راز فاش نہ کرو، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کا تحفظ اور دفاع کرو، دوسرے لوگوں کو الگ سلام کہو اور اسے خصوصی سلام کہو، اسکے سامنے بیٹھو اور اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو سب لوگ اسکی خدمت کیلئے بھاگ پڑیں، اس کی صحبت میں زیادہ دیر بیٹھنے سے مت اکتاؤ اسلیے کہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے خدا جانے کب اس سے پھل گرے، عالم روزہ دار مجاہد کی طرح ہے، جب عالم فوت ہو جاتا ہے تو اسلام میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے جو قیامت تک بھر نہیں سکتا، ستر ہزار مقرب فرشتے طالبِ علم کے نام کو شہرت دیتے ہیں (کنز العمال حدیث:۲۹۵۰۶)۔

وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَأْتِي بَابَ الْاَنْصَارِ لِطَلَبِ الْحَدِيْثِ فَيَقْعُدُ عَلَى الْبَابِ حَتّٰى يَخْرُجَ وَلَا يَسْتَأْذِنُ ، فَيَخْرُجُ الرَّجُلُ وَيَقُولُ: يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ لَوْ اَخْبَرْتَنِي، فَيَقُولُ :هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَطْلُبَ الْعِلْمَ ، وَاِذَا وَقَفَ فَلَا يَنْظُرُ مِنْ شِقِّ الْبَابِ اِذَا كَانَ الْبَابُ مَرْدُوداً یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انصار کے دروازوں پر حدیث سیکھنے آتے تھے اور دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آپ خود دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے جب تک صاحبِ خانہ خود گھر سے نہ نکلتا۔ جب صاحبِ خانہ باہر نکلتا تو کہتا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی، وہ فرماتے ہمیں اسی طرح علم سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب آپ دروازے کے باہر کھڑے رہتے تو اگر دروازہ بند ہوتا تو دروازے کے سوراخ میں سے اندر نہیں دیکھتے تھے (بغوی جلد۳ صفحہ ۲۸۶)۔

اسی طرح کی ایک حدیث دارمی میں بھی موجود ہے۔ اس میں اضافی الفاظ یہ بھی موجود ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ان کے دروازے پر چادر بچھا کر لیٹ جاتا تھا اور میرے منہ پر مٹی پڑتی رہتی تھی (دارمی حدیث: ۵۷۴)۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی کہ: يَا بُنَيَّ جَالِسِ الْعُلَمَاءَ وَزَاحِمْهُمْ بِرُكْبَتَيْكَ ، فَاِنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْقُلُوبَ بِنُورِ الْحِكْمَةِ ، كَمَا يُحْيِ اللّٰهُ

الْاَرْضَ الْمَيْتَةَ بِوَابِلِ السَّمَآءِ یعنی اے بیٹے علماء کے پاس بیٹھ، اور اپنے گھٹنے ٹیک کر ان کے سامنے جا، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کو نورِ حکمت سے زندہ کرتا ہے جیسا کہ بنجر زمین کو آسمان کے پانی سے زندہ کرتا ہے (موطا امام مالک حدیث:۱۸۲۸)۔

نوٹ بک میں لکھتے جانا

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ اَنَّهُ قَالَ : قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ (مستدرک حاکم حدیث:۳۶۳)۔ صحیح وافقه الذهبی ، ومثله عن ابن عمرو و انس رضی اللہ عنهم (شرح السنۃ:۱۳۷) ورُوی مرفوعاعن ابن عمرو (مجمع الزوائد:۶۸۰)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے روایت ہے کہ فرمایا: علم کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرو۔ نبی کریم ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

طلباء کا اسباق کا دَور کرنا اور استاد بھائیوں سے مدد لینا

عَنِ بنِ عَمْرٍو ﷺ قَالَ إِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَرْوِیَ حَدِيثًا ، فَلْيُرَ دِّدْهُ ثَلاثاً۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص حدیث کو روایت کرنا چاہے تو چاہیے کہ اسے تین بار دوہرا لے (سنن الدارمی حدیث: ۶۱۳)۔

عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ مِنَّا حَدِيْثاً، فَتَذَاكَرُوهُ بَيْنَكُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم لوگ ہم سے حدیث سنو تو اسے آپس میں سن سنا لیا کرو (سنن الدارمی حدیث:۶۱۱)۔

عَنْ اَبِی سَعِيْدِ الْخُدْرِی ﷺ قَالَ تَذَاكَرُوا الْحَدِيثَ فَإِنَّ الحَدِيثَ يُهَيِّجُ الْحَدِيثَ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ حدیث کو آپس میں دوہرا لیا کرو۔ بے شک ایک حدیث دوسری حدیث کو کھینچتی ہے (سنن الدارمی حدیث: ۶۰۰)۔

طلباء کا رات کے وقت اور خصوصاً صبح سویرے کچھ دیر مطالعہ کرنا بہت مفید ہوتا ہے۔ سیدنا ابنِ عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ: تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اِحْيَائِهَا یعنی رات کو ایک

گھڑی پڑھنا پڑھانا ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے (دارمی، مشکوۃ حدیث:۲۵۶)۔

وَعَنِ الشَّعْبِی قَالَ كَانَ سِتَّةٌ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَتَذَاكَرُونَ الْعِلْمَ، مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ، وَاُبَی، وَاَبُو مُوسٰی عَلٰی حَدَّةٍ، وَعُمَرُ، وَزَيْدٌ، وَابْنُ مَسْعُودٍ ﷺ۔ صَحِيحٌ

ترجمہ: حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ محمد کریم ﷺ کے صحابہ میں سے چھ افراد علمی مذاکرات کرتے تھے۔ ان میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت اُبی، حضرت ابوموسیٰ کسی حد تک، حضرت عمر، حضرت زید اور حضرت ابنِ مسعود ﷺ شامل ہیں (کتاب الآثار صفحہ ۸۶۶)۔

(۴)۔طریقۂ تدریس

حلقہ بنا کر بیٹھنا

قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ ﷺ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء ﷺ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب بیٹھتے تو ہم آپ کے اردگرد بیٹھتے تھے (ابوداؤد حدیث:۴۸۵۴)۔

وَعَنْ اَبِی حَنِيفَةَ قَالَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِينَ وَحَجَجْتُ مَعَ اَبِی سَنَةَ سِتٍ وَتِسْعِينَ وَاَنَا ابْنُ سِتَّ عَشْرَةَ سَنَةً، فَلَمَّا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَالْحَرَامَ وَرَأَيتُ حَلْقَةً عَظِيمَةً، فَقُلْتُ لِاَبِی حَلْقَةُ مَنْ هٰذِهِ؟ فَقَالَ حَلْقَةُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الحَارِثِ بنِ جَزْءِ الزَّبِيْدِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ فَتَقَدَّمْتُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مُهِمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں اَسی (۸۰) ہجری میں پیدا ہوا اور میں نے اپنے والد کیساتھ چھیانوے ہجری میں حج ادا کیا۔ میں اس وقت سولہ برس کا جوان تھا۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک عظیم حلقہ دیکھا۔ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا یہ کس کا حلقہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: صحابیٔ رسول عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی کا۔ میں شوق

زیارت میں جلدی سے آگے بڑھا۔ میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے دین کی فقہ حاصل کی اللہ اسکی تمام مہمات حل کردے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا (مسند امام اعظم صفحہ ۲۰)۔

ہر جگہ ہر وقت پڑھانے کے لیے تیار

پڑھانے والے استاد کا مستعد ہونا اور طلباء کا ہمہ وقت اپنے استاد کی طرف رجوع کرنا تعلیمی ادارے کی اصل بنیاد ہے، خواہ کوئی عمارت موجود ہو یا نہ ہو۔ طلبِ علم کا وہ صادق جذبہ ہی تھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سفر و حضر میں، گلی کوچوں میں، جنگ اور امن میں، سواریوں پر بیٹھ کر اور بستر پر لیٹ کر، مسجد میں جا کر اور گھروں میں بیٹھ کر، دیس میں رہ کر اور پردیس میں جا کر علم حاصل کیا۔

ہجرت سے پہلے دار ارقم اور ہجرت کے بعد مسجد نبوی اور صفہ نامی چبوترے پر صحابہ کرام کو تربیت دی جاتی تھی اور عصر حاضر کی طرح کلاس روم کا سسٹم نہیں تھا۔ شاید اسی معنی میں روسو نے کہہ دیا کہ علم سیکھنے کے لیے کسی نصاب اور مدرسہ کی ضرورت نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تشہد اس طرح سکھایا جس طرح قران کی سورۃ سکھاتے تھے (مسلم حدیث: ۸۹۷، بخاری حدیث: ۸۳۱، ابوداؤد: ۹۶۸، ترمذی: ۱۱۰۵، نسائی حدیث: ۱۱۶۳)۔

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اہم کاموں کے لیے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے (بخاری حدیث: ۶۳۸۲، ترمذی حدیث: ۴۸۰، ابوداؤد حدیث: ۱۵۳۸، نسائی حدیث: ۳۲۵۳)۔

قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا : تَعَلَّمَ عُمَرُ الْبَقَرَۃَ فِی اثْنَتَیْ عَشَرَۃَ سَنَۃً ، فَلَمَّا تَعَلَّمَھَا نَحَرَ جَزُوراً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ کی تعلیم حاصل کی، جب مکمل کر چکے تو اونٹ ذبح کیا (سیر اعلام النبلاء جلد ا صفحہ ۵۲۱)۔

تعلیم میں تدراج

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کُونُوا رَبَّانِیِّیْنَ یعنی ربانی بن جاؤ (آل عمران: ۷۹)۔

ربانی وہ ہوتا ہے جو بڑے بڑے علمی مسائل سمجھانے سے پہلے چھوٹے چھوٹے اور بنیادی مسائل سمجھائے وَیُرَبُّوْنَ الْمُتَعَلِّمِیْنَ بِصِغَارِ الْعُلُوْمِ قَبْلَ کِبَارِھَا (تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۳۷۵)۔اس طرح بنیادی اور فرضِ عین علم کی تکمیل ہو جاتی ہے۔اور اس سے اگلے علوم کی طرف جانے والے طلباء کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے۔

بچہ جب کچھ سیکھنے کے قابل ہو جائے تو اسے کلمہ طیبہ، ایمان مجمل و مفصل اور نماز سکھائی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سات سال کے بچے کو نماز کا حکم دو۔ جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو۔ اور اس عمر میں انہیں الگ الگ بستروں پر سلاؤ (ابوداؤد حدیث: ۴۹۵، ترمذی حدیث: ۴۰۷)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ لَمَّا بَعَثَ النَّبِیُّ ﷺ مُعَاذَ بنَ جَبَلٍ نَحْوَ اَھْلِ الْیَمَنِ قَالَ لَہٗ اِنَّکَ تَقْدَمُ عَلیٰ قَوْمٍ مِن اَھلِ الکِتَابِ فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدعُوھُمْ اِلیٰ اَنْ یُوَحِّدُوا اللّٰہَ ، فَاِذَا عَرَفُوا ذٰلِکَ فَاَخْبِرْھُم اَنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلَیھِم خَمسَ صَلَوَاتٍ فِی یَومِھِم وَلَیلَتِھِم ، فَاِذَا صَلُّوا فَاَخْبِرْھُم اَنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیھِمْ زَکوٰۃً فِی اَمْوَالِھِمْ تُوخَذُ مِن غَنِیِّھِمْ فَتُرَدُّ عَلیٰ فَقِیرِھِمْ فَاِذَا اَقَرُّوا بِذٰلِکَ فَخُذْ مِنْھُمْ وَتَوَقَّ کَرَائِمَ اَمْوَالِ النَّاسِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا تم اہلِ کتاب قوم کی طرف جا رہے ہو۔ پس پہلی چیز جس کی طرف تم انہیں دعوت دو یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں، پھر جب وہ اسے سمجھ جائیں تو انہیں

بتانا کہ اللہ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر جب وہ نماز پڑھنے لگ جائیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مال میں سے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جوان کے امیر سے لی جائے اور غریب کو دی جائے۔ پھر جب وہ لوگ اس کا اقرار کر لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرو اور لوگوں کا اچھا اچھا مال نہ چن لینا (بخاری حدیث: ۷۳۷۲)۔

سوال کرنے کا حکم اور اس کی اجازت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَسْـئَـلُـوا اَهْـلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو (النحل:۴۳)۔

اور فرماتا ہے: اَلـرَّحْـمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْراً یعنی رحمان کے بارے میں جاننے والے سے پوچھ (الفرقان:۵۹)۔

وَعَنْ جَابِرٍ ﷜ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ اَن يَّسْكُتَ عَلٰى عِلْمِهٖ ، وَلَا يَنْبَغِيْ لِلْجَاهِلِ اَن يَّسْكُتَ عَلٰى جَهْلِهٖ ، قَالَ اللّٰهُ جَلَّ ذِكْرُهٗ : (فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی حضرت جابر ﷜ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کو زیب نہیں دیتا کہ علم ہوتے ہوئے بتانے سے خاموش رہے، اور جاہل کو زیب نہیں دیتا کہ جاہل ہوتے ہوئے پوچھنے سے خاموش رہے، اللہ تعالیٰ جل ذکرہٗ نے فرمایا: اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۵۳۶۵)۔

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلَجَامٍ مِنْ نَارٍ۔

ترجمہ: جس سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا پھر اس نے اسے چھپایا تو ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی (ابوداؤد حدیث: ۳۶۵۸، ترمذی حدیث: ۲۶۴۹)۔

وَ عَنْ جَابِرٍ ﷜ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ۔

ترجمہ: حضرت جابر ﷜ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہالت کے مرض کا واحد علاج سوال ہے (ابوداؤد حدیث: ۳۳۷، ابن ماجۃ حدیث: ۵۷۲، دار قطنی حدیث: ۷۲۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/ ۲۲۷)۔ اَلْحَدِيْثُ حَسَنٌ۔

وَعَنِ ابْنِ عَمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلیقے سے سوال کرنا آدھا علم ہے(شعب الایمان:٦٥٦٨)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: لَہٗ لِسَانٌ سَؤُوْلٌ وَ قَلْبٌ عَقُوْلٌ یعنی اس کے پاس سوال کرنے والی زبان ہے اور سمجھ رکھنے والا دل ہے(مصنف عبدالرزاق حدیث:٢٠٤٢٨)۔

ہاں مگر نبی کریم ﷺ نے خواہ مخواہ کی قیل وقال اور کثرتِ سوال سے منع فرمایا اِنَّ اللّٰہَ کَرِہَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ ، وَاِضَاعَةَ الْمَالِ ، وَکَثْرَةَ السُّوَالِ(احمد:١٨٠٩٦)۔

سوال کا غلط جواب نہ دیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ یَا أَیُّھَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ بِہٖ وَمَنْ لَمْ یَعْلَمْ فَلْیَقُلْ اللّٰہُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنْ الْعِلْمِ أَنْ یَقُولَ لِمَا لَا یَعْلَمُ اللّٰہُ أَعْلَمُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِیِّہٖ : قُلْ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے لوگو! جس شخص کو کسی بات کا علم ہو تو وہ بے شک بولے، اور جو نہ جانتا ہو اسے چاہیے کہ کہے: واللہ اعلم۔ کسی عالم کے علم کی شان یہ ہے کہ اگر اسے کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہے: واللہ اعلم (بخاری حدیث:٤٨٠٩)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِتَّقُوْا الْحَدِیْثَ عَنِّی إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَمَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ فرمایا: میری حدیث بیان کرتے وقت سخت احتیاط کرو، وہی بات کہو جس کا تمہیں صحیح صحیح علم ہو، جس نے میرے بارے میں جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے(سنن الترمذی حدیث:٢٩٥١)۔

وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوهُ إِلٰى عَالِمِهِ (مسند احمد:۶۷۴۱)۔

ترجمہ: بے شک اللہ کی کتاب اس طرح نازل ہوئی ہے کہ اس کی آیات ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں، تم لوگ اس کی آیتوں کی ایک دوسری کے ذریعے تکذیب مت کرو، جس بات کا صحیح علم ہو وہ بات کہہ دو، مگر جس کے بارے میں علم نہ ہو تو اس کے لیے اس کے عالم کی طرف رجوع کرو۔

طالب علم اگر کوئی سوال کرے تو استاد کو چاہیے کہ اس کے بارے میں بدگمانی نہ کرے اور اسے شرارت پر محمول نہ کرے۔ بلکہ اگر کسی سوال کا جواب وقتی طور پر استاد کے ذہن میں نہ بھی ہو تو اسے چاہیے کہ اس کا جواب آئندہ کسی وقت تک موقوف کر دے۔ شاگردوں کی تربیت اس طرز پر کی جائے کہ اگر استاد کو کسی سوال کا جواب نہ آتا ہو تو وہ اپنے استاد سے بدگمان نہ ہوں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر سوال کا جواب ہر عالم کو ہر وقت معلوم اور مستحضر نہیں ہوتا۔ طالب علم سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بیٹا اس سوال کا جواب فلاں کتاب میں تم بھی دیکھنا اور میں بھی دیکھ لوں گا، انشاء اللہ اگلے روز اسے خوب سمجھیں گے۔ جس استاد نے اپنے طلباء کی تربیت اسی نہج پر کی ہو اور انہیں بیٹا کہہ کر بلاتا ہو، اسے اس قسم کی اخلاقی پیچیدگیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

خود سوال کر کے طلباء میں تجسس پیدا کرنا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ مِنْ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن سوال کیا کہ ایسا کون سا درخت ہے جس کے پتے کسی موسم میں نہیں جھڑتے، وہ درخت مسلمان کی طرح ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں غور کرنے لگے۔ میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، مگر میں شرماتا رہا۔ پھر سب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی بتایئے وہ کیا

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے (بخاری حدیث:۶۱، مسلم حدیث:۷۰۹۸)۔

سَئَلَ عُمَرُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ: مَا تَقُولُونَ فِي (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا) حَتّٰى خَتَمَ السُّورَةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ أُمِرْنَا أَنْ نَحْمَدَ اللّٰهَ وَنَسْتَغْفِرَهُ إِذَا نُصِرْنَا وَفُتِحَ عَلَيْنَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نَدْرِي أَوْ لَمْ يَقُلْ بَعْضُهُمْ شَيْئًا فَقَالَ لِي يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَكَذَاكَ تَقُولُ قُلْتُ لَا قَالَ فَمَا تَقُولُ قُلْتُ هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَعْلَمَهُ اللّٰهُ لَهُ (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ) فَتْحُ مَكَّةَ فَذَاكَ عَلَامَةُ أَجَلِكَ (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا) قَالَ عُمَرُ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کی علمی مجلس کے دوران سب سے پوچھا آپ اس آیت کی تفسیر میں کیا کہتے ہیں: جب اللہ کی مدد اور (اسکی) فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو جائیں۔ حتیٰ کہ حضرت عمر نے سورت ختم کی، ان بزرگوں میں سے کسی نے کہا: ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد کی جائے اور ہم کو فتح عطا کی جائے تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے استغفار کریں اور کسی نے کہا: ہم نہیں جانتے اور کسی نے کچھ بھی نہیں کہا، پھر حضرت عمر نے مجھ سے کہا: اے ابن عباس! کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! اور عمر نے کہا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی مدت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ جب آپکے پاس اللہ کی مدد اور اسکی فتح آ جائے اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے تو یہ آپ کی زندگی پوری ہونے کی علامت ہے، سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھیں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے، حضرت عمر نے کہا: میں اس آیت کی تفسیر میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا تم جانتے ہو (بخاری حدیث:۴۲۹۴، ترمذی حدیث:۳۳۶۲)۔

حدیثِ جبریل میں سیدنا جبریل علیہ السلام کی طرف سے پانچ سوال کیے گئے تھے جن کے جواب نبی کریم ﷺ نے دیے اور اس طرح پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سکھایا گیا اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ (مسلم حدیث:۹۳، بخاری حدیث:۵۰)۔

سمجھا سمجھا کر پڑھانا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَلامًا فَصْلاً يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام جدا جدا الفاظ کے ساتھ ہوتا تھا، جسے ہر سننے والا سمجھ لیتا تھا (ابوداؤد حدیث: ۴۸۳۹، ترمذی حدیث: ۳۶۳۹، شمائل ترمذی صفحہ: ۱۶۰)۔

عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ رَجُلٍ خَدَمَ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا حَدَّثَ حَدِيثًا أَعَادَهُ ثَلاثَ مَرَّاتٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوسلام نے نبی کریم ﷺ کے ایک خادم سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بات کرتے تھے تو اسے تین بار دوہراتے تھے (ابوداؤد حدیث: ۳۶۵۳)۔

نقشے (ڈایاگرام) سے سمجھانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَىٰ هٰذَا الَّذِي فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ وَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهٰذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مربع خط بنایا اور اسکے درمیان میں ایک خط بنایا جو مربع سے خارج تھا اور اس مربع کے وسط میں چھوٹے چھوٹے خطوط بنائے مربع کی جانب سے وسط میں، آپ نے فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ اسکی اجل موت اس کا احاطہ کرنے والی یا فرمایا: اسکا احاطہ کر چکی ہے، اور یہ خط جو اس مربع سے خارج ہے یہ اسکی امید ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط دنیاوی مشکلات ہیں، اگر وہ ایک مشکل سے نکل جائے تو دوسری مشکل اسکوڈس لیتی ہے۔ اور اگر وہ اس سے نکل جائے تو یہ مشکل اسکوڈس لیتی ہے (بخاری حدیث: ۶۴۱۷، ترمذی حدیث: ۲۴۵۴)۔

وَعَنِ ابنِ مَسْعُودٍ ﷺ قَالَ : خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا ، ثُمَّ قَالَ : هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَن يَمِينِهٖ وَعَن شِمَالِهٖ وَ قَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو اِلَيْهِ وَقَرَأَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ الآيةَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے زمین پر خط کھینچا۔ پھر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اسکے دائیں بائیں بہت سے خط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اس راستے کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی اتباع کرو''(مسند احمد حدیث:۴۴۳۶، سنن الدارمی:۲۰۸)۔

شاگردوں کو اولاد کی طرح سمجھنا

استاد روحانی باپ ہوتا ہے اور استاد پر لازم ہے کہ شاگردوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے اور شاگردوں پر لازم ہے کہ استاد کو اپنا روحانی باپ سمجھیں۔ استاد اور شاگرد میں دوستوں کی طرح بے تکلفی جائز نہیں۔ استاد پر لازم ہے کہ اس فاصلے کو قائم رکھے مگر اس کے ساتھ ساتھ پدری شفقت و محبت کو بھی زائل نہ ہونے دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُكُمْ یعنی بے شک میں تمہارے لیے بمنزلہ والد کے ہوں، تمہیں علم سکھاتا ہوں (ابوداؤد حدیث:۸، نسائی حدیث:۴۰، ابن ماجہ حدیث:۳۱۳)۔

یہی حدیث نقل کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استاد کی ذمہ داری ہے اور اس کا وظیفہ ہے کہ شاگردوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے وَاَنْ يُجْرِيَهُمْ مَجْرىٰ بَنِيْهِ (احیاء العلوم صفحہ ۴۷)۔

پردہ پوشی

استاد کو چاہیے کہ اپنے طالب علموں کی غلطی پر انہیں حسبِ ضرورت تنبیہ کرے لیکن خواہ مخواہ ان کے عیب تلاش نہ کرے، جہاں تک ہو سکے ان کی پردہ پوشی کرے، کسی شاگرد کی کمزوریاں اور عیب اس کی غیر موجودگی میں دوسرے طلباء کے سامنے بیان نہ کرے ورنہ طلباء میں نفرت پھیلے گی اور وہ اپنے استاد سے بدگمان ہوں گے۔

کبھی مار کبھی پیار

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سات سال کے بچے کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو وَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشَر (ترمذی:۴۰۷، ابوداؤد:۴۹۵)۔

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْهَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكُنْتُ أَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ عَنْهَا۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے منع فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عمر بن خطاب اس وقت نفل پڑھنے والوں کو مارتے تھے (بخاری حدیث:۱۲۳۳)۔

عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَضَعُ فِیْ رِجْلَیَّ الْكَبْلَ وَيُعَلِّمُنِیْ الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَنَ یعنی حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس مجھے بیڑیاں پہنا کر قرآن اور سنت پڑھاتے تھے (سنن دارمی حدیث:۵۵۷)۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِی الْمَسجِدِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَامَ يَبُولُ فِی الْمَسجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَهْ مَهْ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزْرِمُوهُ دَعُوهُ فَتَرَكُوهُ حَتّٰى بَالَ ، ثُمَّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَیْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَولِ وَلَا الْقَذْرِ وَاِنَّمَا هِیَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاۤءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوكَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَاَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَومِ فَجَآءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَّآءٍ فَشَنَّهٗ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ فرمایا: ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں موجود تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے کہا رک جا، رک جا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسکا پیشاب نہ روکو۔ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا یہ مسجدیں اس پیشاب جیسی چیزوں کیلئے نہیں ہوتیں اور نہ ہی نجاست کیلئے ہوتی ہیں۔ یہ تو اللہ کے ذکر کیلئے، نماز کیلئے اور قرآن پڑھنے کیلئے ہوتی ہیں۔ یا جیسے بھی رسول اللہ ﷺ نے اسے سمجھایا۔ پھر آپ ﷺ نے حاضرین

میں سے ایک آدمی کو حکم دیا، وہ پانی کا ایک ڈول لایا اور اس پر بہا دیا (مسلم حدیث: ۶۶۱، بخاری حدیث: ۲۱۹، ۶۰۲۵، ۶۱۲۸، نسائی: ۵۳، ابن ماجہ حدیث: ۵۲۸)۔

عصری علوم پر تخصص

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كِتَابَ يَهُودَ قَالَ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ فَمَا مَرَّ بِيْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ قَالَ فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلٰى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ .

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہودیوں کی کتاب سیکھوں اور فرمایا کہ اللہ کی قسم میں یہودیوں پر انکی کتاب کے معاملے میں اعتماد نہیں کرتا، آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے اسے سیکھ لیا۔ جب میں سیکھ چکا تو آپ ﷺ جب بھی یہودیوں کی طرف کوئی تحریر بھیجتے تو میں وہ تحریر لکھتا تھا اور جب ان کی طرف سے کوئی تحریر آتی تو میں ہی اسے پڑھتا تھا (ترمذی حدیث: ۲۷۱۵، ابوداؤد حدیث: ۳۶۴۵)۔

وَ عَنْهُ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ۔

ترجمہ: حضرت زید ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا (ترمذی حدیث: ۲۷۱۵)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے عربی کے علاوہ دیگر زبانیں سیکھنا ضروری ہے، بلکہ دراصل یہ فرض کفایہ ہے۔

(۵)۔امتحانات

أَخْبَرَنَا الْقَاسِمُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ شُرَيْحٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَمِيرَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ إِنَّ رَجُلاً قَالَ لِابْنِهِ اذْهَبِ اطْلُبِ الْعِلْمَ، فَخَرَجَ فَغَابَ عَنْهُ مَا غَابَ ثُمَّ جَاءَهُ فَحَدَّثَهُ بِأَحَادِيثَ فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ يَا بُنَيَّ اذْهَبْ فَاطْلُبِ الْعِلْمَ ، فَغَابَ عَنْهُ أَيْضاً زَمَاناً ثُمَّ جَاءَهُ بِقَرَاطِيسَ فِيهَا كُتُبٌ فَقَرَأَهَا عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ هٰذَا سَوَادٌ

فِی بَیَاضٍ فَاذْهَبِ اطْلُبِ الْعِلْمَ ، فَخَرَجَ فَغَابَ عَنْهُ مَا غَابَ ثُمَّ جَاءَ هُ فَقَالَ لِأَبِیهِ سَلْنِی عَمَّا بَدَا لَکَ، فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ أَرَأَیْتَ لَوْ أَنَّکَ مَرَرْتَ بِرَجُلٍ یَمْدَحُکَ وَمَرَرْتَ بِآخَرَ یَعِیبُکَ ،قَالَ إِذاً لَمْ أَلُمِ الَّذِی یَعِیبُنِی وَلَمْ أَحْمَدِ الَّذِی یَمْدَحُنِی ، قَالَ أَرَأَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِصَفِیحَةٍ قَالَ أَبُو شُرَیْحٍ لاَ أَدْرِی أَمِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ ، فَقَالَ إِذاً لَمْ أُهَیِّجْهَا وَلَمْ أَقْرَبْهَا. فَقَالَ اذْهَبْ فَقَدْ عَلِمْتَ۔

ترجمہ: حضرت عمیرہ فرماتے ہیں کہ: ایک آدمی نے اپنے بیٹے سے کہا: جاؤ علم حاصل کرو۔ وہ لڑکا چلا گیا اور کچھ عرصہ غائب رہا۔ جب واپس آیا تو اس نے اپنے والد کے سامنے کچھ احادیث بیان کیں۔ اسکے والد نے کہا: جاؤ علم حاصل کرو۔ وہ لڑکا دوبارہ کچھ عرصہ غائب رہا۔ پھر وہ کچھ کاغذات لیکر واپس آیا جس میں تحریریں تھیں۔ اسکے والد نے اسے کہا: یہ محض سفید کاغذوں پر کالی سیاہی ہے۔ جاؤ علم حاصل کرو۔ وہ لڑکا پھر چلا گیا۔ پھر تیسری بار جب واپس آیا تو اپنے والد سے کہنے لگا: آپ جو چاہیں مجھ سے پوچھ لیں۔ والد نے کہا بتاؤ اگر تم کسی ایسے آدمی کے پاس سے گزرو جو تمہاری تعریف کرے اور دوسرے آدمی کے پاس سے گزرو جو تمہارے عیب بیان کرے تو تم کیا کرو گے؟ لڑکے نے کہا: اس صورتِ حال میں عیب بیان کرنیوالے کا برا نہیں مناؤں گا اور تعریف کرنیوالے پر خوش نہیں ہوں گا۔ پھر والد نے کہا: اگر تم سونے یا چاندی کا ٹکڑا زمین پر گرا ہوا پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ لڑکے نے کہا: میں اسے نہیں اٹھاؤں گا بلکہ اسکے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔ والد نے کہا جاؤ! اب تم علم سیکھ چکے ہو (سنن الدارمی حدیث: ۳۹۲)۔

عَنِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ لاَ یَکُونُ الرَّجُلُ عَالِماً حَتّٰی لاَ یَحْسُدَ مَنْ فَوْقَهُ وَلاَ یَحْقِرَ مَن دُونَهُ وَلاَ یَبْتَغِی بِعِلْمِهِ ثَمَناً۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی آدمی عالم نہیں ہوسکتا جب تک اپنے سے اوپر والے پر حسد نہیں چھوڑتا، اپنے سے نیچے والے کو حقیر سمجھنا نہیں چھوڑتا اور اپنے علم سے دولت کمانا نہیں چھوڑتا (سنن الدارمی حدیث: ۲۹۵)۔

عَنْ مُجَاهِدٍ رحمہ اللہ قَالَ إِنَّمَا الْفَقِیهُ مَنْ یَخَافُ اللّٰهَ۔

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو (سنن الدارمی حدیث: ۳۰۱)۔

معلوم ہوا کہ جس کے نفس کی اصلاح نہیں ہوئی وہ عالم نہیں بنا خواہ اس نے کتنی ہی کتابیں حفظ کر لی ہوں۔ اصلاحِ نفس کے بغیر درسی کتابیں پڑھ لینے والا ایسا ہی ہے جیسے علم کے بغیر قرآن یاد کر لینے والا نابینا حافظ۔ علم کی صحیح برکات کا اندازہ حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کے اس فرمان سے لگائیے:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْباً وَ نِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مُوْلَی الْمَوَالِیْ

ترجمہ: میں علم پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں قطب بن گیا۔ اور میں آقاؤں کے آقا جل شانہ کی طرف سے سعادت مندی کو پہنچ گیا۔

☆......☆......☆

تیرھویں آیت:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی یعنی آپکا بعد والا وقت پہلے وقت سے بہتر ہے (الضحیٰ: ۴)۔

گویا آپ ﷺ کے درجات اور ترقی کی کوئی حد نہیں۔ ہر لحظہ رفعت اور ہر گھڑی عُلوّ ہے۔ کوئی کمال آپ ﷺ کو عطا ہو جانے کے بعد چھن نہیں سکتا۔ اگر ایک مرتبہ کائنات کی ہر چیز کا نظارہ کر لیا (فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ) تو اب اس میں ارتقاء ہی ارتقاء ہے۔ دنیا میں اگر اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ رَّسُوْلُ اللهِ کا اعلان ہوا ہے تو آخرت میں مقامِ محمود اور لواءِ حمد آپ ﷺ کیلئے سراپا انتظار ہیں۔

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ جو فقیر دو دن تک ایک ہی کیفیت میں رہا وہ رکا ہوا ہے (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)۔ یہی بات حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں حدیث کے حوالے سے لکھی ہے۔

چودھویں آیت:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی یعنی جلد ہی آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے (الضحیٰ: ۵)۔

اس آیت کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً، اللہ کی اپنی مرضی سے تھا۔ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ بھی اللہ کی اپنی عطا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا انعام بھی بن مانگے عطا ہوا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی کی دائمی ترقی کا اعلان بھی خود اللہ نے اپنی طرف سے فرمایا ہے۔

اتنی عطائیں نچھاور کر چکنے کے بعد محبت اپنے محبوب کی ناز برداریوں پر اُتر آئی اور بالآخر یہ پوچھ ہی لیا کہ محبوب! اب تو ہی بتا دے کہ تو کس طرح راضی ہوتا ہے؟

''جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میرے اللہ نے مجھے راضی کرنا ہے تو پھر میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہوگا (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۸۷)۔ میں اس وقت تک اُمت کی شفاعت کرتا رہوں گا جب تک میرا رب مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ یا محمد! کیا آپ راضی ہو گئے ہیں؟ اور میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہوں'' (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رو رو کر فرمایا اے اللہ! میری اُمت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ جا کر کہہ دیں ہم آپ کو آپ کی اُمت کے معاملے میں راضی کریں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے (مسلم حدیث رقم: ۴۹۹)۔

پندرھویں آیت:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ یعنی اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کر دیا (الم نشرح: ۴)۔

رَفَعْنَا (ہم نے بلند کیا) سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ نے آپکے ذکر کو بلند کیا ہے تو کس کی مجال ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کا مقابلہ کر سکے اور آپ کی شان کم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

جب کوئی شخص کسی چیز کو بلند کرتا ہے تو وہ اپنے قد و قامت کے مطابق اسے بلند کرتا ہے۔ جب اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کا ذکر بلند کیا تو یہ بلندی اللہ کی اپنی رفعتِ شان اور عظمت وجلال کے مطابق ہوگی۔ حضور کے ذکر کی بلندی کو وہی چھو سکتا ہے جو اللہ کی ذات کی بلندی کو چھو سکتا ہو۔ جب اللہ

کی بلندی کو کوئی نہیں چھوسکتا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی شان ومقام تک بھی کسی کی نگاہ نہیں جاسکتی۔

رَفَعْنَا ماضی ہے یعنی سرکارِ دوعالم ﷺ کو یہ بلندی عطا ہو چکی ہے۔ نیز اس کا فاعل اللہ تعالیٰ خود ہے۔ گویا مصطفیٰ کریم ﷺ کی بلندیوں میں شک کرنے والا اللہ کی قوتوں اور عطاؤں میں شک کر رہا ہے۔

لَکَ کا معنی ہے تیرے لیے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضور کریم ﷺ کو یہ بلندی حضور کی خاطر عطا فرمائی ہے۔ حضور کو راضی کرنے کی خاطر ہو یا حضور کی از خود شان بڑھانے کی خاطر، دونوں مفہوم اس میں داخل ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپکے ذکر کی رفعت یہ ہے کہ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِی یعنی جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر ہوگا (ابن جریر جلد ۱۵ جزء ۳۰ صفحہ ۲۵۸، ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۱۷، بغوی جلد ۴ صفحہ ۵۰۲)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اذان واقامت میں، تشہد اور خطبے میں اگر کوئی اللہ کا نام لے مگر حضور ﷺ کا ذکر نہ کرے تو یہ سب بے کار ہے۔ وہ کافر ہی رہے گا۔ تقریباً تمام مفسرین نے یہی بات لکھی ہے۔ حضرت قتادہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر دنیا اور آخرت میں بلند کر دیا ہے۔ کوئی خطیب، کوئی کلمۂ شہادت پڑھنے والا اور کوئی نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہتا ہو (ابن جریر جلد ۱۵ جزء ۳۰ صفحہ ۲۵۸، ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۱۷)۔ حضرت ضحاکؒ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے وسیلے کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوسکتی اور آپ کا ذکرِ خیر کیے بغیر کوئی خطبہ جائز نہیں ہوتا (بغوی جلد ۴ صفحہ ۵۰۲)۔

آج مشرق سے لے کر مغرب تک اذانوں کا سلسلہ سورج کے ساتھ ساتھ اس طرح جاری وساری رہتا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے ہر سیکنڈ میں کہیں نہ کہیں اذان کی آواز بلند ہو رہی ہوتی ہے۔

امام رازی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: اس ذکر میں نبوت کے تمام کمالات اور خصائص،

آپ ﷺ کی زمین وآسمان میں شہرت، عرش پر آپ کا اسم گرامی لکھا ہونا، شہادت اور تشہد میں اللہ کریم کے ساتھ آپ کا ذکر، اگلی کتابوں میں آپ کی بشارات، آفاق میں آپ کے چرچے، سلسلۂ نبوت کا آپ پر اختتام، ہر خطبے اور اذان میں آپ کی رسالت کا اعلان، خطوط اور کتب کے مصنفین کا شروع میں آپ پر درود وسلام لکھنا اور قرآن میں بار بار اللہ تعالیٰ کا اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کرنا سب چیزیں شامل ہیں (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸)۔

چنانچہ اللہ کریم نے بھی قرآن شریف میں اپنے نام کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کا ذکر بے شمار آیات میں کیا ہے۔ مثلاً

☆۔ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت (انفال: ۲۰)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا (النسآء: ۱۴)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت (النسآء: ۱۰۰)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (النسآء: ۱۳)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی مذمت (مائدہ: ۳۳)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت (توبہ: ۲۴)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول نے عطا کیا (توبہ: ۵۹)۔

☆۔ ہمیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے دے گا (توبہ: ۵۹)۔

☆۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں راضی رکھا جائے (توبہ: ۶۲)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا (توبہ: ۷۴)۔

☆۔ اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو (حجرات: ۱)۔

☆۔ (اے حبیب!) اس پر اللہ نے انعام کیا اور تو نے انعام کیا (احزاب: ۳۷)۔

☆۔ حتیٰ کہ حضور کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا (الفتح: ۱۰)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ آسمان کے فرشتے بھی جب اللہ کا ذکر کرتے ہوں تو اسکے ساتھ محمد کریم ﷺ کا ذکر بھی ضرور

کرتے ہوں۔ چنانچہ عرش کی دہلیز پر بھی آپ ﷺ کا نام مبارک لکھا ہوا ہے (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۲)۔

امام رازی رحمت اللہ علیہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ: بادشاہ وسلاطین آپ ﷺ کے پیروکار ہیں، تمام خلفاء آپ کے قبیلے سے ہیں، قاریوں نے آپ کے منشور کے الفاظ کو حفظ کرلیا ہے، مفسرین اس کے معانی کی تفسیر میں مصروف ہیں، واعظ آپ کی احادیث پر وعظ کیے جا رہے ہیں، بلکہ تمام علماء اور سلاطین آپ کے درِاقدس پر آج بھی حاضری دے رہے ہیں اور دروازے کے باہر ادب سے کھڑے ہو کر سلام عرض کر رہے ہیں، آپ کے روضۂ انور کی مقدس مٹی پر اپنے چہرے رگڑ رہے ہیں، آپ کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور آپ کا شرف قیامت تک کے لیے جاری وساری ہے (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸)۔

حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اَغَرُّ عَلَیْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ   مِنَ اللّٰهِ مَشْهُوْدٌ یَلُوْحُ وَیُشْهِدُ

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِیِّ مَعَ اسْمِهٖ   اِذَا قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

ترجمہ:۔(۱)۔ نبوت کی مُہر آپ کی پشت مبارک پر بڑی واضح ہے اور اللہ کی طرف سے نشانی کے طور پر دکھائی جا رہی ہے اور وہ ہر وقت چمک رہی ہے اور آپ کی رسالت کی گواہی دے رہی ہے۔

(۲)۔ پانچ وقت کی اذان میں جب مؤذن شہادت بولتا ہے تو اس میں اللہ نے نبی کا نام اپنے نام میں ضم کر دیا ہے۔

(۳)۔ اللہ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ عرش کا مالک محمود ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کا نام محمد ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۷۴)۔

سولھویں آیت:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ یعنی کاش یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ انہیں

اللہ اور اسکے رسول نے عطا کیا اور یہ کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ ابھی ہمیں اللہ اور اس کا رسول جلد ہی اپنے فضل سے نوازیں گے۔ ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں (توبہ: ۵۹)۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کے فضل کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے فضل وعطا کو بھی حبیب ﷺ کے فضل وعطا سے جدا نہیں رکھا۔ سچ ہے کہ

وہ خدا نہیں بخدا نہیں   وہ مگر خدا سے جدا نہیں

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عادت تھی کہ نبی کریم ﷺ کے سوال کے جواب میں اَللّٰـــهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ کہا کرتے تھے یعنی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام خزانوں کی ملکیت عطا فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اُوْتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ یعنی میرے پاس زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں (بخاری حدیث رقم: ۷۲۷۳)۔

تمام خزانوں کے مالک ان خزانوں کو بانٹنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ یعنی دینے والا اللہ ہے اور میں بانٹنے والا ہوں (بخاری حدیث رقم: ۷۱، مسلم حدیث رقم: ۲۳۹۲)۔

خزانوں کے قاسم ﷺ ایسے جواد اور سخی ہیں کہ مانگنے والا کبھی انکار نہیں سنتا۔ حدیث شریف میں ہے مَاسُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ شَیْئاً قَطُّ فَقَالَ لَا یعنی نبی کریم ﷺ نے کسی سوالی کے سامنے "نہیں" کا لفظ نہیں بولا (بخاری حدیث رقم: ۶۰۳۴، مسلم حدیث رقم: ۶۰۱۸)۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے اللہ کے نام پر پورا ریوڑ مانگ لیا۔ آپ نے اسے پورا ریوڑ عطا کر دیا۔ وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا۔ مسلمان ہو جاؤ۔ محمد اپنا سارا مال لٹا دیتا ہے۔ اور فقیر ہو جانے سے ذرا نہیں ڈرتا (مسلم حدیث رقم: ۶۰۲۰، ۶۰۲۱)۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَاللّٰهِ مَاقَالَ لَا اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِہٖ   لَوْلَا التَّشَهُّدُ لَکَانَ لَاءُہٗ نَعَم

یعنی اللہ کی قسم آپ نے کبھی لا الہ الا اللہ کے سواء "لا" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اگر یہ کلمہ

شہادت ضروری نہ ہوتا تو آپ کی یہ ''لا'' بھی ہاں ہی ہوتی۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا (کاش یہ راضی ہو جاتے) سے معلوم ہوا کہ بندے کو چاہیے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دیے پر راضی رہے۔ اور جو ظاہری و باطنی دولت اللہ اور اسکے رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو اور کسی دوسرے پر کرم کے دروازے کھلے دیکھے تو اس پر حسد نہ کرے۔

سترھویں آیت:

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ یعنی (اے حبیب) ہم نے آپ کو کوثر عطا کی (الکوثر:۱)۔

کوثر کا لفظ کثرت سے بنا ہے۔ یہ فوعل کے وزن پر ہے جیسے نفل سے نوفل ہوتا ہے۔ یہ وزن مبالغے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عرب لوگ کسی بھی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے کوثر کا لفظ استعمال کرتے ہیں (قرطبی جلد۲۰ صفحہ۱۹۸، بغوی جلد۴ صفحہ۵۳۳)۔ کوثر سے مراد ہے اَلْکَثْرَۃُ الْمُفْرَطَۃُ الَّتِیْ لَا حَدَّ لَھَا یعنی ایسی کثرت جس کی کوئی حد نہیں۔

اس آیت میں کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شریعت کی آسانی، بقاءِ اسلام، ترقیِ اسلام، ازواجِ مطہرات کی پاکیزگی، اولادِ امجاد کی کثرت، صحابۂ کرام کی کثرت، باقی امت کی کثرت، رفعتِ ذکر، اللہ کریم سے کامل وابستگی اور اسی کی بارگاہ میں دائمی حضوری، علم، اخلاق، مقامِ محمود، کثیر معجزات، پوری دنیا کی اصلاح کی ذمہ داری، ختمِ نبوت، حوضِ کوثر، نہرِ کوثر، خیرِ دنیا اور خیرِ آخرت ہے۔ یہ سب چیزیں کوثر میں شامل ہیں۔ یہ خلاصہ ہے بے شمار تفاسیر کا (مثلاً ابنِ جریر جلد۱۵ صفحہ۳۶۰ تا ۳۶۷، قرطبی جلد۲۰ صفحہ۱۹۹، تفسیر کبیر جلد۱۱ صفحہ۳۱۳ تا ۳۱۶ مع الاضافہ)۔ یہ کل اکیس چیزیں ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک پر تفصیل سے بحث کی جاسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْکَوْثَرُ الْخَیْرُ الْکَثِیْرُ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ یعنی کوثر وہ خیرِ کثیر ہے جو اللہ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائی ہے (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۰۳۰، ابنِ جریر جلد۱۵ صفحہ۳۶۳)۔

حضرت ابو بشر نے حضرت سعید سے پوچھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کوثر سے مراد صرف نہرِ

کوثر ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جنت کی نہر کوثر تو اس کوثر کا ایک حصہ ہے جو نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئی (بخاری حدیث رقم: ۴۹۶۶، مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۰۳۰)۔

تفسیراتِ احمدیہ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ اس سے مراد بے تحاشا عطائیں ہیں (الخیر المفرط الکثیر ،تفسیرات احمدیہ صفحہ ۷۴۱، مدارک جلد ۴ صفحہ ۴۱۳)۔

حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں (خزائن العرفان صفحہ ۹۶۱)۔

مفرط، کثیر اور بے شمار اور ہر چیز کے الفاظ ہی تقریباً تمام مفسرین نے لکھے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بے حد دیا۔ ہر چیز دی گویا سب کچھ دیا۔

حدیث شریف سے اسکی تائید یوں ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں (بخاری حدیث رقم: ۲۷۴۳)۔

لفظ اِنَّـا یعنی ''بے شک ہم نے'' اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سب کچھ دینے والی اللہ کی ذات ہے لہٰذا کمالاتِ نبوت کے منکرین کا ناطقہ بند کر دیا گیا ہے کہ میرے محبوب سے الجھنے کی بجائے مجھ سے بات کرو جس نے اسے ان بے انتہا کمالات سے نوازا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لفظ آتَیْنَا (ہم نے دیا) کی بجائے اَعْطَیْنَا (ہم نے عطا کیا) استعمال فرمایا ہے۔ فرق یہ ہے کہ محض دے دینے کی نسبت عطا کر دینے میں بلا معاوضہ دینے اور کثرت سے دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ حبیبِ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ عطا کرنے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں ہوں (بخاری حدیث رقم: ۷۱، مسلم حدیث رقم: ۲۳۹۲)۔ جسے بے حد عطا ہوا ہے وہ تقسیم بھی بے حد ہی کرتا ہوگا۔

امام رازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کا اعلان اِس لیے فرمایا ہے کہ اے محبوب! جب ہم نے آپ کو کثرت سے دیا ہے تو پھر آپ تقسیم بھی کثرت سے کریں فَاَعْطِ اَنْتَ الْکَثِیْرَ وَلَا تَبْخَلْ (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۷)۔

اس آیت میں اَعْطَیْنَا ماضی ہے یعنی حضور کریم ﷺ کو سب کچھ عطا ہو چکا ہے۔

اَعْطَیْنٰکَ میں محبوب کریم ﷺ کو خطاب ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے مگر اپنے حبیب ﷺ کو قرآن میں بار بار خطاب فرما کر اور معراج کی رات راز و نیاز کی باتیں کر کے شرفِ کلیمی کی انتہا کر دی ہے۔

اس آیت میں جن عطاؤں کا ذکر ہوا ہے وہ واقعی کھلی آنکھ سے دیکھنے میں آ رہی ہیں۔مثلاً اولادِ امجاد،صحابۂ کرام،علماءِ کرام،دیگر اُمت کی کثرت،حفاظِ قرآن اور قرآن و اسلام کی ترقی وغیرہ۔ گویا یہ ایک غیب کی خبر دی گئی تھی جو سچ ثابت ہوئی۔لہٰذا یہ آیت نبی کریم ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔

حوضِ کوثر کے پانی سے وہ پانی افضل ہے جو سید المرسلین ﷺ کی انگلیوں سے معجزے کے طور پر جاری ہوا تھا۔یہ معجزات،کمالات و تبرکات اسی کوثر کا حصّہ ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص نہرِ کوثر کے تلاطم کی آواز سننا چاہتا ہو وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اس آواز کی طرف متوجہ ہو(ابن جریر جلد۱۵ صفحہ۳۶۱)۔

مرتبۂ الوہیت کے سواء ہر وصفِ کمال نبی کریم ﷺ کی طرف بے دریغ منسوب کر دینا اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کا عین تقاضا ہے۔سورۃ کوثر کی تفسیر میں حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی کی کتاب کوثر الخیرات ایک عالی شان کتاب ہے۔

اٹھارہویں آیت:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا یعنی اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اے نبی یہ آپ کے پاس آ جائیں پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی مانگیں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے(النسآء:۶۴)۔

اگر ہم سے خطا ہو جائے تو ہمیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے اور حضور سے شفاعت کرانے پر معافی کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔یہ آیت آج بھی قرآن میں موجود ہے۔آج اس پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی حیاتِ ظاہریہ کی

طرح آج بھی زندہ ہوں۔حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِىُّ اللّٰهِ حَىٌّ يُرْزَقُ
یعنی بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔لہٰذا اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔اسے رزق ملتا ہے(ابن ماجۃ حدیث رقم:۱۶۳۷، ابوداؤد حدیث رقم:۱۰۴۷، نسائی حدیث رقم:۱۳۷۴، متدرک حاکم حدیث رقم:۸۸۵۹)۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے جسموں کے محفوظ ہونے اوران کے زندہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔اور پوری امت شروع سے طلبِ شفاعت کے لیے نبی کریم ﷺ کی قبرانور پر حاضر ہوتی آرہی ہے۔

نورالایضاح میں ہے کہ روضۂ انور پر حاضر ہونے والے کو چاہیے کہ اللہ کی بارگاہ میں یہی آیت ''وَلَوْ اَنَّھُمْ ''پڑھ کرعرض کرے کہ اے باری تعالیٰ میں تیرے حکم کے تحت یہاں آیا ہوں۔اور یہی آیت پڑھ کر نبی کریم ﷺ سے عرض کرے کہ یارسول اللہ میں اس آیت پر عمل کرتا ہوا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔میری شفاعت فرمایئے(حاصل نورالایضاح صفحہ۱۹۱،۱۹۴)۔

اس کے برعکس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر شفاعت کرانے سے گریز کرنا اور اس معاملے میں تکبر کرنا سیدھی منافقت ہے۔سورۃ منافقون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُؤُسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ یعنی جب ان منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ اللہ کے رسول تمہارے لیے استغفار کریں تو یہ سر مارتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ رُکتے ہیں اور غرور کرتے ہیں (منافقون:۵)۔

اُنیسویں آیت:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یعنی یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا (بنی اسرائیل:۷۹)۔

مقامِ محمود سے مراد شفاعت کا مقام ہے۔احمد،ابن ابی حاتم اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مقامِ محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کے لیے شفاعت

کروں گا (مظہری جلد۵صفحہ۴۷۱)۔

تفسیرِ مدارک میں ہے کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے یہ علماء کا جمہوری فیصلہ ہے اور اس پر احادیث وارد ہیں (مدارک جلد۳صفحہ۱۸۶)۔

جب آپ شفاعت کا دروازہ کھولیں گے تو اولین وآخرین سب کے سب آپ کی حمد کریں گے اس لحاظ سے اس مقام کو مقامِ محمود کہا گیا ہے یَحْمَدُہٗ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ (مظہری جلد۱صفحہ۴۷۱)۔

شفاعت کی وجاہت

اسی لفظ محمود سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی شفاعت، شان وشوکت اور وجاہت سے لبریز ہوگی۔ یہ شفاعت ایسی مجبور اور پابندِ سلاسل شفاعت نہیں ہوگی جس پر صرف شفاعت کا لیبل رہ جائے اور اسکی حقیقت کچھ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی، اے حبیب اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میرا رب مجھے راضی کرے گا تو پھر میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہوگا (مظہری جلد۱۰ صفحہ۲۸۳)۔ اس سے آپ ﷺ کے شفاعت کے سلسلے میں وسیع اختیارات ثابت ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ اور میں اس پر فخر نہیں کرتا (ترمذی حدیث رقم: ۳۶۱۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۴۳۰۸)۔

نبی کریم ﷺ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے تو اللہ کریم فرمائے گا۔ اپنا سر اُٹھایئے۔ مانگیے۔ آپ کو ملے گا۔ کہیے آپ کی ہر بات سنی جائے گی۔ شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول ہوگی (بخاری حدیث رقم: ۶۵۶۵، مسلم ۴۷۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میری شفاعت میری اُمت کے اہلِ کبائر کے لیے ہے (ابو

داؤد حدیث رقم:۴۷۳۹،ترمذی حدیث رقم:۲۴۳۵،مسند احمد حدیث رقم:۱۳۲۲۷)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن انبیاء، پھر علماء اور پھر شہداء تینوں شفاعت کریں گے(ابن ماجۃ حدیث رقم:۴۳۱۳)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ دوزخیوں کی صفیں بن رہی ہوں گی۔انکے پاس سے ایک جنتی آدمی گزرے گا۔دوزخیوں میں سے ایک آدمی پکار کر اسے بلائے گا کہ اے فلاں! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔میں وہ شخص ہوں جس نے آپکو پانی پلایا تھا۔دوسرا آدمی کہے گا میں نے آپکو وضو کرایا تھا۔وہ ان دونوں کی شفاعت کرے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا(ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۶۸۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ کچا بچہ(جو نامکمل ساقط ہو گیا تھا) اپنے ماں باپ کو دوزخ میں بھیجا جاتے ہوئے دیکھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑے گا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔اے اپنے رب سے جھگڑا کرنے والے چھوٹے! اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا۔وہ انہیں اپنی ناف سے باندھ کر جنت میں لے جائے گا(ابن ماجۃ حدیث رقم:۱۶۰۸)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شفاعت اللہ کریم کے اِذن سے ہی ہوگی۔''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یعنی اسکے ہاں اس کے اِذن کے بغیر کون شفاعت کرسکتا ہے''۔

مگر یہ اِذن محض کھوکھلا اور ڈرامہ بازی پر مبنی نہیں بلکہ گزشتہ آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شفاعت، وجاہت اور شان وشوکت سے بھری ہوئی ہوگی حتیٰ کہ اس وجاہت اور محبت کی بنا پر رب سے جھگڑا کرنے کی اجازت ہوگی جیسا کہ ایک ساقط شدہ بچہ اپنے ماں باپ کے لیے جھگڑا کرے گا۔

بیسویں آیت:

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآئَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ۔اور اللہ کے علاوہ اپنے مددگار

بلالواگرتم سچے ہو(البقرہ:۲۳)۔

قرآن نبی کریم ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے اس جیسی کتاب تو کیا صرف ایک سورت بنا کرلانا بھی کسی کے بس کا کام نہیں۔آج تقریباً ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود قرآن کے اس چیلنج کو کوئی قبول نہ کرسکا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ یعنی قرآن کے عجائب ہمیشہ سامنے آتے رہیں گے(ترمذی حدیث رقم:۲۹۰۶)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن ہر دور میں انسانی ذہن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔آج کے سائنسی دور میں ایک عیسائی تبصرہ نگار (جو بعد میں مسلمان ہوگیا) لکھتا ہے

The relationship between the quran and science is a priore a surprise , especially when it turns out to be one of harmony and not of discord.

(The Bible the Quran and Science P.110 by: Maurice Bucaille)

ترجمہ: قرآن اور سائنس میں ایسا زبردست تعلق ہے کہ انسان قرآن کی سائنس سے ہم آہنگی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اگر قرآن کسی سائنسی تحقیق کو رَدّ کردے تو یقیناً ایسی سائنسی تحقیق نابالغ (Immature) ہوگی۔اور بالآخر سائنس کو قرآن ہی کی طرف آنا پڑے گا۔ جیسا کہ سائنس والوں کے نظریات میں آئے دن تبدیلیاں آتی بھی رہتی ہیں۔

دیگر معجزات

قرآن نبی کریم ﷺ کی صداقت کا لاجواب ثبوت ہے۔اس کے علاوہ بے شمار معجزات سے آپ ﷺ کی نبوت کی تائید ہوتی ہے۔آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کرکے جوڑ دیا(سورہ القمر:۱)۔مسلم حدیث نمبر:۷۰۷۶، بخاری حدیث نمبر:۳۶۳۷ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو

رہی تھی اور آپ ﷺ کا سر مبارک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے حتیٰ کہ سورج ڈوب گیا آپ ﷺ نے پوچھا اے علی کیا آپ نے نماز پڑھی ہے؟انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا،اس کی خاطر سورج واپس کر دے۔اللہ کریم نے سورج واپس کر دیا۔یہ واقعہ صہباء کا ہے جو خیبر میں واقع ہے(الشفاء ۱/ ۱۸۵،مشکل الآ ثار حدیث رقم: ۱۲۰۷،۱۲۰۸،مجمع الزوائد حدیث رقم: ۱۴۰۹۷)۔

ایک مرتبہ کسی گڈریے کے ریوڑ میں سے بھیڑیے نے ایک بکری پکڑ لی۔گڈریے نے کوشش کر کے اس سے بکری چھڑالی۔وہ بھیڑیا ایک چٹان پر چڑھ کر کتے کی طرح بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ کے دیے ہوئے رزق کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور تم نے مجھ سے چھین لیا۔اس آدمی نے کہا اللہ کی قسم میں نے آج تک بھیڑیے کو باتیں کرتے ہوئے نہیں سنا۔بھیڑیے نے کہا اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان کھجوروں کے درمیان والے شہر میں ایک بندۂ خدا تم لوگوں کو جو کچھ ہو چکا ہے اور کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے ہر چیز کی خبر دیتا ہے۔وہ شخص یہودی تھا۔سیدھا نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا،سارا واقعہ سنایا اور مسلمان ہو گیا(مسند احمد حدیث رقم: ۸۰۸۳)۔

پتھر اور درخت آپ ﷺ کو اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہہ کر سلام عرض کرتے تھے(ترمذی حدیث رقم: ۳۶۲۶،مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۲۹۱)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ہمارے پاس پانی کم ہو گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کسی کے پاس بچا کھچا پانی ہے تو لے آؤ۔ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا اور فرمایا با برکت وضو کے لیے آؤ، برکت اللہ کی طرف سے ہے۔میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا اور وہ کھانا اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہوتا تھا،ہم سن رہے ہوتے تھے(بخاری حدیث رقم: ۳۵۷۹،ترمذی حدیث رقم: ۳۶۳۳)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایک سو تیس آدمی نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی کے پاس کھانا موجود ہے؟ایک آدمی کے پاس

کچھ آٹا موجود تھا۔اسے گوندھا گیا اتنی دیر میں ایک مشرک آدمی بکریاں ہانکتا ہوا پہنچ گیا۔آپ ﷺ نے اس سے فرمایا بکری بیچو گے یا مفت دوگے؟اس نے کہا قیمت لوں گا۔آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی۔اسے ذبح کیا گیا اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی کلیجی کو بھونا جائے۔اللہ کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر آدمی نے وہ کلیجی خوب کھائی اور جو شخص پاس نہیں تھا اس کیلئے بچا کے رکھ لی گئی۔پھر بقیہ گوشت کو پکا کر دو برتنوں میں ڈالوا دیا۔ہم سب نے اس میں سے کھایا اور سیر ہو گئے۔ دونوں برتنوں میں گوشت بچ گیا۔میں نے بچا ہوا گوشت اونٹ پر لادلیا(بخاری حدیث:۵۳۸۲)۔

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کھجور کے ستونوں پر کھڑی تھی۔نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے۔جب آپ ﷺ کے لیے منبر بنایا گیا تو آپ منبر پر بیٹھ گئے۔کھجور کا وہ تنا اس طرح رونے لگا جیسے اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے تو وہ روتی ہے۔نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا ہاتھ مبارک اس پر رکھا تو وہ بچے کی طرح سسکیاں لیتا لیتا چپ ہو گیا(بخاری حدیث رقم:۳۵۸۴،۳۵۸۵)۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی محفل میں تھے۔اتنے میں ایک دیہاتی وہاں پہنچ گیا۔اس نے سوسمار(گوہ) پکڑی ہوئی تھی۔اس نے آتے ہی پوچھا یہ کون ہے؟لوگوں نے کہا نبی اللہ۔اس نے کہا مجھے اپنے بتوں لات اور عزیٰ کی قسم ہے میں تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ تجھ پر ایمان نہ لائے۔یہ کہہ کر اس نے گوہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پھینک دی۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے گوہ!پورا مجمع سن رہا تھا،وہ بڑے صاف الفاظ میں بولی **لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ** اے اللہ کی زینت۔فرمایا تم کس کی عبادت کرتی ہو؟اس نے کہا میں اس کی عبادت کرتی ہوں جس کا عرش آسمان میں ہے اور بادشاہی زمین میں ہے اور اس کے راستے سمندروں میں ہیں،اس کی رحمت جنت میں ہے اور اس کا عذاب جہنم میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں،آخری نبی ہیں،جس نے آپ کی تصدیق کی وہ فلاح پا گیا،جس نے آپ کو جھٹلایا وہ خسارے میں رہا۔وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا(الشفاء۱/۲۰۴،الوفا۱/۳۳۶)۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس درخت سے کہو تجھے رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔ وہ درخت دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہلا اور اپنی جڑیں کاٹ دیں۔ زمین کو چیرتا ہوا، اپنی جڑیں گھسیٹتا ہوا اور گرد اڑاتا ہوا نبی کریم ﷺ کے سامنے پہنچ گیا اور کہنے لگا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ پھر اس اعرابی نے کہا اسے واپس بھیج دیں۔ وہ درخت واپس چلا گیا اور اپنی جگہ پر جا کر جم گیا۔ اس دیہاتی نے کہا مجھے اجازت دیجیے میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ پھر اس نے کہا مجھے اپنے ہاتھ اور پاؤں چومنے دیجیے۔ آپ ﷺ نے اسے ہاتھ اور پاؤں چومنے کی اجازت دے دی (الشفا جلد ۱ صفحہ ۱۹۶)۔

جنگِ احد میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ باہر نکل آئی۔ وہ اپنی آنکھ کو ہاتھ پر رکھ کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ابوقتادہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو صبر کرو تمہیں جنت ملے گی۔ اور اگر چاہو تو میں اسے واپس لگا دوں اور اللہ سے دعا کروں اور یہ سو فیصد درست ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ جنت بڑی عظیم چیز ہے اور بہت بڑی عطا ہے لیکن میری بیویاں میرا مذاق اڑائیں گیں اور مجھے کانا کہیں گی۔ آپ میری آنکھ بھی ٹھیک کر دیں اور اللہ سے جنت بھی دلوا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اسی طرح کیے دیتا ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ کو اپنے ہاتھ مبارک پر رکھا اور اسے اس کی جگہ پر فٹ کر دیا۔ وہ آنکھ مرتے دم تک دوسری آنکھ سے زیادہ روشن رہی۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے جنت کی بھی دعا فرمائی (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۵۳۵۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، الوفا ۱/۳۳۳)۔

ایک آدمی نے جہالت کے زمانے میں اپنی بیٹی کو کسی وادی میں پھینک دیا تھا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ اس آدمی کے ساتھ وادی میں تشریف لے گئے اور اس لڑکی کا نام لے کر آواز لگائی۔ اے فلاں لڑکی اللہ کے اذن سے مجھے جواب دے۔ وہ لڑکی لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ کہتی ہوئی سامنے آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے ماں باپ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اگر تم چاہو تو

میں تمہیں ان کے پاس واپس بلا لوں۔اس نے عرض کیا مجھے میرے ماں باپ کی کوئی ضرورت نہیں۔میں نے اپنے اللہ کو ماں باپ سے زیادہ مہربان پایا ہے(الشفا جلد۱صفحہ۲۱۱)۔

ایک سفر میں صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔وہ چڑیا ہمارے سروں پر چکر لگانے لگی۔نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کر اسے پریشان کیا ہے۔اس کے بچے واپس کر دو(ابوداؤد حدیث رقم:۲۶۷۵)۔

جنگِ بدر سے ایک دن پہلے آپ ﷺ نے کفار کے نام لے لے کر فرمایا کہ اس جگہ پر فلاں مرے گا۔اس جگہ پر فلاں مرے گا۔اگلے روز وہ لوگ بالکل اسی جگہ پر مرے جس کی نشاندہی نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی۔ایک اِنچ بھی اِدھر اُدھر نہ مرے(مسلم حدیث رقم:۴۶۲۱،ابوداؤد حدیث رقم:۲۶۸۱،نسائی حدیث رقم:۲۰۷۴،مسند احمد حدیث رقم:۱۳۳۰۱)۔

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں جن کا احاطہ کرنا دائرہ امکان سے باہر ہے۔

بخاری شریف جلد۱صفحہ نمبر۵۰۴ پر علامات النبوۃ کا پورا باب موجود ہے یہ سب باتیں آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کا لاجواب ثبوت ہیں۔

معجزے اور کرامت میں فرق

ایسا مافوق العادت کام جو نبی کر کے دکھائے اسے معجزہ کہتے ہیں اور ایسا ہی کام اگر ولی کر کے دکھائے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔نبی کے ہاتھ سے جو کام معجزہ کے طور پر ممکن ہو ولی کے ہاتھ سے وہی کام کرامت کے طور پر بھی ممکن ہوتا ہے۔صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان سب اولیاء ہیں،نبی نہیں۔لہٰذا انکے ہاتھ سے سرزد ہونے والا مافوق العادت کام کرامت کہلائے گا نہ کہ معجزہ۔

معجزہ دکھانے میں نبی بے بس نہیں ہوتا بلکہ اپنی مرضی سے بھی معجزہ دکھا سکتا ہے،جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کفار نے نبی کریم ﷺ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیے۔اسطرح کی کئی مثالیں آپ پڑھ چکے ہیں۔

قرآن پڑھنے کے آداب

قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو چند باتیں ذہن میں رکھنا چاہییں۔

۱۔ قرآن کا موضوع توحید ہے۔اسکی تصریح سورہ ابراہیم: ۵۲ میں موجود ہے۔ ہر نبی کی دعوت توحید تھی آیاتِ قرآنی کے تمام مضامین دعوت الی التوحید کے محور کے گرد گھومتے ہیں۔ چلتے چلتے ہر بات اور ہر مضمون اچانک اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف پلٹتا ہے جو بظاہر جملۂ معترضہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ قرآن اپنے موضوع کی طرف پلٹ رہا ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن روحانی اور مابعد الطبعیاتی ضرورت کو درجۂ اول میں پورا کرتا ہے۔ جبکہ جسمانی اور سیاسی راہنمائی دلالۃً اور بدرجۂ اولیٰ کرتا ہے۔ لہٰذا روحانیت کا منکر اور مادہ پرستانہ ذہن والا آدمی اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

۳۔ روحانی تربیت کا انداز ابواب کی تقسیم اور موضوعات کی علیحدگی سے نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کا انداز ملفوظی اور تقریری ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملفوظات کی کتب اسی ڈھب پر ہوتی ہیں۔ قرآن سالکِ طریقت کے لیے روحانی تربیت کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔

۴۔ اسلام میں عقائد، احکام، اخلاص، معیشت، سیاست، دین و دنیا باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو لے کر اور باقیوں کو چھوڑ کر اسلام کے جزوی نفاذ کا دروازہ بند ہے۔ لہٰذا قرآن ان تمام مضامین کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ کبھی عقائد کا بیان اور کبھی احکام کی تفصیل، کبھی سالک کی راہنمائی کے لیے قصص اور کبھی مجاہد کے لیے ترغیب وغیرہ کی طرف لوٹ لوٹ کر آتا ہے۔ اسے تصریف الآیات کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی بات یا واقعہ کا حسبِ موقع بار بار بیان ہونا بھی تصریف الآیات ہی ہے۔

اس کے باوجود ترتیبِ قرآنی کا اپنا حسن و جمال قائم ہے۔ شروع میں سورۃ فاتحہ اس کے بعد قرآن کی سب سے لمبی سورۃ۔ آخر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں اور سب سے آخر میں معوذتین ترتیب کا خوبصورت گلدستہ ہے۔ قرآن کو الحمد للہ سے شروع کرنا اور تعوذ باللہ پر ختم کرنا بھی ایک

زبردست خوبی ہے، گویا جس کی حمد سے ابتدا کی تھی اسی کی پناہ مانگتے ہوئے بات کو ختم کر دیا ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

۶۔ قرآن خصوصی نزول کے لحاظ سے کبھی صرف کفار کو خطاب کرتا ہے (یَـاَیُّهَـا الْکٰفِرُوْنَ)۔ کبھی اہلِ ایمان کو خطاب کرتا ہے (یَـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اور کبھی پوری دنیا کو خطاب کرتا ہے (یَاَیُّهَا النَّاسُ)۔ کبھی خصوصی نزول کسی ایک فرد یا ایک واقعہ کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن اس کا بیان سب کے لیے عام اور اس کا اطلاق پوری دنیا کے لیے وسیع ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب قرآن کے احکام عرب کے ریگستان میں قابلِ عمل ہیں تو پوری دنیا کے صحراؤں اور قیامت تک کے ارتقائی ادوار میں کیوں نہ قابلِ عمل ہوں گے۔

۷۔ قرآن بلاشبہ کتابِ ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ وظیفۂ عمل اور روحانی تاثیر کی حامل کتاب بھی ہے۔ مختلف سورتوں کا مختلف مواقع اور ضروریات پر پڑھنا احادیث میں صراحتاً مذکور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے (ترجمہ بنی اسرائیل: ۸۲)۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن سب سے بہتر دوا ہے (ابن ماجہ حدیث رقم: ۳۵۰۱)۔

ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ایک قافلہ کسی بستی کے پاس سے گزرا، انہیں وہاں ٹھہرنا پڑ گیا۔ بستی والوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ صحابہ کرام بستی کے باہر ٹھہر گئے۔ بستی والوں کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انہوں نے سارے علاج کر لیے مگر افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر وہ صحابہ کرام کے پاس آئے اور ماجرا سنایا۔ ایک صحابی نے فرمایا۔ میں دَم کروں گا۔ تمہارا سردار ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر تم نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کیا تھا، ہماری شرط یہ ہے کہ ہمیں اتنی بکریاں چاہییں۔ صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ سردار درست ہو گیا۔ اور بکریاں وصول کر لی گئیں۔ جب نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے بالکل ٹھیک کیا۔ بکریاں آپس میں بانٹ لو اور اس میں میرا حصہ بھی رکھنا۔ یہ فرما کہ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے (مسلم حدیث رقم: ۵۷۳۳، بخاری حدیث رقم: ۵۷۴۹، ترمذی حدیث رقم: ۲۰۶۳،

۲۰۶۴،ابن ماجۃ حدیث رقم:۲۱۵۶)۔

۸۔ قرآن کی تلاوت ادب سے باوضو،قبلہ رُخ بیٹھ کر،ٹھہر ٹھہر کر کی جائے۔

حسن قرأت عوام کے لیے لائقِ تحسین ہے جبکہ خواص زیادہ تکلف اورفن کاری سے گریز کرتے ہیں۔الفاظ پرغور وخوض اورمختلف مقامات پر حسبِ موقع دعائیں کرتے جانا، رو رو کر تلاوت کرنا اورتقریباً دوسوآیات کی روزانہ تلاوت کرنا مناسب ہے۔

۹۔ قرآن کسی قابل استاد کے پاس پڑھا جائے۔استاد کے بغیر ناظرہ، حفظ اورتفسیر میں بھاری خطا بلکہ گمراہی تک کا اندیشہ ہے۔

۱۰۔ ذاتی مطالعہ میں رکھنے کے لیے آج کے دور میں تفسیر ضیاءالقرآن اورالتبیان مناسب تفسیریں ہیں۔

علوم القرآن کے موضوع پر حضرت علامہ مفتی احمد یارخان صاحب نعیمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''علم القرآن'' قابل مطالعہ ہے۔فقیر راقم الحروف نے بھی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام''احسن البیان فی علوم القرآن'' ہے۔

اِکیسویں آیت:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کوراتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جسکے ماحول کوہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے(بنی اسرائیل:۱)۔

اس آیت میں سُبۡحٰنَ الَّذِی کا اہتمام جسمانی معراج کی دلیل ہے۔عبد کا لفظ جسم اورروح کے مجموعے پر بولا جاتا ہے لہٰذا لفظ عبد بھی جسمانی معراج کی دلیل ہے۔کفّار نے معراج کا انکار کیا تھا۔ان کا یہ انکار اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی ورنہ روحانی معراج کے انکار کا کوئی تک نہیں۔یہی قول حضرت سیدنا ابنِ عباس، حضرت جابر، حضرت انس،

حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت مالک بن صعصعۃ، حضرت ابی حبہ بدری، حضرت سیدنا ابنِ مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابنِ مسیّب، ابنِ شہاب، ابنِ زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابنِ جریج، طبری، احمد بن حنبل اوران کے علاوہ بے شمار فقہاء، محدّثین، متکلمین اور مفسّرین کا ہے رضی اللہ عنہم (الشفاء جلد ا صفحہ ۱۱۴)۔

نبی کریم ﷺ کو معراج نبوت کے بارہویں سال ہوئی۔ قرآن پاک میں دو جگہ پر معراج شریف کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں معراج شریف پر تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ جبکہ ستائیسویں پارے میں وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰیۙ (سورہ نجم ا تا ۱۸) میں معراج کی تفصیلات اور واپسی کا ذکر ہے۔

اس کے علاوہ کتبِ حدیث میں معراج کے پورے باب موجود ہیں مثلاً پاکستان کی چھپی ہوئی بخاری جلد ا صفحہ ۵۴۸ پر باب المعراج، مسلم جلد ا صفحہ ۹۱ پر باب الاسراء، مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۶ پر باب فی المعراج موجود ہے۔ تمام کتب سیرت میں بھی واقعہ معراج کی تفصیلات درج ہیں۔

معراج کے لفظی معنی سیڑھی کے ہیں اور اصطلاحاً محبوب کریم ﷺ کے حالتِ بیداری میں آسمانوں کی سیر کو جانے اور اللہ کریم سے براہِ راست ہم کلام ہونے اور دیدار سے مشرف ہونے کو معراج کہا جاتا ہے۔ جسمانی معراج نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے، آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو جسمانی معراج نہیں ہوئی البتہ روحانی معراج ہوتی رہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یَسْتَبْشِرُ بِہٖ اَھْلُ السَّمَآءِ یعنی آسمان والوں کو پہلے سے معراج النبی ﷺ کی خوشخبری سنادی گئی تھی (بخاری حدیث رقم: ۷۵۱۷)۔ اور وہ اِس انتظار میں تھے کہ کب جلوۂ محبوب دیکھنا نصیب ہو (فتح الباری کمافی حاشیۃ البخاری صفحہ ۱۱۲۰)۔

کتبِ حدیث میں جو تفصیلات درج ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حطیم یا کعبہ میں سو رہے تھے کہ حضرت جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آکر جگایا اور معراج کی خوشخبری سنائی۔ چاہِ زمزم پر لے جا کر آپ ﷺ کے سینۂ اقدس کو چاک کیا گیا۔ قلبِ اطہر نکال کر زمزم سے غسل دیا گیا۔ اس میں ایمان و حکمت بھر دی گئی اور واپس رکھنے کے بعد سینۂ اقدس کو سی دیا گیا۔ (یہ

سب کچھ نُورٌ عَلیٰ نُور کرنے کے لیے تھا۔ جیسے وضو کے اوپر وضو نُورٌ عَلیٰ نُور ہے)۔ پھر ایک سواری لائی گئی جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی۔ اس کا نام بُراق تھا۔

نبی کریم ﷺ بُراق پر سوار ہونے لگے تو اُس نے شوخی دکھائی۔ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے فرمایا کیا تم محمد کے سامنے شوخی کرتے ہو؟ اللہ کی قسم آج تک کوئی اس جیسا اللہ کا مکرم و محترم پیغمبر تم پر سوار نہیں ہوا۔ یہ سُن کر بُراق پسینے میں ڈوب گیا (الوفا صفحہ ۲۲۴)۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک پہنچے۔ راستے میں قدرتِ خداوندی کے کئی مناظر دیکھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر شریف میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب مسجدِ اقصیٰ پہنچے تو سواری کو باندھا تمام انبیاء علیہم السلام منتظر تھے۔ حضور علیہ السلام کی اقتداء میں سب نے نماز پڑھی۔ مختلف انبیاء علیہم السلام نے باری باری خطبہ دیا اور اپنے اپنے انداز سے اللہ کریم کی حمد و ثناء بیان فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِی رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیرًا وَاَنْزَلَ عَلَیَّ الفُرقَانَ فِیهِ تِبْیَانُ كُلِّ شَیءٍ وَجَعَلَ اُمَّتِی خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَ اُمَّتِی هُمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَشَرَحَ لِی صَدرِی وَ وَضَعَ عَنِّی وِزْرِی وَرَفَعَ لِی ذِكْرِی وَجَعَلَنِی فَاتِحًا وَخَاتِمًا ثُمَّ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلامُ لِلْاَنْبِیَآءِ عَلَیْهِمُ السَّلام بِهٰذَا فَضَلَكُم مُحَمَّد ﷺ كَذَا فِی الشِّفَا وَالخَصَائِصِ الْكُبریٰ

یعنی سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر حق اور باطل میں تمیز کرنے والا قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور میری اُمت کو بہترین اُمت بنایا جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے اور میری اُمت کو پہلا اور آخری بنایا ہے اور میرے لیے میرا سینہ کھول دیا ہے اور مجھ پر سے میرا بوجھ اتار دیا ہے اور میرے لیے میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے آغاز کرنیوالا اور اختتام کرنیوالا بنایا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے انبیاء علیہم السلام کو فرمایا انہی وجوہات کی بنا پر محمد تم پر فضیلت لے گئے (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰، تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۹)۔

پھر آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ ہر آسمان کے دروازے پر ایک دربان ہوتا تھا۔ وہ پوچھتا کہ کون ہے حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے کہ جبریل ہوں۔ وہ پوچھتے ساتھ کون ہے؟ فرماتے محمد (ﷺ) وہ پوچھتے کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرماتے ہاں۔ وہ مرحبا کہتے اور دروازہ کھول دیتے۔ ہر آسمان پر یہی ہوا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ (یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ معراج سوچے سمجھے منصوبے اور باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ کرائی جارہی تھی۔ اس میں میزبانانہ تکلّف کو ملحوظ رکھا گیا اور نبی کریم ﷺ کے اعزاز وتکریم کی پابندی کرائی گئی)۔

پھر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ سدرہ ایک درخت کا نام ہے جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اسکے پھل مٹکوں کی طرح ہیں۔ وہاں چار نہریں تھیں۔ دو ظاہر۔ دو باطن۔ باطنی نہریں جنت کی تھیں اور دوسری دو نہریں نیل اور فرات تھیں۔ یہی سدرہ وہ مقام ہے جہاں تک بنی آدم کے اعمال پہنچتے ہیں، جو احکام اوپر سے آتے ہیں یہیں سے وصول ہوتے ہیں اور جو اعمال نیچے سے آتے ہیں یہیں پر انتہا پذیر ہوتے ہیں۔ یہی حضرت جبریل علیہ السلام کا آخری مقام ہے۔ یہاں پر آپ ﷺ کو بُراق سے اتارا گیا اور اس سے آگے آپ ایک مخمل کے سبز تخت پر تشریف فرما ہوئے جس کا نام رَفرف ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اپنی دل لگی کے لیے فرمایا کہ اس سے اوپر بھی میرے ساتھ چلیں۔ انہوں نے عرض کیا **لَا اَقْدِرُ وَلَوْ خَطَوْتُ خُطْوَةً لَاحْتَرَقْتُ** یعنی مجھ میں اس سے آگے جانے کی ہمت نہیں ہے، اگر میں ایک قدم بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ۳۶۶)۔ پھر بیت المعمور کی طرف رَفع ہوا۔ پھر تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک میں شراب، دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ کہا گیا کہ یہی فطرت ہے۔ جس پر آپ اور آپ کی اُمت ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اللہ کریم کے دیدار کا شرف حاصل کرنے کی اجازت چاہی تو دل لگانے

اور مانوس کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں یہ الفاظ سنائے گئے، یَامُحَمَّدُ قِفْ اِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّی یعنی اے محمد ٹھہر جایئے آپ کا رب درود بھیج رہا ہے (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ۳۶۷)۔ پھر اللہ کریم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالی کا عرش پر مستوی ہونا اُس کی شان اور عظمت کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح اللہ کریم جل شانہ' نے اپنے حبیب ﷺ کو عرش پر چڑھ جانے کا شرف بخشا اور آپ ﷺ کی شان اور عظمت کا اظہار فرمایا (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ۳۷۰)۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی کی نوبت آئی یعنی نہ آنکھ ٹیڑھی ہوئی اور نہ ادب کی حد سے بڑھی۔ حبیبِ کریم ﷺ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا رَأَیْتُ نُوْرًا یعنی میں نے اللہ کو دیکھا ہے وہ نور ہے (مسلم حدیث: ۴۴۴، السنۃ لابن ابی عاصم حدیث: ۴۵۰)۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں کون سی تعجب کی بات ہے کہ خلیل ہونا ابراہیم کا حصہ ہو، کلام موسیٰ کا حصہ ہو اور اللہ کو دیکھنا محمد ﷺ کا حصہ ہو (السنۃ لابن ابی عاصم حدیث: ۴۵۱، مستدرک حاکم حدیث: ۲۱۶)۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابنِ عباس کی حدیث پر مجھے اتنا اعتماد ہے کہ میں کہتا ہوں حضور نے اللہ کو دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے۔ آپ مسلسل دیکھا ہے دیکھا ہے کہتے رہے حتیٰ کہ آپ کی سانس ٹوٹ گئی (الشفاء جلد۱ صفحہ۱۲۰)۔ اور فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوحیٰ کے راز و نیاز ہوئے یعنی اللہ نے اپنے بندے سے باتیں کیں، وہ باتیں جو بھی تھیں۔ فَعَلِمَ بِہٖ مَالَمْ یَکُنْ یَعْلَمُہٗ قَبْلَ ذٰلِکَ یعنی آپ ﷺ نے وہ سب کچھ جان لیا جو آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ۳۶۷)۔ اللہ کریم جل شانہ' نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ سے پوچھا یَا مُحَمَّدُ بِمَ اُشَرِّفُکَ؟ یعنی اے محمد میں آپ کو کون سا شرف بخشوں۔ آپ ﷺ نے عرض کیا رَبِّ بِاَنْ تَنْسِبَنِیْ اِلیٰ نَفْسِکَ بِالْعَبُوْدِیَّۃِ یعنی اے میرے رب مجھے اپنا بندہ کہہ دے۔ اسی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ کے الفاظ نازل فرمائے (تفسیر کبیر جلد۷ صفحہ۲۹۲، خازن جلد۳ صفحہ۱۵۳)۔ اس قدر انتہائی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود اپنے لیے عبد کا لفظ پسند فرمانا حبیب

ِ کریم ﷺ کی تواضع کی انتہا ہے اور اس میں اُمت کے لیے عاجزی کا سبق موجود ہے اور نبی کریم ﷺ کو معبود نہ سمجھنے کی تعلیم موجود ہے (قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۱)۔ قرآنِ مجید معراج شریف کی تفصیلات کی یوں منظر کشی فرماتا ہے۔

''نبی کریم ﷺ کو تعلیم دینے والا خود اللہ ہے جو شدید قوتوں والا ہے۔ اس زبردست ذات نے اپنے حبیب کی خاطر اہتمام کیا۔ محمد کریم ﷺ دائرۂ امکان کی بلندترین چوٹی پر تھے۔ اللہ ان سے قریب اور مزید قریب ہوا۔ حتیٰ کہ محمد ﷺ اپنے رب سے دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلے پر آ گئے۔ یہاں رب نے اپنے پیارے بندے سے راز و نیاز کی باتیں کیں۔ جو کچھ آنکھ نے دیکھا، دل نے اس کی تصدیق کی۔ اے لوگو! میرا محبوب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہے اور تم ہو کہ محض وہم و گمان اور اندازوں کی بنا پر اس سے جھگڑتے ہو؟ ایک مرتبہ تو کجا اس نے تو وہ نظارہ دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے اور ضرور دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا ہے اور ادھر ہی جنت الماویٰ بھی موجود ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ سدرہ کو انوارات و تجلیات نے ڈھانپ لیا تھا۔ مگر یہ محمد ﷺ کی نگاہوں کی ہمت ہے کہ اس طرح ڈٹ کر دیکھا کہ آنکھ بھی نہیں جھپکی اور ڈٹ کر دیکھنے کے باوجود آنکھ بے ادب بھی نہیں ہوئی۔ اسکے علاوہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں'' (تفسیری ترجمہ سورۃ النجم آیت ۵ تا ۱۸)۔

اسی دوران پچاس نمازیں فرض ہوئیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توسط سے پانچ تک کم ہوگئیں۔

آسمانوں کی سیر ہوئی۔ حکومتِ سماوی کا مشاہدہ ہوا۔ جنت اور دوزخ کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ آپ ﷺ جنت کے اندر بھی تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کون سا بہترین عمل کرتے ہیں جس کی برکت سے اللہ کریم نے آپ کو یہ مقام بخشا ہے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے آپ کے جوتوں کی آواز سنی ہے (**فَـاِنِّـیْ سَـمِـعْـتُ دَفَّ نَـعْـلَـیْـکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ**) انہوں نے عرض کیا میں جب بھی تازہ وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں (مسلم حدیث رقم: ۶۳۲۴، بخاری حدیث رقم: ۱۱۴۹، ترمذی حدیث رقم:

٣٦٨٩،مسند احمد حدیث رقم: ٨٤٢٤)۔ پھر اس طویل سفر کا اختتام ہوا۔آپ ﷺ اسی براق پر صبح کی روشنی سے پہلے پہلے واپس مکہ شریف میں تشریف لے آئے (تفسیر ابنِ کثیر جلد٣ صفحہ٢٦)۔مگر زمین پر ابھی تک وہی رات طاری تھی۔

آپ ﷺ جب اسمائے الٰہیہ کے حضور سے گزرے تھے تو انہی اسماء کے اوصاف سے متصف ہو گئے۔اسمِ رحیم سے گزرے تو رحیم ہو گئے،اسمِ غفور سے گزرے تو غفور ہو گئے،اسمِ کریم سے گزرے تو کریم ہو گئے،اسمِ حلیم سے گزرے تو حلیم ہو گئے،اسمِ شکور سے گزرے تو شکور ہو گئے حتیٰ کہ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو کمال کی انتہا تک پہنچ چکے تھے(الیواقیت والجواہر جلد٢ صفحہ٣٦٨)۔

حبیبِ کریم ﷺ نے جب یہ واقعہ بیان فرمایا تو قریش نے اس کا انکار کیا اور ثبوت کے طور پر بیت المقدس کی اشیاء اور ان کی نشانیاں پوچھنے لگے۔اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔کفار ایک ایک نشانی کے بارے میں پوچھتے جا رہے تھے اور آپ ﷺ بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر جواب دیے جا رہے تھے(بخاری حدیث رقم: ٣٨٨٦،مسلم حدیث رقم: ٤٢٨، ترمذی حدیث رقم: ٣١٣٣)۔

اس کے بعد کفّار نے کہا کہ اچھا اب کوئی راستے کا واقعہ سنائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا راستے میں روحا کے مقام پر مجھے ایک تجارتی قافلہ ملا جن کی اونٹنی گم ہو چکی تھی،وہ اس اونٹنی کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ان کی غیر موجودگی میں پانی کا ایک پیالہ بھرا رکھا تھا جسے میں نے پی لیا۔جب ان کی اونٹنی انہیں مل گئی تو وہ واپس اپنے ٹھکانے پر آ گئے۔جب وہ مکہ پہنچیں تو ان سے یہ ساری باتیں پوچھ لینا اور ان سے پوچھنا کہ جس پیالے کو تم بھرا ہوا چھوڑ کر گئے تھے واپسی پر وہ خالی تھا کہ نہیں؟(طبرانی،بغوی جلد٣ صفحہ٩٦،زرقانی جلد٦ صفحہ١٢٦)۔

آپ ﷺ نے ایک اور قافلے کے بارے میں بتایا کہ وہ قافلہ بنی فلاں کا ہے،ایک خاکی رنگ کا اونٹ سب سے آگے ہو گا جس پر دو بورے لدے ہوئے ہوں گے اور وہ صبح کے وقت مکہ پہنچ جائے گا۔صبح تک لوگ منتظر رہے ایک شخص نے کہا وہ سورج نکل آیا،دوسرے نے فوراً کہا وہ قافلہ آن پہنچا۔ولید بن مغیرہ نے یہ سب کچھ دیکھ کر کہا کہ یہ جادو ہے(بغوی جلد٣ صفحہ٩٧،

زرقانی جلد۶صفحہ۱۲۶)۔

آپ ﷺ نے ایک نشانی یہ بھی بتلائی کہ فلاں تجارتی قافلہ جوشام سے آ رہا ہے، بدھ کے دن سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے پہنچ جائے گا۔ جب بدھ کا دن ہوا تو سورج غروب ہونے لگا مگر قافلہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ کریم نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ آپکے فرمان کے مطابق غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے قافلہ پہنچ گیا (بیہقی، زرقانی جلد۶صفحہ۱۲۶)۔

بعض کفّار نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا دوست کہتا ہے کہ میں راتوں رات بیت المقدس سے ہو کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی میرے یار نے یہ بات کہی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا اگر میرے یار نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گیا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں اس سے بھی بڑی بڑی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ وہ صبح شام مجھے آسمان کی خبریں دیتا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا رہتا ہوں۔ اس کے بعد ابوبکر کا لقب صدیق پڑ گیا (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۴۶۲)۔

اللہ کریم جل شانہ نے کفّار کے اعتراضات کا رَدّ ان الفاظ سے فرمایا ہے کہ **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰىۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ** یعنی قسم ہے روشن ستارے (وجودِ محمدی) کی جب وہ معراج کے بعد زمین پر اُترے۔ تمہارے آقا نہ گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہے جو اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے (النجم ۱تا۴)۔

واقعہ معراج اختصار سے آپ نے پڑھا۔ اسے کتبِ احادیث سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لیا گیا ہے جو مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۷، ۵۲۸ پر بھی درج ہے۔

نکات

۱۔ اتنے طویل سفر کے ایک ہی رات میں طے ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کائنات کی روح ہیں۔ جب روح نکل گئی تو وقت بے جان ہو گیا۔ مرورِ زماں تھم گیا۔ اور جب روح واپس

آئی تو قصہءِ زیست پھر سے بحال ہو گیا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی دلیل ہے۔

۳۔ بُراق کا لفظ بَرق سے بنا ہے۔ بَرق کا معنی بجلی ہے اور بجلی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے (تیس کروڑ میٹر فی سیکنڈ)۔ اتنی تیز رفتاری سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ بھی لینا، پہچان بھی لینا اور یہ بھی جان لینا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں، نبی کریم ﷺ کے روحانی کمالات کا آئینہ دار ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مسجدِ اقصیٰ میں حضور ﷺ سے پہلے موجود ہونا اور آسمان پر بھی تمام انبیاء کا حضور سے پہلے پہنچ کر استقبال کرنا روح کی محیر العقول رفتار کی دلیل ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا فضا میں پرواز کر جانا اور سات آسمانوں کو چیرتے ہوئے عرش تک پہنچ جانا آپ ﷺ کی عظمت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اسلام ایک سائنٹفک مذہب ہے۔ فلسفہءِ قدیم اجرامِ فلکیہ کو کراس کرنا محال سمجھتا ہے اور فلسفہ قدیم و جدید دونوں زمین کے گرد کرہءِ زمہریر یا کرہءِ ناری کو کراس کرنا ناممکن سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ محبوب کریم ﷺ کی جسمانی معراج کو ناممکن سمجھتے رہے مگر دورِ جدید کی سائنس کی تائید اور اگر انسان واقعی چاند تک پہنچ چکا ہے تو یہ فلسفہ قدیم و جدید کے باطل ہونے کا سائنسی ثبوت ہے۔ قصیدہءِ بردہ میں ہے۔

وَ اَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِيْ مَوْكَبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

ترجمہ:۔ آپ آسمان کے ساتوں طبقات میں شگاف کرتے چلے گئے جیسے آپ کسی لشکر کی قیادت فرما رہے ہوں اور جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہو۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمازیں معاف کرانا۔ اہلِ قبور سے مدد لینے کے جواز کی دلیل ہے۔

۵۔ لباس سمیت عرش پر چلے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز حضور ﷺ کے جسم مبارک سے نسبت اور مَس حاصل کرلے وہ دنیا کی تمام اشیاء سے افضل و مشرف ہے۔ اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ آج جو جگہ نبی کریم ﷺ کے جسمِ اطہر سے چھو رہی ہے وہ عرشِ عظیم سے افضل ہے۔

تنبیہ

ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی اور فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ کی تفسیر بخاری شریف میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے کہ وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّۃِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی کَانَ مِنْہُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ یعنی اللہ ربُّ العزت اپنے حبیب کے قریب ہوا اور مزید قریب ہوا یہاں تک کہ ربُّ العزت حضور ﷺ سے دو کمان یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا، پھر اللہ نے اُس کی طرف وحی فرمائی (بخاری حدیث رقم: ۷۵۱۷)۔ نیز فَاَوْحیٰ کی ضمیر مستتر اگر حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی طرف لوٹائی جائے اور عَبْدِہٖ کی ضمیر اللہ کریم کی طرف لوٹائی جائے تو اس سے ضمائر کا انتشار لازم آتا ہے جو کسی کلام میں شدید نقص کا باعث ہے۔ معلوم ہوا کہ مرجع ضمائر ایک ہی ذاتِ خداوندی ہے۔

ثانیاً مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغیٰ میں دید و مشاہدہ کو اتنے اہتمام سے بیان فرمانا محض سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں۔ یہ تجلیاتِ ذاتِ الٰہیہ ہی کی شان ہو سکتی ہے جن کا مشاہدہ نبی کریم ﷺ فرمائیں اور قرآن اسکی منظر کشی کرے۔

ثالثاً مَا طَغیٰ کے معنی ہیں ''حد سے نہ بڑھی''۔ جبریلِ امین تو خود درِ مصطفیٰ پر بصد ادب و احترام حاضری دیا کرتے تھے۔ چشمِ مصطفیٰ پر ادبِ جبریل لازم ہی نہیں۔ پھر حد سے بڑھنا یا نہ بڑھنا کیسا؟ یقیناً یہ اللہ پاک کی ذات والاصفات کا مشاہدہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ادب کو ملحوظ رکھا۔

بائیسویں آیت:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے (فتح: ۱۰)۔

اس آیت میں اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عظیم تعلق اور کامل فنا کی بنا پر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی اے حبیب! جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں (انفال: ۱۷)۔

حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ جن سے سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں وہ جن سے دیکھتا ہے۔ میں اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ جن سے پکڑتا ہے۔ میں اسکے پاؤں بن جاتا ہوں وہ جن سے چلتا ہے (بخاری حدیث رقم: ۶۵۰۲)۔

اس لحاظ سے یہ کہنا درست ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور ولی کامل کے ہاتھ دراصل اللہ کے ہاتھ ہیں۔

مرشد کی ضرورت

اس آیت میں لفظ بیعت استعمال ہوا ہے۔ بیعت کے معنی ہیں بک جانا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت فرماتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بیعت فرمائی۔ مذکورہ آیت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ خواتین بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَبَايِعْهُنَّ یعنی (اے حبیب) عورتوں کو بیعت کریں (الممتحنہ: ۱۲)۔

نبی کریم ﷺ کے اردگرد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت موجود تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے، نیک کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے وفا کی اللہ کے ذمے اس کا اجر ہے اور جو غلطی کر بیٹھا، اگر دنیا میں ہی اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی۔ اور اگر کسی نے مذکورہ گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ قیامت کے دن اسے معاف کردے یا سزا دے۔ ہم نے اس بات پر نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس

پر بیعت کی (مسلم حدیث رقم: ۴۴۶۱، ۴۴۶۳، بخاری حدیث رقم: ۱۸، ترمذی حدیث رقم: ۱۴۳۹، سنن النسائی حدیث رقم: ۴۱۶۱، ۴۱۶۲)۔

مسلمان ہونے کے باوجود مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بیعت مسلمان بننے کے لیے نہیں بلکہ اچھا مسلمان بننے اور اخلاق وآداب سیکھنے اور قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔

تئیسویں آیت:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ یعنی نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا مالک ہے۔ اور اسکی بیویاں ان کی مائیں ہیں (احزاب: ۶)۔

مراد یہ ہے کہ دین اور دنیا کے تمام معاملات میں نبی کریم ﷺ کا حق ہماری اپنی خواہشات اور ذاتی ارادوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ کا ہر حکم ہر حال میں ہم پر نافذ ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے فیصلے کے سامنے اپنے خیالات قربان کر دیں۔ نبی کریم ﷺ ہم پر اتنے رؤف اور عاطف ہیں اور اس قدر ہماری منفعت کیلئے فکر مند ہیں کہ ہم خود بھی اپنے لیے اس قدر فکر مند نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ پوری اُمت کے روحانی باپ ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔ اسی لیے ان سے نکاح کی اجازت نہیں اور ان کی تعظیم کا ہمیں حکم ہے (مدارک جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)۔

یہاں اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کی شان میں مختصراً لکھ دینا مناسب ہے۔

اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ یعنی اے نبی کی عورتو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو (احزاب: ۳۲)۔

ازواجِ مطہرات کا عوام سے بڑھ کر درجۂ خواص پر فائز ہونا اس آیت سے قطعی طور پر

ثابت ہے۔اس کے فوراً بعدوالی آیت میں فرمایا:اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً یعنی اے نبی کے اہلِ بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ ناپاکی آپ کے قریب بھی نہ آئے اور آپکو اسطرح پاک رکھے جس طرح پاکی کا حق ہے(احزاب:۳۳)۔

اس آیت میں ازواجِ مطہرات علیہن الرضوان کو براہِ راست اہلِ بیت (گھر والیاں) کا خطاب دیا گیا ہے۔لیکن ان کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی شہزادی سیدۃ النساء، سیدنا علی المرتضٰی اور حسنین کریمین علیہم الرضوان سب اہلِ بیت میں شامل ہیں۔آپ ﷺ کی چار شہزادیاں ہیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اِم کلثوم، اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء۔یہ سب نبی کریم ﷺ کی سگی بیٹیاں تھیں جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے پیدا ہوئیں رضی اللہ عنہن (سیرت ابنِ ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۰، اصولِ کافی جلد ا صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ ایران/قم)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کالے بالوں سے بُنی ہوئی چادر اوڑھ کر نکلے، پھر حسن ابن علی تشریف لائے تو آپ نے انہیں چادر میں داخل فرمایا، پھر حسین تشریف لائے تو انہیں اُن کے ساتھ داخل فرمایا، پھر فاطمہ تشریف لائیں تو انہیں بھی داخل فرمایا، پھر علی تشریف لائے تو انہیں بھی داخل فرمایا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً (مسلم حدیث رقم:۶۲۶۱، ترمذی حدیث رقم:۲۸۱۳، ابوداؤد حدیث رقم:۴۰۳۲)۔حضرت اِم سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں بھی انکے ساتھ ہوں؟ فرمایا تیری شان اپنی جگہ پر ہے اور تو بھلائی پر ہے(ترمذی حدیث رقم:۲۸۱۳)۔

حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے دعا مانگی ہے کہ میں اپنی اُمت کے جس شخص کی بھی شادی کراؤں یا خود کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ میرے ساتھ جنت میں جائے۔اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمالی (مستدرک حاکم حدیث رقم:۴۷۲۵)۔

حضرت زید ابن ارقم ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جس نے اِن سے جنگ کی اس سے میری جنگ ہے اور جس نے

اِن سے صلح کی اس سے میری صلح ہے(ترمذی حدیث رقم:۳۸۷۰،ابن ماجۃ حدیث رقم:۱۴۵)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوکُم وَاَحِبُّونِی بِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوا اَھْلَ بَیْتِی بِحُبِّی یعنی اللہ سے محبت کرو وہ تمہیں رزق دیتا ہے اور اللہ کی خاطر مجھ سے محبت کرو اور میرے اہلِ بیت سے میری خاطر محبت کرو(ترمذی حدیث رقم:۳۷۸۹)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُرْقُبُوا مُحَمَّداً فِیْ اَھْلِ بَیْتِہٖ یعنی محمد کے اہلِ بیت میں محمد کو دیکھا کرو(بخاری حدیث رقم:۳۷۱۳،۳۷۵۱)۔

الحمدللہ آج ساداتِ کرام اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تصویر بن کر پوری دنیا میں کثرت سے موجود ہیں۔حبیبِ کریم ﷺ کی اُمت کو چاہیے کہ ساداتِ کرام زادہم اللہ عزاً وشرفاً کا احترام کریں،لیکن ساداتِ کرام کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ خود اپنے احترام کے طلبگار نہ ہوں اور نہ ہی اپنے سیّد ہونے کی وجہ سے آخرت سے بے نیاز ہوں۔اس موضوع پر ہم اپنی طرف سے کچھ عرض کرنے کی بجائے قرآن،حدیث اور ساداتِ کرام کے اقوالِ طیبات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ہماری حیثیت صرف نوکر اور ناقل کی سی ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اے حبیب اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے(الشعراء:۲۱۴)۔

جس روز یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے قریش،بنی عبدالمطلب،حضرت عباس بن عبدالمطلب،حضرت صفیہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خوف دلایا(بخاری حدیث:۲۷۵۳،۴۷۷۱،مسلم حدیث:۵۰۴،نسائی حدیث:۳۶۴۸)۔

اسی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام اہلِ بیتِ اطہار کو خصوصاً بلایا اور ہر ایک کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور خوف دلایا۔سب سے پہلے آپ نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:لَا تَتَّکِلِیْ اَنِّی بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِعْمَلِی اِعْمَلِی اِعْمَلِی ''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اس پر بھروسہ مت کرنا کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی ہوں،اچھے عمل کرو،اچھے عمل کرو،اچھے عمل کرو''اس کے بعد امیر المومنین حضرت امام حسن اور امام حسین سے فرمایا کہ اے محمد

کے جگر کے ٹکڑو اَلْجَنَّةُ لِلْمُطِيْعِ وَ اِنْ كَانَ عَبْداً حَبْشِيّاً وَ النَّارُ لِلْعَاصِى وَ اِنْ كَا نَ سَيِّداً قُرَيْشِيّاً یعنی جنت فرماں بردار کے لیے ہےخواہ وہ غلام حبشی ہواور دوزخ نافرمان کے لیے ہے خواہ وہ سیّد قریشی ہو۔اس کے بعد ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ تمہارے لیے یہی آیت کافی ہے جو تمہارے حق میں نازل ہوئی ہے کہ يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ الاية یعنی اے نبی کی ازواج تم میں سے جو کوئی کھلا ہوا جرم کرے گی، اس پر دوگنا عذاب کیا جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اس پر اہلِ بیت میں خوف کی وجہ سے ایک شور بر پا ہوگیا (سبع سنابل صفحہ ۸۸، از حضرت میر سیّد عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ الاقدس)۔

حضرت سیّدنا امام جعفر صادق قدس سرہ الاقدس فرماتے ہیں میں ہمیشہ اس بات سے خائف رہتا ہوں کہ کل بروزِ قیامت میرے جدِ کریم ﷺ اس بات پر میری گرفت نہ فرمائیں کہ تم نے میری اتباع کا حق کیوں نہ ادا کیا۔ کیونکہ اتباعِ نبوی ﷺ کا تعلق نہ نسبِ صحیح سے ہے اور نہ نسبتِ قوی سے، بلکہ اس کا تعلق اطاعت اور فرماں برداری سے ہے (کشف المحجوب صفحہ ۱۸۳ از حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش قدس سرہ الاقدس)۔

چوبیسویں آیت:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی تم بہترین اُمت ہو۔ تمہیں لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (آلِ عمران: ۱۱۰)۔

شانِ صحابہ وخلفائے راشدین علیہم الرضوان

نبی کریم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ آپ ﷺ ہی کا فیضِ ہدایت ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ خَيْرَ اُمَّةٍ (بہترین امت) کے اس لقب سے صحابہ کرام علیہم الرضوان سرِ فہرست نوازے گئے۔ انہیں اس آیت میں براہِ راست خطاب کیا گیا۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ صحابہ کرام کی فضیلت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سب سے پہلے

فرمایا كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی تعداد ایک دو تین چار نہیں بلکہ اتنی زیادہ ہے کہ اس تعداد پر امت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔معروف یہ ہے کہ صرف حجۃ الوداع کے موقع پر موجود صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔اب اس موقع پر غیر حاضر صحابہ،عورتوں اور بچوں سمیت کل صحابہ کرام کی تعداد کا اندازہ خود فرما لیجیے۔یہ سارے کے سارے خیر یعنی بہترین لوگ ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی تمہیں لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ کے پسندیدہ اور دین کی خدمت کے لیے منتخب لوگ تھے۔

اسکے بعد فرمایا:تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ صرف خود نیکی کرتے اور بُرائی سے بچتے تھے بلکہ لوگوں کو بھی نیکی کا حکم دیتے اور بُرائی سے منع کرتے تھے۔

اسکے بعد فرمایا: وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے ایمان پر اللہ تعالیٰ کی تصدیق موجود ہے۔منافق کسی انسان کو دھوکا دے سکتا ہے۔مگر دلوں کے بھید جاننے والے خالق و مالک کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا۔اور جب وہی ذات کسی کے ایمان کی تصدیق کر دے تو ایمان کی اس سے بڑی گواہی دائرہ امکان سے باہر ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا باہمی اتفاق واتحاد بھی انکے بہترین امت ہونے کا مظہر ہے۔ قرآن نے انہیں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحمدل) کا خطاب دیا ہے۔ان کی ایک زبردست خوبی یہ تھی کہ وہ ہر دوسرے بھائی کو اپنے سے بہتر اور متبرک سمجھتے تھے۔سیدنا علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے شہزادوں کے نام تبرکاً ابوبکر،عمر اور عثمان رکھے تھے۔یہ تینوں شہزادے خوبصورت جوان تھے۔حضرت عباس شہیدِ کربلہ کے سگے بھائی تھے۔حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ میدانِ کربلہ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہو گئے۔انکے اسماء گرامی تاریخ کی بہت سی کتابوں میں آج بھی درج ہیں(مثلاً جلاء العیون صفحہ ۱۹۸،بہتّر تارے صفحہ ۹۸،۱۰۷،۱۱۱)۔

قرآن کہیں مہاجرین وانصار اور ان کے پیروکاروں کو اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے

(توبہ:۱۰۰)۔کہیں صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ کے لشکر کو نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی خاطر بیعت کرنے پر اللہ کی رضا کا اعلان اور ان کے قلبی اخلاص کا پرچار کرتا ہے(فتح:۱۸)۔کہیں محمد رسول اللہ کے ساتھی قرار دے کر انہیں کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل قرار دیتا ہے(فتح:۲۹)۔کہیں ان کے صحیح ایمان اور عمل کی بنا پر ان سے خلافت کا وعدہ کرتا ہے(نور:۵۵)۔کہیں کہتا ہے کہ ''وہ ایسے مومن ہیں جیسے مومن ہونے کا حق ہے''(انفال:۷۴)۔ یہ سب سیّدِ عالم ﷺ کی نگاہِ اقدس کا فیض ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی ایسے مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا ہو(ترمذی حدیث رقم:۳۸۵۸)۔

حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔میرے بعد انہیں اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانا، جس نے ان سے محبت رکھی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن سے محبت رکھی اور جس نے اِنکے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اِن سے بغض رکھا، جس نے انہیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی اللہ اُس پر ضرور گرفت کرے گا(ترمذی حدیث رقم:۳۸۶۲)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں سوال کیا تو اللہ نے میری طرف وحی فرمائی کہ اے محمد آپ کے صحابی میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ کر مضبوط ہیں اور ہر ایک کی جُدا گانہ روشنی ہے، جس کسی نے اِن کے اختلافات میں سے کسی لائن کو بھی اختیار کر لیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں اِن میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے(مشکوٰۃ حدیث رقم:۶۰۱۸ وعزاہ الی رزین)۔تقریباً یہی حدیث احتجاج طبرسی جلد۲ صفحہ ۱۰۶ پر بھی موجود ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: اِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصحَابِی فَقُولُوا لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰی شَرِّکُمْ یعنی جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو، تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو(ترمذی حدیث رقم:۳۸۶۶)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ لِیْ مِنْھُمْ اَرْبَعَۃً اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا فَجَعَلَھُمْ خَیْرَ اَصْحَابِیْ وَفِیْ اَصْحَابِیْ کُلِّھِمْ خَیْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سواء سارے جہانوں پر ترجیح دیتے ہوئے پسند فرما لیا ہے اور ان میں سے خصوصاً میرے لیے چار صحابہ کو پسند فرمایا ہے، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ اور انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے، ویسے میرے سارے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے(الشفاء۲/۴۲، الریاض النضرۃ ۱/۴۷)۔ اس حدیث میں چار کا عدد تصریح کے ساتھ موجود ہے، اسی سے چار یار کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ اس موضوع پر ہم اہل بیت اطہار اور خصوصاً سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات و مرویات اور ان کا عقیدہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شہزادے سیدنا امام محمد بن حنفیہ سے مروی ہے: قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ، قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ یعنی میں نے اپنے والد ماجد علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر، میں نے عرض کیا پھر کون فرمایا عمر رضی اللہ عنہم اجمعین(بخاری حدیث رقم:۳۶۷۱، ابوداؤد حدیث رقم:۴۶۲۹)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے دانے کو پھاڑ کر پودا نکالا اور ایک ذرے(مالیکیول) سے انسان کو پیدا کیا، اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو میں آپ کے فرمان کی خاطر جہاد کرتا۔ اگر میرے پاس تلوار نہ ہوتی تو اپنی چادر سے ہی مخالفین پر حملہ کر دیتا اور ابوبکر کو منبر رسول ﷺ کی ایک سیڑھی بھی نہ چڑھنے دیتا۔ لیکن آپ ﷺ نے

میرے مرتبے اور ابوبکر کے مرتبے کو خوب سمجھ کر فیصلہ دیا اور فرمایا ابوبکر کھڑے ہوجاؤ اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ آپ نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ جس شخص کو ہمارا دینی لیڈر بنانے پر راضی ہیں ہم اسے اپنا دنیاوی لیڈر بنانے پر کیوں نہ راضی ہوں (صواعقِ محرقہ صفحہ ۶۲)۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکر اور عمر، نبیوں اور رسولوں کے سواء جنت کے تمام بوڑھوں کے سردار ہیں خواہ اگلے ہوں یا پچھلے (ترمذی حدیث رقم: ۳۶۶۶، ۳۶۶۵، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۹۵، المصنف لابن ابی شیبۃ ۷/۴۷۳، مسند احمد حدیث رقم: ۶۰۴، مسند ابویعلیٰ حدیث رقم: ۵۳۳، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث رقم: ۱۳۴۸)۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لَا اَجِدُ اَحَداً فَضَّلَنِیْ عَلیٰ اَبِی بَکْرٍ وَ عُمَرَ اِلَّا جَلَّدْتُهٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیّ یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل کہتا ہے۔ اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسی کوڑے ماروں گا (فضائل صحابہ امام احمد بن حنبل حدیث رقم: ۴۹، ۳۸۷، السنۃ لعبد اللہ ابن احمد حدیث رقم: ۱۲۴۲، ۱۳۲۲، السنۃ لابن ابی عاصم حدیث رقم: ۱۰۲۷، ۱۲۵۴، الاعتقاد للبیہقی صفحہ ۳۵۸، ۳۶۱، الاستیعاب صفحہ ۴۳۴، المؤتلف والمختلف للدارقطنی جلد ۳ صفحہ ۹۲، المنتقیٰ للذہبی صفحہ ۳۶۱، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۸، صواعقِ محرقہ صفحہ ۶۰، تفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۲۰۶، کنز العمال حدیث نمبر: ۳۶۱۵۲، ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۷)۔

محدث عبد الرزاق رحمت اللہ علیہ کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی۔ لیکن چونکہ خود مولا علی نے ابوبکر اور عمر کو اپنے سے افضل قرار دیا ہے لہٰذا فرماتے تھے کہ میری اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوگی کہ علی کی محبت کا دعویٰ بھی کروں اور علی کا کہنا بھی نہ مانوں (صواعقِ محرقہ صفحہ ۶۲)۔

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ مَا کَانَ مَنْزِلَةُ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ مَنْزِلَتُهُمَا السَّاعَةَ وَهُمَا ضَجِیْعَاهُ یعنی ابوبکر اور عمر کا مرتبہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کیا تھا؟ فرمایا جو مرتبہ ان کا اَب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں (مسند احمد حدیث رقم: ۱۶۷۱۴)۔

حضور غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں تمام صحابہ

میں سب سے افضل چاروں خلفائے راشدین ہیں ان چاروں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی کو فضیلت حاصل ہے(غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۵۸)۔

اس موضوع پر لکھی جانے والی اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔صواعق محرقہ، سبع سنابل کا پہلا سنبلہ، تحفہ اثنا عشریہ(از: شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ)، آیاتِ بیّنات(از: نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان رحمت اللہ علیہ)، تحفہ حسینیہ(از: حضرت علامہ شیخ الحدیث ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی رحمۃ اللہ علیہ)، ضرب حیدری(از: فقیر راقم الحروف)۔

اجماعِ اُمت

اس آیت كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ سے ہی معلوم ہوا کہ اس امت کا اکثریتی اور اجماعی فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔قرآن شریف میں امت کے اجماعی فیصلوں کو سبیل المومنین قرار دیا گیا ہے یعنی مومنوں کا راستہ(النساء:۱۱۵)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے(ترمذی حدیث رقم:۲۱۶۷، المستدرک حدیث رقم:۴۶۹)۔

۲۔ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ مَعَ الْوَاحِدِ یعنی ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے(ترمذی حدیث رقم:۲۱۶۵)۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ یعنی بے شک اللہ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا۔اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جس نے جماعت کو چھوڑا اسے آگ میں ڈالا جائے گا(ترمذی حدیث:۲۱۶۷)۔

۴۔ اِنَّ أُمَّتِيْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْإِخْتِلَافَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ یعنی میری اُمت کبھی بھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی جب تم اختلاف دیکھو تو بڑے گروہ کے ساتھ ہوجاؤ(ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۹۵۰)۔

۵۔ میں قیامت کے دن اپنی اُمت کی اکثریت پر فخر کروں گا(ابوداؤد حدیث رقم:۲۰۵۰،

نسائی حدیث رقم: ۳۲۲۷)۔

قیامت کے دن سو صفوں میں سے اسی صفیں امتِ محمدیہ کی ہوں گی (مسند احمد حدیث رقم: ۲۳۰۰۴)۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ''میرے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ایک حد سے زیادہ محبت کرنے والا جسے یہ محبت حق سے دور لے جائے گی۔اور دوسرا مجھ سے بُغض رکھنے والا جسے یہ بُغض حق سے دور لے جائے گا۔میرے بارے میں درمیانی راہ پر چلنے والے ہی صحیح ہوں گے۔ ہمیشہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔تفرقہ بازی سے ہمیشہ بچو۔ جماعت سے الگ ہونے والا شیطان کا شکار بن جاتا ہے جس طرح اکیلی بکری ریوڑ سے بچھڑ کر بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷ مطبوعہ ایران/قم)۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے **خُذُوْا بِالْمُجْمَعْ عَلَيْهِ فَاِنَّ الْمُجْمَعْ عَلَيْهِ لَا رَيْبَ فِيْهِ** یعنی جس مسئلے پر اجماع ہو اسے تھام لو، اجماعی مسئلہ میں کوئی شک نہیں ہوتا (مقدمہ اصولِ کافی صفحہ ۲)۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسی آیت **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ** کے الفاظ **تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** سے معلوم ہوا کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اس امت کا طرۂ امتیاز ہے۔

پورا قرآن مجید مختلف قسم کے اوامر اور نواہی سے لبریز ہے۔اور خصوصاً اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو فریضہ امر ونہی کی ادائیگی کا حکم ان الفاظ سے ہوا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اسلام کی طرف دعوت دے۔نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے (آلِ عمران: ۱۰۴)۔

اسی طرح حدیث شریف کا تمام ذخیرہ بھی قرآن مجید ہی کے اوامر ونواہی کی تفصیل ہے۔محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جو بھی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے اسے چاہیے کہ ہاتھ سے

روکے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی ہمت نہیں رکھتا تو پھر زبان سے روکے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا تو پھر کم از کم دل میں برا جانے۔ یہ ضعیف ترین ایمان ہے (مسلم حدیث رقم: ۱۷۷، ابوداؤد حدیث رقم: ۱۱۴۰، ترمذی حدیث رقم: ۲۱۷۲، نسائی حدیث رقم: ۵۰۰۸، ۵۰۰۹، ابن ماجہ حدیث رقم: ۴۰۱۳)۔

حدیث کی کتابوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، وعظ اور نصیحت کے ناموں سے مستقل ابواب موجود ہیں مثلاً پاکستان کی چھپی ہوئی بخاری جلد ا صفحہ ۱۶، مسلم جلد ا صفحہ ۵۱، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۰، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۹، ابنِ ماجہ صفحہ ۲۸۹، مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶، المستند صفحہ ۲۵۷ پر مذکورہ ابواب موجود ہیں۔

کتبِ فقہ کی کتاب الحظر والاباحة میں امر ونہی پر مستقل بحث ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) نے اپنی تفسیر احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۸۶ پر، حضرت امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) نے شرح مسلم جلد ا صفحہ ۵۱ پر اور حضرت مُلّا احمد جیون (م ۱۱۳۰ھ) نے اپنی کتاب تفسیراتِ احمدیہ صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ امر ونہی کے وجوب پر پوری اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

ترکِ امر ونواہی کا وبال

اللہ کی لعنت: قرآنِ مجید میں اللہ جل مجدہٗ نے یہودیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے لوگوں کو برائی سے منع کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ لعنی اللہ نے داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی بنی اسرائیل پر لعنت بھیجی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔ وہ بُرائی کرنے والوں کو بُرائی سے روکتے نہیں تھے۔ اور یہ بہت بری حرکت تھی (المائدہ: ۷۸، ۷۹)۔

اس آیت کی تفسیر میں خود محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نافرمان ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں منع کیا، لیکن وہ باز نہ آئے۔ اس کے بعد ان کے علماء نے ان سے میل جول رکھنا اور اکٹھے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی نحوست سب کے دلوں پر ڈال دی اور ان پر لعنت فرمائی (ترمذی حدیث رقم: ۳۰۴۷، ابوداؤد حدیث رقم: ۴۳۳۷، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۴۰۰۶، مسند احمد حدیث رقم: ۳۷۱۲)۔

معلوم ہوا کہ نافرمانوں کی اصلاح کے لیے کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ صرف وَمَاعَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ کہہ کر صلح کلی کر لینے کی اجازت نہیں۔

عذابِ الٰہی: محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلىٰ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدُكَ فُلَاناً لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ یعنی اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں شہر کو تباہ کر دو۔ انہوں نے عرض کیا یارب ان لوگوں میں تیرا ایک بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سمیت سب کو تباہ کر دو۔ اس نے لوگوں کو کبھی بُرائی سے نہیں روکا (شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۷۵۹۵، مشکوٰۃ حدیث رقم: ۵۱۵۲)۔

اس حدیث میں عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ مراد یہ ہے اللہ عزوجل نے امر ونہی نہ کرنے والے نیک آدمی کو عذاب دینے میں سب سے پہلے رکھا۔ باقی لوگوں کا ذکر بعد میں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مطیع اور نافرمان کی مثال ایسی ہے جیسے دو منزلہ جہاز میں لوگ سوار ہوں۔ نیچے کی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر جایا کرتے ہوں۔ یہ سوچ کر کہ بار بار اوپر جانے سے اوپر والے تنگ نہ آ جائیں، انہوں نے نیچے سے جہاز میں سوراخ کر دیا تا کہ پانی حاصل کر سکیں۔ اوپر والوں نے یہ سوچ کر انہیں منع نہ کیا کہ ہمیں کسی سے کیا غرض؟ تو اس صورت میں پورا جہاز ڈوب جائے گا اور دونوں فریق غرق ہو جائیں گے اور اگر اوپر والوں نے اس حرکت سے منع کیا تو جہاز نہیں

ڈوبے گا اور دونوں فریق ہلاکت سے بچ جائیں گے(بخاری حدیث رقم: ۲۴۹۳، ۲۶۸۶، ترمذی حدیث رقم: ۲۱۷۳، مسند احمد حدیث رقم: ۱۸۴۴۱)۔

یہی معنی قرآن مجید کی اس آیت کے بھی ہیں۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً یعنی کہ اس عذاب سے ڈرو جو تم میں سے صرف نافرمانوں کو ہی نہ پہنچے گا (بلکہ ان کے ساتھ نیک لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے)(انفال: ۲۵)۔

پھر دُعائیں قبول نہیں ہوں گی: محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يُّنْزِلَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِّنْهُ فَتَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجِيْبُ لَكُمْ یعنی اللہ کی قسم تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا پڑے گا۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کر دے پھر تم دعائیں مانگو گے مگر وہ قبول نہیں ہوں گی(ترمذی حدیث رقم: ۲۱۶۹)۔

اس حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ دو کاموں میں سے ایک کام ہو کر رہے گا۔ یا تو تم امر و نہی کرو گے یا پھر تمہارے رب کی طرف سے عذاب نازل ہوگا۔ پھر عذاب نازل ہونے کے بعد تم اللہ سے دعائیں مانگو گے تو وہ قبول نہیں ہوں گی۔

بزاز اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں کہ تم امر و نہی نہیں کرو گے تو اللہ تمہارے اوپر شریر حکمران مسلط کر دے گا۔ پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں مانگیں گے مگر وہ قبول نہیں ہوں گی(مرقاۃ جلد ۹ صفحہ ۳۳۲)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ اگر تم امر و نہی نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر شرارتی لوگوں کو حاکم بنا دے گا پھر وہ تمہیں شدید تکلیف دیں گے۔ پھر تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی(مرقاۃ جلد ۹ صفحہ ۳۳۳)۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس اُمت پر فرض ہے۔

۲۔ امر ونہی کے ترک کر دینے والوں پر عذاب نازل ہوتا ہے۔اوران پر ظالم حکمران مسلّط ہوجاتے ہیں پھرانکی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

امر ونہی کرنے والوں کے مختلف طبقات

امر ونہی کا فریضہ ایک نہایت نازک فریضہ ہے۔ یہ ہر آدمی کے بس کا کام نہیں۔غلط دوا تجویز کر دینے کی وجہ سے قدم قدم پر روحانی مریض کی موت کا خطرہ ہے۔اس کام کی نزاکت کے پیشِ نظر یہاں قدرے تفصیل سے عرض کیا جاتا ہے کہ کون سا کام کس شخص کی ذمہ داری ہےاور کس شخص پر لازم ہے کہ وہ کس معاملے میں خاموش رہے۔

۱۔خروج وانقلاب: یہ اربابِ حل وعقد کا کام ہے۔سربراہِ مملکت کے قابلِ عزل ہوجانے کے بعد اہلِ علم آپس میں رابطہ اور ساز باز کریں اور حکمران کو ہٹانے کے لیے باہمی مشورے کے ساتھ مناسب اقدام اٹھانے کا فیصلہ کریں۔یہ اہلِ حل وعقد اوران کے ساتھیوں کے لیےعزیمت ہے۔

اِذَا اُمِـرَ بِـمَـعْـصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَاطَـاعَةَ (بخاری حدیث:۲۹۵۵،۷۱۴۴،مسلم حدیث:۴۷۶۳،ابوداوٗد حدیث:۲۶۲۶،ترمذی حدیث:۱۷۰۷،ابن ماجۃ حدیث:۲۸۶۴)اور مَنْ رَایٰ مِـنْـكُـمْ مُنْكَـراً سے ثابت ہے۔اس کے لیے حاکم کا قابلِ عزل ہونا،انقلابیوں میں اہلیت کا ہونا اور پہلے سے بھی بڑے فتنے کا اندیشہ نہ ہونا شرط ہے۔جو نہایت نازک مسائل ہیں۔

امامِ اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ اکیلے آدمی کا کام نہیں۔اسے انبیاء نے بھی اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک انہیں اللہ کی طرف سے اس کا حکم نہیں ملا (احکام القرآن جلد۲ صفحہ۳۳)۔

۲۔حدود وتعزیرات کا اجراء اور اقامۃ الصلوٰۃ: یہ سرکاری سطح کا کام ہے۔حکومت پر فرضِ عین ہے۔اِن مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ (الحج:۴۱)اور اَنْ تَـحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:۵۸) سے ثابت ہے۔

۳۔جہاد بالسَّیف: جہاد فرضِ کفایہ ہے اسکی فرضیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (البقرۃ:۲۱۶) وغیرہ سے ثابت ہےاوراس کا کفایہ ہونا لَا يَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ (اِلـیٰ قَوْلِهٖ تَعَالیٰ)كُلًّا وَّعَدَ

اللّٰہُ الْحُسْنیٰ (النساء:۹۵) سے ثابت ہے۔

جہاد ایک خاص مقصد کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔ جتنے لوگوں سے وہ مقصد حاصل ہو جائے۔ انہی پر جہاد فرض ہے اور ان لوگوں کو جہاد کا حکم خود حکومت دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنوں کے ہجوم اور اندھا دھند چڑھائی کے وقت تمام مردوں اور عورتوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ (یہ نفیر عام کی صورت کہلاتی ہے)۔

جہاد کے لیے ماں باپ کی اجازت ضروری ہے (بخاری حدیث رقم: ۵۹۷۲)۔

مقروض کے لیے قرض خواہ کی اجازت اور بیوی کے لیے شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے اور ماں باپ اور شوہر کی خدمت اور قرض کی ادائیگی فرضِ عین ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد پر آنے والے کو واپس بھیج دیا (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۷۸۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ شہید کو قرض کے سوا ہر بات کی معافی ہو جاتی ہے (مسلم حدیث رقم: ۴۸۸۴)۔

نیز زراعت، تجارت، عورتوں اور بچوں اور گھروں کی دیکھ بھال جیسے اہم کاموں کیلئے مردوں کی ایک معقول تعداد کا اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں موجود رہنا عقلاً ونقلاً ضروری ہے۔

قدوری، کنز اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ **اَلْجَهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ** ۔ جہاد کے فرض کفایہ ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے۔ بے شمار احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا درجہ ہر فرضِ عین کے بعد اور تمام نوافل سے اوپر ہے اور ظاہر ہے کہ فرضِ کفایہ کا یہی درجہ ہونا چاہیے۔

احادیث شریفہ میں ذکرِ الٰہی اور نفس کے خلاف جہاد کو جہاد بالسیف سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور اسے جہادِ اکبر کا نام دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس ہر بُرائی اور کفر کی طرف مائل ہے حتیٰ کہ جہاد بالسیف سے بھی روکتا ہے، تو سب سے پہلے تو اس اندر کے موذی کو قتل کرنا پڑے گا۔ جس

کی اصلاح پر جہاد بالسیف کا دارومدار ہے۔ ورنہ سارے کام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُم میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

ایک غزوہ میں ایک شخص نے کفار کے خلاف زبردست جنگ لڑی اور زخمی حالت میں خیمے میں آ کر لیٹ گیا مگر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا "اللہ اس دین کی امداد برے آدمی سے بھی کراتا ہے" (بخاری حدیث رقم: ۴۲۰۳، مسلم حدیث رقم: ۳۰۵، دارمی حدیث رقم: ۲۵۲۰، مسند احمد حدیث رقم: ۸۱۱۰)۔

میدانِ جہاد میں ایک کافر کے سینے پر سوار شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے اس کافر کو عین اس وقت چھوڑ دیا جب اس نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا۔ اب ایک طرف جہاد بالسیف تھا اور دوسری طرف جہادِ اکبر۔ آپ ﷺ نے کافر کے خلاف جہاد پر نفس کے خلاف جہاد کو ترجیح دی۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور اپنی جان قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب کچھ بہادر کہلانے کی غرض سے کیا پھر لوگوں نے تجھے بہادر کہا۔ تم نے جو چاہا وہ تمہیں مل چکا۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (مسلم حدیث رقم: ۶۹۲۳، نسائی حدیث رقم: ۳۱۳۷)۔

اسکے برعکس صدقِ دل سے شہادت کی دعا مانگنے والا شہادت کا مرتبہ پائے گا۔ خواہ وہ اپنے بستر پر ہی مرا ہو (مسلم حدیث رقم: ۴۹۳۰، ابوداؤد حدیث رقم: ۱۵۲۰، ترمذی حدیث رقم: ۱۶۵۳، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۷۹۷)۔

یاد رکھیے! یہ کوئی ڈھکا چھپا مسئلہ نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت اور عقل وانصاف کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی بات ہے کہ "بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا"۔

یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء کرام جہادِ اکبر کے قتیل ہونے کے سبب سے زندہ ہیں۔ انکی حیات میدانِ جنگ میں مارے جانیوالوں کی حیات سے قوی تر ہے اور بخدا ایسا ہی ہے۔

جنگ کا ضابطہ: جنگ کی غرض وغایت فتنہ کا خاتمہ اور کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (انفال: ۳۹) اور لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَآءَ (مسلم حدیث رقم: ۴۹۱۹، ۴۹۲۰،

۴۹۲۲، بخاری حدیث رقم: ۲۸۱۰، ۳۱۲۶، ابوداؤد حدیث رقم: ۲۵۱۷، ۲۵۱۸، ترمذی حدیث رقم: ۱۶۴۶، نسائی حدیث رقم: ۳۱۳۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۷۸۳)۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلامی حکومت کی سربراہی میں ایک خاص منصوبہ بندی اور طے شدہ ضابطے کے مطابق کفار کے خلاف حتمی کاروائی کا نام جہاد بالسیف یا قتال ہے۔اس جہاد کی پانچ مختلف صورتیں ہیں۔

(۱)۔ دشمن اگر زبردستی کرے اور چڑھائی کردے تو اپنا دفاع کرنا۔ایسے جہاد میں طاقت کا زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ ہر حال میں دفاع فرض ہے۔اور کفار کے ہجوم کی صورت میں تمام مردوں اور عورتوں پر فرضِ عین ہے۔جیسے جنگِ خندق ہوئی تھی۔

(۲)۔ غیر اسلامی مملکت میں پھنسے ہوئے مظلوم مسلمانوں کو آزادی دلانا۔اس کے لیے طاقت کا ہونا اور مناسب وقت کا انتظار ضروری ہے جیسے فتح مکہ۔

(۳)۔ غیر مسلم اقوام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اگر اہلِ اسلام خطرہ محسوس کریں تو ان کی طاقت کو بالغ ہونے سے پہلے ہی ختم کردینا۔جیسے جنگِ بدر۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود اسلامی مملکت کے اندر غیر مسلموں کو انسانی حقوق کے نام پر بے جا مراعات دے کر آستین کے سانپ پالنا کتنی بڑی خطا ہے۔

(۴)۔ غیر مسلم ملک میں مختلف ادیان و اقوام کے لوگوں کو ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلامی نظامِ عدل فراہم کرنا۔خواہ وہ لوگ بعد میں مسلمان ہو جائیں یا نہ ہوں۔ان پر زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اس کے لیے بھی طاقت کا ہونا ضروری ہے۔جیسے فتح اندلس۔

(۵)۔ اگر اہلِ اسلام اس پوزیشن میں ہوں تو کسی دوسری وجہ کے بغیر صرف اسلام کو پھیلانے کے لیے غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط لکھے جائیں۔اگر وہ اسلام کو قبول کرلیں تو ٹھیک ورنہ انہیں جزیہ دینے اور ماتحت ہو جانے کو کہا جائے اس لیے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ یہیں پر آیت لَآ اِكْـرَاهَ فِـيْ الـدِّيْـن صحیح طور پر فٹ بیٹھی ہے۔لیکن اگر وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی جائے۔اسلام کے علاوہ تمام ادیان فتنہ ہیں اور اللہ کریم فرماتا ہے کہ فتنہ

قتل سے بھی بدتر ہے(البقرۃ:۱۹۱)۔

فتنے کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور پاگل کتے کو مار دینا۔ جہاد میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مارنا اسی لیے منع ہے کہ یہ فتنہ نہیں پھیلا سکتے۔لیکن اگر عورت کفار کی حکمران ہو تو اسے مارنا جائز ہے اس لیے کہ اب وہ فتنہ پھیلا رہی ہے۔

ایسے جہاد کے لیے بھی افرادی اور بارودی طاقت کا کفار کے مقابلے پر زیادہ ہونا اور محتاط اندازے کے مطابق فتح کا یقینی ہونا ضروری ہے۔ ورنہ عین اندیشہ ہے کہ یہ خودکشی کے مترادف نہ ہو جائے۔

حضرت خالد بن ولید ﷺ نے فارس کے لشکر کے امیر کے نام جو خط لکھا اسے پڑھیے اور اپنا ایمان تازہ کیجیے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مِنۡ خَالِدِ بۡنِ الۡوَلِیۡدِ اِلٰی رُسۡتَمَ وَ مِهۡرَانَ فِیۡ مَلَأُ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی اَمَّا بَعۡدُ !

ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اگر تم انکار کرو تو پھر جزیہ ادا کرو اور ہمارے ماتحت ہو کر رہنا قبول کرلو۔اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسی قوم ہے جنہیں اللہ کی راہ میں مرنا اتنا محبوب ہے جتنی اہل فارس کو شراب محبوب ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی

(طبرانی کبیر:۳۷۱۶،مجمع الزوائد:۹۵۹۵،شرح السنۃ حدیث رقم:۲۶۶۸)۔

جہاد کا اسلامی حکومت کی سربراہی میں ہونا ضروری ہے اگر حکومت اسلامی نظام سے غافل اور جہاد میں متساہل ہو تو اسے خطوط اور وفود کے ذریعے اس امر پر آمادہ کیا جائے اور جہاد ان قواعد وضوابط کے مطابق کیا جائے جن کی تفصیل اسلام نے فراہم کردی ہے۔کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے فتنہ ختم ہونے کی بجائے پہلے سے بھی زیادہ ہو جائے اور کلمۃ اللہ کے بلند ہونے کی بجائے اسلام کی رسوائی ہو۔جذبات میں آ کر نعرے لگا دینا آسان ہے مگر ہر حکمِ خداوندی کی کماحقہٗ

پاسداری ذرا مشکل ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیحت کرنے والا خارجی بھی اپنی دانست میں کلمۂ حق کہہ رہا تھا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف تلوار اٹھانے والے بھی نعرۂ تکبیر ہی بلند کر رہے تھے۔

جنگ کے دوران کفّار پر خودکُش حملہ کر دینا جائز ہے اور یہ جنگی تدبیر کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح فضائی فوج میں خودکُش سکواڈ (suicide squadron) تیار رکھنا بھی جائز ہے لیکن کسی مسلمان پر یا علماء اور عوام پر خودکُش حملہ یا عام قاتلانہ حملہ کر دینا جائز نہیں، خواہ وہ عوام غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں یا اُن کا تعلق کسی بھی فرقے سے کیوں نہ ہو۔

عوام کے جذبۂ جہاد سے فائدہ اٹھا کر عوام کے ہاتھوں میں براہِ راست اسلحہ دے دینا جائز نہیں۔ قتل کا بدلہ قتل، چور کی سزا، زانی کی سنگساری اور مرتد کا قتل سب حکومت کے کام ہیں۔ اگر عوام کے لیے کسی کافر یا مرتد کو قتل کرنا جائز ہوتا تو ہم نے منکرینِ ختمِ نبوت کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہوتی۔ ملک میں فتنہ پھیل جائے تو اسلحہ پر پابندی لگا دینا جائز ہے۔ وَيَكْرَهُ بَيْعُ السَّلَاحِ فِي اَيَّامِ الْفِتْنَةِ (قدوری صفحہ ۲۳۶)۔

منکرینِ جہاد کا انجام: حدیث شریف میں ہے کہ جہاد قیامت تک سرسبز و شاداب رہے گا۔ جلد ہی مشرق سے ایک گروہ اٹھے گا جو کہے گا کہ اللہ کی راہ میں جہاد بند ہو چکا ہے وہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں۔ حالانکہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا جہاد ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور تمام اہلِ زمین کا صدقہ دینے سے بہتر ہے (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۲۸)۔

اس حدیث میں منکرینِ ختمِ نبوت کی واضح نشاندہی موجود ہے جن کا مرکز، مدینہ شریف سے سیدھا مشرق میں ہے اور وہ واقعی جہاد کے منکر بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاد سرکاری سطح کا کام ہے جسے حکومت حکم دے اس پر فرضِ عین ہے۔ جہاد کی ضرورت اور صورتحال کے مطابق حکومت کم یا زیادہ لوگوں کو حکم دے سکتی ہے۔ نفیرِ عام کی صورت میں تمام مردوں اور عورتوں پر فرضِ عین ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وغیرہ سے ثابت ہے۔

۴۔کلام ومناظرہ وتردیدِ باطل: یہ اُمت کی تنظیمی سطح کا کام ہے۔فرضِ کفایہ ہے۔ وَلْتَکُنْ مِّنْ کُمْاُمَّۃٌ (آلِ عمران:۱۰۴)اور وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ(النحل:۱۲۵) سے ثابت ہے۔

۵۔تفقہ فی الدین اور فقہی راہنمائی: یہ علاقائی، مدنی اور دیہی سطح کا کام ہے۔ یہ بھی فرضِ کفایہ ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَائِفَۃٌ(التوبۃ:۱۲۲) سے ثابت ہے اس کا تعلق اپنوں کی اصلاح سے ہے۔

۶۔اپنی رعایا اور اہل وعیال کو امر ونہی: یہ انفرادی سطح کا کام ہے ہر شخص پر فرضِ عین ہے۔ قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً(تحریم:۶)اور حدیث کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (بخاری حدیث رقم:۲۴۵۹،۲۵۵۴،۲۵۵۸،۲۷۵۱،۵۱۸۸،۵۲۰۰،۷۱۳۸،ابوداؤد حدیث رقم:۲۹۲۸) سے اسکی فرضیت ثابت ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کو، افسر اپنے ماتحتوں کو، استاد اپنے شاگردوں کو اور حکومت اپنی رعایا کو امر ونہی کرے۔

۷۔مِن وعن ابلاغ: یہ ہر کسی کے لیے مستحب ہے۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً سے ثابت ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ رٹی رٹائی بات آگے کر دی جائے یا مستند کتاب پڑھ کر سنا دی جائے۔

جاہل آدمی کا قرآن کی تفسیر یا حدیث کی شرح بیان کرنا سراسر ناجائز ہے۔ ایسے کام کیلئے عربی دانی، ناسخ ومنسوخ وغیرہ کا علم بہت ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جہلاء کی فتویٰ بازی کو قیامت کی نشانی قرار دیا ہے۔ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی کریں گے (بخاری حدیث:۱۰۰،۷۳۰۷، مسلم حدیث:۶۷۹۶، ترمذی حدیث:۲۶۵۲، ابن ماجۃ حدیث:۵۲)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان جاہل مبلغین کو مساجد سے نکال دیتے تھے۔

۸۔ظاہر اور واضح معروف ومنکر کا ہر کسی کو امر ونہی: یہ انفرادی سطح کا کام ہے۔ عام طور پر مطلق امر ونہی سے یہی مراد لیا جاتا ہے۔ اسکا تعلق اپنی رعایا کے علاوہ دوسرے عام لوگوں کو

امرونہی کرنے سے بھی ہے۔اسکا حکم مَنْ رَایٰ مِنْکُمْ مُنْکراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ (الحدیث) میں دیا گیا ہے۔فقہ کی کتابوں میں امرونہی کے اس خاص پہلو پر بحث ملتی ہے۔فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ امر بالمعروف کئی طریقوں سے ہوتا ہے۔اگر گمان غالب ہو کہ لوگ اسکی بات مان لیں گے تو اس صورت میں امرونہی واجب ہے۔اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ لوگ اسے بدنام کریں گے، گالیاں دیں گے، دشمنی کھڑی ہو جائے گی اور مار کھائے گا تو کم ہمت آدمی امر بالمعروف نہ کرے تو بہتر ہے اور اگر ہمت والا ہو تو امر بالمعروف کر سکتا ہے، اسے مجاہد سمجھا جائے گا۔اگر گمان غالب ہو کہ لوگ بات نہیں مانیں گے لیکن نقصان بھی نہیں پہنچائیں گے تو اسکی مرضی ہے کہ امر بالمعروف کرے یا نہ کرے۔لیکن کرنا افضل ہے (فتاویٰ عالمگیریہ جلد۵ صفحہ۳۵۲، ۳۵۳)۔ایسا شخص جب امر بالمعروف کرنے لگے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(ا) اخلاص: ۔حدیث شریف میں ہے کہ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے (مسلم حدیث رقم: ۴۹۲۷، بخاری حدیث رقم: ۱، ۵۴، ابوداؤد حدیث رقم: ۲۲۰۱، ترمذی حدیث رقم: ۱۶۴۷، نسائی حدیث رقم: ۷۵، مسند احمد حدیث حدیث رقم: ۱۶۹)۔قیامت کے روز ایک شخص اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیری نیت یہ تھی کہ لوگ تجھے عالم اور قاری سمجھیں اور لوگوں نے تجھے عالم اور قاری سمجھا بھی۔جو تو نے چاہا وہ تجھے مل چکا۔فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے ناک کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں گرا دو (مسلم حدیث رقم: ۶۹۲۳، نسائی حدیث رقم: ۳۱۳۷)۔

(ب) حصولِ علم: ۔علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۲۴)۔

کتبِ حدیث میں عموماً اخلاص و ایمان کے بعد علم کی بحث ملتی ہے۔بعض بزرگوں نے اپنی معرکۃ الآراء کتابوں کا آغاز ہی علم کی بحث سے فرمایا ہے۔مثلاً داتا ہجویری علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب کا آغاز اور امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء العلوم کا آغاز علم کی بحث سے کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو علم کی زیادتی طلب کرنے کا حکم ہوا ہے۔وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً دعا کرو

کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما (طٰہٰ:۱۱۴)۔

اگر علم کے بغیر کوئی شخص امر و نہی شروع کر دے تو عین ممکن ہے کہ امر کے موقع پر نہی اور نہی کے موقع پر امر کر ڈالے یا نرمی کے موقع پر سختی اور سختی کے موقع پر نرمی کرے یا غلط اور جذباتی فیصلے کرتا رہے۔ خصوصاً عوام الناس کا علماء کو تبلیغ کرنے بیٹھ جانا تباہ کن اور دین شکن حرکت ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ "عوام میں سے کسی آدمی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ قاضی، مفتی اور عالم کو تبلیغ کرے۔ اس لیے کہ یہ بدتمیزی ہے اور علمی باریکیوں کو عام آدمی سمجھ بھی نہیں سکتا (فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)۔

(ج) عمل: ۔ علم کے مطابق عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ (البقرہ:۴۴) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیا ہے؟

حدیثِ پاک میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے شریر آدمی وہ ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہو (دارمی حدیث رقم: ۲۶۷)۔

آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْماً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ یعنی اے اللہ مجھے اس علم سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے علمِ نافع سکھا اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور میں اہل نار کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں (ترمذی حدیث رقم: ۳۵۹۹، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۸۳۳)۔

علم کے مطابق عمل کرنے سے مبلّغ کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے اور اسکی شخصیت دوسروں کے لیے نمونہ بن جاتی ہے۔

(د) بدکلامی سے پرہیز: ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ** یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہیں اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے اٹھ کر

چلے جاتے (آلِ عمران:۱۵۹)۔

حدیث شریف میں ہے کہ عالم علم وادب سے وعظ کرتا ہے اور جاہل آدمی مار پیٹ اور سخت کلامی سے کام لیتا ہے (سرالاسرار:۸۴)۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے پانی منگوا کر مسجد دُھلوادی اور دیہاتی کو بعد میں آرام سے سمجھا دیا (مسلم حدیث رقم:۶۶۱، بخاری حدیث رقم:۲۱۹، ۶۰۲۵، ۶۱۲۸، نسائی حدیث رقم: ۵۳، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۵۲۸)۔

(ھ) تعلیم میں تدارج:۔ کسی نومسلم پر بیک وقت تمام اعمال کا بوجھ نفرت کا باعث بن سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں تبلیغ کے لیے بھیجا تو یوں ہدایت فرمائی کہ اہل کتاب کو پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ اسے مان لیں تو پھر پانچ نمازوں کا حکم سنانا۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو پھر زکوٰۃ کا حکم سنانا۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو پھر زکوٰۃ لیتے وقت ان کا اچھا اچھا مال نہ لے لینا اور مظلوم کی آہ سے ڈرنا۔ مظلوم کی آہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا (بخاری حدیث رقم: ۲۳۷۲)۔

(و) ہمہ وقتی اور لمبی تقریر سے پرہیز:۔ نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو کبھی کبھی وعظ فرماتے اور ان کے تھک جانے کا خیال رکھتے تھے (بخاری حدیث رقم:۷۰)۔

حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ ہر روز وعظ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ میں تقریر کرتا رہوں اور لوگ تھک جائیں۔ میرا طریقہ وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا (مسلم حدیث رقم:۷۱۲۹، بخاری حدیث رقم:۷۰)۔

حتیٰ کہ امام کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ بیمار، ضعیف اور حاجت مند لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے قرأۃ لمبی نہ کیا کرے (بخاری حدیث رقم: ۹۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۶۱۱۰، ۷۱۵۹، مسلم حدیث رقم: ۱۰۴۴، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۹۸۴)۔

(ز) جہلاء سے مت الجھیں:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا یعنی میرے بندے وہ ہیں کہ اگر ان سے جاہل بحث کریں تو سلام کہہ کے ٹال دیتے ہیں (فرقان:٦٣)۔

(ح) لوگوں کی سمجھ سے بالاتر بات نہ کریں:۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نااہل کے سامنے علم کی بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گلے میں جواہر، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دیا جائے (ابن ماجہ حدیث رقم: ۲۲۴)۔

نیز فرمایا اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق پیش آؤ (ابو داؤد حدیث رقم: ۴۸۴۲)۔

(ط) فقہی اختلافات کو ہوا نہ دیں:۔ اگر عوام علماء کے فقہی اختلافات دیکھیں تو ان میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں اور تنفّر کو فروغ ملتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو خوش رکھو متنفر مت کرو، آسانی پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو، ایک جیسی بات کرو اختلاف نہ کرو (مسلم حدیث رقم: ۴۵۲۶، بخاری حدیث رقم: ۳۰۳۸، مسند احمد حدیث رقم: ۱۹۷۲۱)۔

(ی) بحث کا طریقہ:۔ حتی الوسع گریز کے باوجود اگر کسی سے بحث کرنا ہی پڑ جائے یا حکمت و مصلحت، بحث و مناظرے ہی کی متقاضی ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ یعنی اچھے طریقے سے رَدّ کریں۔ یہ انداز اپنائیں کہ جیسے آپ کا مخالف آپ کا جگری دوست ہو (حم:۳۴)۔

مناظرے میں مخالف کے رویے، پاس بیٹھی ہوئی عوام کی نفسیات اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی ضرورت کا لحاظ بہت ضروری ہوتا ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ میں اسی کا ذکر ہے۔

(ک) کسی کو کافر کہنے میں جلدی نہ کریں:۔ سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والے کو کفر اور ایمان کی تعریف کا بخوبی علم ہو۔ اسکے بعد کسی کے قول کے بارے میں مکمل

حسنِ ظن سے کام لے کر اس میں صحت کا پہلو تلاش کرنا چاہیے تا کہ وہ شخص کفر کے فتوے سے بچ نکلے۔ اگر کسی قول کے سو معنی بنتے ہوں، جن میں سے ننانوے معنی کفریہ ہوں اور ایک معنی درست بنتا ہو تو ایسے قول پر کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کافر کہا اور وہ فی الواقع کافر نہ ہو تو یہ کفر اسکی اپنی طرف لوٹ آئے گا (مسلم حدیث رقم: ۲۱۶، بخاری حدیث رقم: ۶۱۰۴، ترمذی حدیث رقم: ۲۶۳۷)۔

(ل) تبلیغ کو نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کریں: ۔ مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تبلیغ کے نتائج پر نظر رکھے۔ جذباتی باتوں اور غلط طریقۂ کار کے ذریعے مبلّغ اپنا کلیجہ تو ٹھنڈا کر سکتا ہے مگر تبلیغ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

(م) نرمی اور سختی کے مواقع: ۔ مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ موقع کی مناسبت سے نرم یا سخت رویہ اختیار کرنے پر دسترس رکھتا ہو۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کب ہاتھ کا استعمال کرنا ہے، کب زبان کا استعمال کرنا ہے، کب خاموش رہنا ہے اور کب صرف اپنے موڈ سے اگلے کو احساس دلانا ہے۔ حضرت انس ﷜ فرماتے ہیں کہ میں دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا، آپ ﷺ نے مجھے ایک بار بھی نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا (مسلم حدیث رقم: ۶۰۱۴، بخاری حدیث رقم: ۶۰۳۸)۔

اس کے لیے فرض، واجب، سنت، مستحب اور مباح وغیرہ شرعی احکام کا فرق جاننا بھی ضروری ہے تا کہ حکم کی سختی اور نرمی کے مطابق تبلیغ میں بھی سختی اور نرمی کی جا سکے۔

مثلاً نبی کریم ﷺ کا لباس مبارک، کھانا، پینا، نشست و برخاست، سونا جاگنا، طب اور زراعت کا طریقہ۔ یہ سب چیزیں سننِ زوائد ہیں۔ یہ سب مستحبات کے حکم میں ہیں۔ ان پر سختی کرنا مغزِ شریعت اور روحِ تبلیغ کے منافی ہے۔

حضرت مُلّا احمد جیون رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت کی ایک قسم سنتِ زائدہ ہے۔ اسکے ترک سے برائی لازم نہیں آتی۔ نبی کریم ﷺ کا لباس اور نشست و برخاست کا طریقہ اسی

زمرے میں آتے ہیں۔ یہ سب کام نبی کریم ﷺ نے عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کے طور پر کیے ہیں (نورالانوار صفحہ ۱۷۱)۔

شامی میں ہے کہ سنتِ زائدہ مستحب کے حکم میں ہوتی ہے (شامی جلد ا صفحہ ۷۶)۔

مستحب کا جان بوجھ کر ترک کر دینا بھی جائز ہوتا ہے بلکہ مکروہِ تنزیہی بھی جائز ہی کی اقسام سے ہے حتیٰ کہ بیانِ جواز کے لیے مکروہ تنزیہی کا جان بوجھ کرارتکاب مسنون ہے۔

جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جان بوجھ کر صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے کپڑا پاس ہونے کے باوجود ایک کپڑے میں نماز کیوں پڑھی؟ فرمایا میں نے یہ اس لیے کیا کہ تیرے جیسا احمق دیکھ لے (بخاری حدیث رقم: ۳۵۲)۔

دراصل یہ کام اتنا مشکل ہے کہ کسی مدرسے سے فارغ التحصیل ہونا بھی اسکے لیے ناکافی ہے۔ چہ جائیکہ ہر کس و ناکس اسلام کے سر پر دستِ شفقت رکھنے کے لیے اس کی تبلیغ شروع کر دے۔ اس کا تعلق حکمت سے ہے جو سالہا سال تک آداب سیکھے اور زانوئے مریدی طے کیے بغیر کسی کے خُلق میں داخل نہیں ہوتی۔

(ن) دعائے نصرت:۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ: ۲۸۶)۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آلِ عمران: ۱۷۳) اور وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل: ۸۰) خاص طور سے امر و نہی کے موضوع پر وارد ہوئی ہیں۔

(س) دل برداشتہ نہ ہوں اور تگڑے رہیں:۔ مُبلّغ کو چاہیے کہ ثابت قدم اور مستقیم رہے۔ اپنا کام پوری ہمت سے کرتا جائے لیکن اگر اس کی مکمل کوشش کے باوجود کوئی شخص ٹھیک نہ ہو تو دِل برداشتہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ (بقرہ: ۲۷۲) ان کو ہدایت دے کے ہی چھوڑنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

پھر فرماتا ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شعراء: ۳) کہ اے محبوب! کیا آپ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔

اسلامی حکومت کا قیام

اسلام میں سیاست کی اہمیت

اجتماعی اور معاشرتی زندگی کا نصب العین حاصل کرنے کے لیے سیاست کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ سیاست صحیح اسلامی اصولوں پر گامزن ہو۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات اور مجاہدات اور اصلاحِ نفس کے ذریعے اللہ کریم کی معرفت عطا کرنے کے علاوہ ایک صحیح ترین اسلامی معاشرہ اور نظامِ حکومت بھی قائم کر کے دکھایا۔ اور ایسے معاشرے کی سرحدوں کو وسعت دینے اور دین کی تبلیغ کے لیے مختلف بادشاہوں کو خطوط تک لکھے اور اگر حتمی کارروائی کے طور پر جنگ بھی لڑنا پڑی تو اس سے بھی گریز نہیں فرمایا۔ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ بے شمار شرعی احکام ایسے ہیں جو حکومت کے قیام پر موقوف ہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۳)۔ سیاست عربی کا لفظ ہے۔ جو ملکی تدابیر اور معاشی استحکام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ: **كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ** یعنی بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آ جاتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے (بخاری حدیث: ۳۴۵۵، مسلم حدیث: ۴۷۷۳)۔

اسلامی حکومت کا قیام کیوں ضروری ہے؟

اللہ کریم جل شانہ کا ارشادِ گرامی ہے: **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعاً بَصِيْراً۔**

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت کے حقداروں کو ادا کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا

ہے، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (النساء: ۵۸)۔

یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین آیات میں شمار ہوتی ہے اس میں اسلام کے سیاسی نظام کا مکمل ڈھانچہ اور خدوخال مذکور ہیں۔

اِنَّ حرفِ تاکید ہے، اسکا معنی ہے بے شک۔ تاکید کرتے ہوئے بات شروع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ بیان ہونے والے حکم کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں بٹھادی جائے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُکُمْ (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے) یَأْمُرُ امر سے ہے۔ امر کا معنی ہے حکم دینا۔ اسی سے اِمَارَۃ بنا ہے یعنی حکمرانی۔ حدیث کی کتابوں میں سیاست کے ابواب کو ابواب الامارۃ کہا جاتا ہے۔ متحدہ عرب امارات میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں یَامُرُکُم سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی امر اور اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالی جل شانہ کا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت کے الفاظ اَطِیْعُوا الرَّسُولَ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی اختیارات عطا کیے جانے کی وجہ سے اقتدارِ اعلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی ہے۔

گویا یوں کہنا چاہیے کہ اقتدارِ اعلیٰ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے۔ اسی یَامُرُکُم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امارت اور سیاست کے احکام اللہ تعالیٰ نے خود عطا فرمائے ہیں۔ اب جو شخص بھی ان احکام کی بجائے کوئی دوسرا نظام رائج کرے گا، وہ اللہ رسول کی امارت کے مقابلے پر اپنی ذاتی آمریت کا دعویدار ہوگا۔ خواہ وہ کسی جرنیل کی طرح شخصی طور پر آمر ہو یا جمہوریت کے نام سے متعدد اشخاص کو اپنی آمریت میں حصہ دار بنا لے۔ امر کے لفظ میں یہ ساری باتیں پوشیدہ ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ امر کی جگہ کوئی دوسرا لفظ بھی استعمال فرما سکتا تھا۔ جیسا کہ دوسری عبادات اور احکام فرض کرنے کے لیے اسکا طریقہ ہے۔ مثلاً کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ، تم پر روزے فرض کردیے گئے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ تم پر جہاد فرض کردیا۔ وغیرہ۔ یہاں بھی فرما سکتا تھا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اَنْ تُوَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھْلِھَا لیکن یہاں اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُکُمْ فرما کر انسانی آمریت کی نفی کرنا مقصود تھا اور شرعی اِمارت کی تاکید منظور تھی۔

اَنْ تُوَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھْلِھَا (کہ امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کرو) ان الفاظ

میں امانت سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ صحابی کو امانت کے ضائع ہونے کی سمجھ نہ آئی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ امانت کے ضائع ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلیٰ غَیرِ اَھْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ جب امارت نا اہلوں کے سپرد کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا (بخاری حدیث: ۵۹)۔

عورت کی حکمرانی کے بارے میں فرمایا: وَاِذَا كَانَتْ اُمَرَآءُ كُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَآءُ كُمْ بُخَلَآءَ كُمْ وَاُمُورُكُمْ اِلیٰ نِسَآءِ كُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا یعنی جب تمہارے امراء شرارتی ہوں اور تمہارے غنی لوگ بخیل ہوں اور عورتیں تمہاری حکمران ہوں تو تمہارے لیے زندہ رہنے کی بجائے مر جانا بہتر ہے (ترمذی حدیث: ۲۲۶۶)۔

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر کے مناسب ترین خلیفہ ہونے کے لیے دلیل کے طور پر فرمایا تھا اَنْتَ سَيِّدُنَا وَ خَيْرُنَا وَ اَحَبُّنَا اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی آپ ہم سے افضل ہیں ہمارے سردار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پیارے ہیں (بخاری حدیث: ۳۶۶۸)۔

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خود امامت کے مصلّٰی پر کھڑا کیا تھا، تو جو شخص ہمارا دین کا امام ہے وہ دنیا کا امام کیوں نہ بنے (صواعق محرقہ صفحہ ۶۲)۔

ان تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ بہترین حکمران کا انتخاب اور ووٹ کا صحیح استعمال اہل اسلام پر لازم ہے اور یہ اس امانت کی پہلی شق ہے جسے اللہ کریم نے سورۃ النساء میں بیان فرمایا ہے۔ امانت کی ادائیگی کے دوسرے بے شمار پہلو ہیں مثلاً:

(۱)۔ حکمرانوں کا اپنی رعایا کے حقوق ادا کرنا، (۲)۔ رعایا کا اپنے حکمرانوں کے حقوق ادا کرنا، (۳)۔ عام امانتوں کی ادائیگی، (۴)۔ ہر شخص کی رعایا کا ہونا اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جانا، (۵)۔ صوفیا کا اپنی ذات کو خدا کی امانت سمجھتے ہوئے اسے اللہ کے سپرد کرکے اپنی نفی کرنا وغیرہ۔ لیکن یہ ساری تفصیلات اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

الغرض اسلامی حکومت کا قیام مندرجہ ذیل وجوہ سے ضروری ہے۔

۱۔ انسانی فلاح کے لیے انسان کا اپنا بنایا ہوا نظام نہیں بلکہ خدا کا دیا ہوا نظام ضروری ہے۔

۲۔ سیاست سنتِ انبیاء ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عظیم سنت ہے۔

۳۔ اسلامی حکومت کا قیام غیر مسلموں کو اسلام کی موثر تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

۴۔ ملک میں شرعی احکام اور قوانین کا نفاذ، اسلامی حکومت کے قیام پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہ لوگ کافر ہیں (المائدہ:۴۴)، وہ لوگ ظالم ہیں (المائدہ:۴۵)، وہ لوگ فاسق ہیں (المائدہ:۴۷)۔

جہاد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے

اس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ جہاد کا ایک کمانڈ کے تحت ہونا ضروری ہے۔ اگر انفرادی اور ذاتی سطح پر جہاد بالسیف جائز ہوتا تو بخدا ہم خود اس میں ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ انفرادی تنظیموں کا اور افراد کا جہاد بہت سارے فسادات کو مستلزم ہو سکتا ہے۔ ایسی تنظیمیں بعض اوقات آپس میں الجھ سکتی ہیں، بعض اشخاص اپنے ذاتی مفادات اور ذاتی دشمنیوں کے لیے اسلحہ استعمال کر سکتے ہیں اور بعض اوقات کسی غیر محتاط واردات کی وجہ سے لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں اور کبھی کسی کی انفرادی غلطی کا خمیازہ پوری امت کو بھگتنا پڑ سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَرَآئِہٖ وَ یُتَّقیٰ بِہٖ یعنی بے شک حکمران ڈھال ہوتا ہے، ان کی آڑ میں جنگ لڑی جاتی ہے اور اسی کے پیچھے چھپا جاتا ہے (بخاری حدیث:۲۹۵۷، مسلم حدیث:۴۷۷۲)۔

انہی عقلی اور شرعی ضروریات کے پیشِ نظر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَ لَیْسَ فِی عُنُقِہٖ بَیْعَةٌ مَاتَ مِیتَةً جَاھِلِیَّةً یعنی جو شخص مر گیا اور مرتے دم تک اس کی گردن میں (حکمران کی) بیعت کا پٹہ نہیں تھا وہ جہالت کی موت مرا (مسلم حدیث:۴۷۹۳)۔

معروف درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے کہ اَلْاِجْمَاعُ عَلیٰ اَنَّ نَصْبَ الْاِمَامِ وَاجِبٌ یعنی اس پر اجماع ہے کہ صحیح حاکم کو مقرر کرنا واجب ہے (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۳)۔

عیسائی مذہب میں چونکہ مذہبی حکومت کے قیام کیلئے کوئی احکام موجود نہ تھے اور یہ مذہب صرف چند عبادات اور رسوم تک محدود مذہب تھا، لہٰذا پادریوں کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا، حتیٰ کہ پادری کو شادی تک کرنیکی اجازت نہ تھی اور اگر بعض پادریوں نے اس غیر تمدنی (Anti Social) نظام سے بغاوت کرتے ہوئے حکومت کو ہاتھ لگایا تو ان کے مشن کو پاپائیت کہہ کر ٹھکرا دیا گیا۔

اس کے برعکس اسلام ایک ہمہ پہلو دین ہے جس میں انفرادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل تعلیمات موجود ہیں۔ عیسائیوں نے اسلام کے مقابلے پر اپنی شکست کا حل یہ تلاش کیا کہ اسلام میں پاپائیت کی جگہ ملائیت کی اصطلاح کا شوشہ چھوڑ دیا۔

آپ پاکستان کے سابقہ حکمرانوں کی فہرست اٹھا کر دیکھ لیجیے، تقریباً سب کے سب کرسچین مشنری سکولوں اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے ہیں، جہاں ان کے دماغوں میں صرف یہ ایک پاپائی تعلیم بٹھائی جاتی ہے کہ دین اور سیاست جدا جدا ہیں۔ لیکن یاد رکھو:

نہ ہو جب تک نظام مصطفیٰ کی فُل حکمرانی
سیاست آمریت ہے تو ایسا دین راہبانی
نہ جب تک جان چھوڑیں گے یہ مشنریوں کے پروردہ
ہزاروں روپ بدلے گی یہ مغرب کی مسلمانی

احساسِ ذمہ داری

ہمارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور اب تبلیغ و ترویج دین کی تمام تر ذمہ داری اس امت پر ڈال دی گئی ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (تم بہترین امت ہو) کے اعزاز کی علت یہ ہے کہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی تمہیں لوگوں کی خاطر بنایا گیا ہے۔ جس کی تفصیل تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں دے دی گئی ہے اسی لیے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کو مؤخر کر کے بیان کیا گیا ہے کہ یہ اس امت کو تمام امتوں سے افضل قرار دینے کی علت نہیں۔

نیز اب چونکہ سلسلۂ انبیآء بھی منقطع ہے، لہٰذا اب انبیاء والی ذمہ داری بھی اس امت کے علماء و صلحاء پر ڈال دی گئی ہے۔ اسی لیے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِنَّهٗ لَانَبِیَّ

بَعْدِیْ وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں بلکہ اب خلفاء ہوا کریں گے جو سیاسی ذمہ داریاں سنبھالیں گے (بخاری حدیث:۳۴۵۵، مسلم حدیث:۴۷۷۳)۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امتِ مسلمہ پر ڈالی گئی اس ذمہ داری کا احساس کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی صحابی نے اپنی زوجہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ اس طرح طلاقیں تین ہی واقع ہو جاتی ہیں مگر طلاق دینے کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ (نسائی حدیث:۳۴۰۱)۔ آپ ﷺ کا جلال فرمانا اور ایسے الفاظ استعمال فرمانا صاف بتا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذمہ داری کا احساس تھا۔

اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی منکرینِ زکوٰۃ و مرتدینِ اسلام کے خلاف جب تلوار اٹھائی تو فرمایا: اَیَنْقُصُ وَ اَنَا حَیٌّ کیا دین میں نقص واقع ہو جائے گا جب کہ میں زندہ ہوں؟ (مشکوٰۃ حدیث:۶۰۳۴)۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ میں بھی احساس ذمہ داری اور دین کی غیرت دوپہر کے سورج کی طرح چمک رہی ہے۔

آج جب تک اہل اسلام میں اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس اجاگر نہیں ہوگا ہمارا ایک قدم ترقی کرنا بھی ناممکن ہے۔

سیاسی انقلاب کا شرعی طریقہ

جہاں تک ہو سکے حکمرانوں سے درگزر کرو

امت کی شیرازی بندی، اتحاد کی برقراری اور فسادات سے بچنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِی أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ۔

ترجمہ میرے بعد تم لوگ ایسے ایسے حالات دیکھو گے اور تمہیں ایسے معاملات پیش آئیں گے

جوتمہیں برے لگیں گے اور تم ان کا انکار کرو گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا: تم حکمرانوں کا حق ادا کرتے رہو اور اللہ سے اپنے حق کے لیے دعائیں کرتے رہو (بخاری حدیث: ۷۰۵۲)۔

ایک حدیث میں ہے کہ: أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ۔

ترجمہ: تم ان کا حق ادا کرتے رہو، اللہ تعالیٰ خود ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھ لے گا (بخاری حدیث: ۳۴۵۵، مسلم حدیث: ۴۷۷۳)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے انصار مدینہ سے فرمایا: سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

ترجمہ: ان کے مقابلے پر صبر کرو حتیٰ کہ تم قیامت کے دن حوض پر مجھ سے ملو (بخاری حدیث: ۳۷۹۲، مسلم حدیث: ۴۷۷۹)۔

ایک حدیث میں ہے کہ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا وَيَسْأَلُوْنَا حَقَّهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔

ترجمہ: حضرت سلمۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا نبی اللہ آپ کیا فرماتے ہیں کہ جب ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق طلب کریں اور خود ہمارا حق ادا نہ کریں؟ آپ ﷺ نے اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا۔ انہوں نے تین بار پوچھا تو فرمایا: تم ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو، وہ اپنی ذمہ داریوں کے خود جوابدہ ہیں اور تم اپنی ذمہ داریوں کے خود جوابدہ ہو (مسلم حدیث: ۴۷۸۲، ترمذی حدیث: ۲۱۹۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَيُصِلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ لَا مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاكْرَهُوْا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوْا يَداً مِّنْ طَاعَةٍ۔

ترجمہ: تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ بھی تم سے محبت کریں، تم ان کیلئے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں، تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت بھجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم ایسے حکمرانوں کو چھوڑ نہ دیں؟ فرمایا: نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں، نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں۔ خبردار! جب تمہارا کوئی حکمران اللہ کی نافرمانی کرتا ہوتو اسکی اس نافرمانی کو ناپسند ضرور کرو مگر اسکی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو(مسلم حدیث:۴۸۰۴،۴۸۰۵)۔

مسلمانوں کی جمعیت کو قائم رکھو

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً یعنی تم میں سے جو شخص اپنے حکمرانوں میں کوئی فعل ناپسندیدہ دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، جس شخص نے جماعت کو ایک بالشت بھی چھوڑا اور مر گیا وہ جہالت کی موت مرا(بخاری حدیث:۷۰۵۳، مسلم حدیث:۴۷۹۰)۔

اس طرح کی احادیث بخاری اور مسلم میں کثرت سے موجود ہیں۔

حکمرانوں کی نافرمانی کب ضروری ہے

آپ نے پڑھ لیا کہ عوام پر ظلم کرنے والے، لعنت بھیجے والے اور ذاتی طور پر فاسق و فاجر حکمران کو برداشت کرنا مصلحتاً اور اسلامی جمعیت کی خاطر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر حکمران اپنی عوام کو گناہ کرنے کا حکم دیں اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی نافرمانی پر اکسائیں تو حکمرانوں کا ایسا حکم ان کے منہ پر مار دینا لازم ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ یعنی اللہ کی نافرمانی کرانے کا کوئی حکم نہ مانا جائے، حکم صرف وہی مانا جائے جو نیکی کا حکم ہو اور اس کا تعلق منکر سے نہیں بلکہ معروف سے ہو(بخاری حدیث:۷۲۵۷، مسلم حدیث:۴۷۶۵)۔

خروج اور انقلاب کی نوبت

مکمل شرافت، درگزر اور اطاعت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود جب حکمران صریحاً اس حد

تک دین کے دشمن ہو جائیں کہ ان میں کھلا کھلا کفر ہر کسی کو نظر آنے لگے تو ایسی صورت میں بھی انکے خلاف خروج اور انقلاب کی کوشش کرنا واجب نہیں ہاں عزیمت (A Task of Risk) ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: **دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ** یعنی حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اس بات کا وعدہ اور بیعت لی تھی کہ حکمران کی بات سنو گے اور اطاعت کرو گے خواہ پسند ہو یا ناپسند، خواہ تنگی ہو یا سہولت، خواہ لوگ متاثر ہو رہے ہوں اور یہ کہ ہم حکمرانوں سے بغاوت نہ کریں سوائے اس کے کہ: تم لوگ کھلا کفر دیکھ لو اور اللہ کے سامنے جا کر جواب دینے کے لیے تمہارے پاس واضح ترین برہان موجود ہو (بخاری حدیث: ۷۰۵۵، مسلم حدیث: ۱۷۰۹)۔

انقلاب کا طریقہ

علماء میں ایک نہایت معرکۃ الآراء بحث یہ رہی ہے کہ اسلامی انقلاب کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ خونی طریقہ، تعلیمی طریقہ، انتخابی طریقہ، سفارشی طریقہ اور سازشی طریقہ۔ اب سب طریقوں میں سے کون سے طریقے کو کون سے حالات میں ترجیح دی جائے۔ اس سلسلے میں گزشتہ تمام احادیث اور شرعی دلائل پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر جذبات میں آ کر خونی طریقہ (Hot Method) استعمال کیا جائے تو بلاشبہ حضور کریم ﷺ کی امت دونوں طرف سے نقصان اٹھائے گی اور کامیابی کی ضمانت پھر بھی نہیں دی جا سکتی اور اکثر ایسے انقلابی ناکام ہی رہتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس طریقہ کار کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **هٰذَا اَمْرٌ لَا يُصْلِحُ بِوَاحِدٍ مَا اَطَاقَتْهُ الْاَنْبِيَآءُ حَتّٰى عُقِدَتْ عَلَيْهِ مِنَ السَّمَآءِ** یعنی یہ اکیلے آدمی کے بس کا کام نہیں ہے، اس کام کو انبیآء علیہم السلام نے بھی اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک آسمان سے انہیں اس کا حکم نہیں ملا (احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صفحہ ۳۳)۔

آج تک پاکستان میں تمام مذہبی سیاسی تنظیمیں اس موضوع پر غور و فکر کرنے اور اچھی

طرح سوچ سمجھ سے کام لینے کے بعد انتخابی طریقہ کار اختیار کرنے پر مجبور ہیں ورنہ کس کا جی نہیں چاہتا کہ رات چھانے سے پہلے اسلامی انقلاب آ جائے۔

تمام تنظیمیں اس پر متحد اور متفق ہیں کہ انقلاب برپا کرنے کے لیے خون کی ہولی کھیلنا اور ایک فتنے کو ختم کرنے کے لیے پہلے سے بھی بڑا فتنہ برپا کرنا جائز نہیں۔ ظلم قیامت کے دن ظلمات ہو گا اور ایک مسلمان کا بے جا قتل پوری انسانیت کے قتل کر برابر ہے۔

قتل تو دور کی بات ہے مسلمانوں کو محض ڈرانا اور انقلاب کے نام پر پورے ملک میں ایسی سنسنی خیز صورتِ حال پیدا کر دینا کہ سب لوگ تجسس اور خوف کا شکار ہو جائیں، کسی صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتا۔

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یُرَوِّعَ مُسْلِمًا یعنی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ مسلمان کو خوف میں مبتلا کر دے (ابوداؤد حدیث: ۵۰۰۴)۔

اس قسم کا تماشا لگانا کہ انسانوں کا کاروبارِ زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے اور یومیہ کروڑوں روپے کا انفرادی اور اجتماعی نقصان ہو جائے لوگوں کے راستے اور گزر گاہیں بند کر دی جائیں اور سینکڑوں میل کے علاقے پر اذیت بن کر پھیل جایا جائے، ایسا اقدام عالمانہ اور صوفیانہ دونوں طریقوں کے منافی ہے۔

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: راستے سے معمولی سی اذیت ناک چیز کو ہٹانا ایمان کا حصہ ہے إِمَاطَةُ الْأَذىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ (مسلم حدیث: ۱۵۳)۔

اسلام کا سیاسی ضابطہ

اسلامی مملکت کے سربراہ کے لیے بالغ، عالم با عمل، صحت مند اور مرد ہونا ضروری ہے۔

قرآن شریف میں طالوت بادشاہ کو اس عہدے کیلئے ترجیح دینے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی اسے اللہ نے علم اور جسم میں فراخی دی (البقرہ: ۲۴۷)۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنالیا (بخاری حدیث: ۴۴۲۵، ۷۰۹۹، ترمذی حدیث: ۲۲۶۲، نسائی حدیث: ۵۳۸۸، مسند احمد حدیث: ۲۰۴۲۷)۔

نیز فرمایا جب تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو پھر تمہارے لیے زندگی سے موت بہتر ہے (ترمذی حدیث رقم: ۲۲۶۶)۔قرآن وسنت کے بے شمار دلائل، عورت کے پردے، نسوانی مجبوریوں اور شریعتِ اسلامیہ کے مزاج کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت کی حکمرانی سخت ناجائز ہے۔سربراہ کا انتخاب کرنا اہلِ حل وعقد یعنی اہلِ علم کا کام ہے۔ جو موقع پر حاضر ہوں انکی اکثریت کا فیصلہ مان لیا جائے گا (جیسا کہ خلفاءِ راشدین علیہم الرضوان کیلئے ہوا)۔

شُوریٰ

سربراہِ مملکت کو بادشاہ، امیر، حاکم، وزیرِ اعظم یا صدر وغیرہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ سربراہِ مملکت اپنی صوابدید سے شوریٰ کے افراد کو نامزد کرتا ہے اور انہیں وزارتیں سونپ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ امیر کا بھلا چاہتا ہے تو اسے اچھا وزیر عطا کر دیتا ہے، جب وہ بھولتا ہے تو وزیر اسے یاد کرا دیتا ہے اور اگر وہ یاد رکھے تو وزیر اس سے تعاون کرتا ہے۔ اسکے برعکس جب اللہ تعالیٰ امیر کا بھلا نہیں چاہتا تو اسے برا وزیر دے دیتا ہے جب وہ بھولتا ہے تو وزیر یاد نہیں دلاتا اور اگر وہ یاد رکھے تو وزیر اس سے تعاون نہیں کرتا (ابوداؤد حدیث رقم: ۲۹۳۲، نسائی حدیث رقم: ۴۲۰۴)۔

نیز فرمایا زمین پر میرے وزیر ابوبکر اور عمر ہیں (ترمذی حدیث رقم: ۳۶۸۰)۔

عدالت

ججوں کا تقرر بھی سربراہِ مملکت اپنی صوابدید سے کرتا ہے۔ جج کے لیے عالم اور مجتہد ہونا شرط ہے۔ اسکی نظر عدالتی نظائر پر کامل ہونی چاہیے تاکہ قرآن، حدیث اور صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کر سکے جیسا کہ سنن نسائی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان موجود ہیں کہ قرآن، سنت اور صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلے کیے جائیں اور اگر ان میں مسئلے کا حل نہ ملے تو اجتہاد کریں (نسائی حدیث رقم: ۵۳۹۷)۔

جج شوریٰ کا رُکن بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں طرف کام کرتے تھے۔ خود سربراہِ مملکت جج کے فرائض سرانجام دینے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ نبی

کریم ﷺ اور خلفائے راشدین خود فیصلے دیا کرتے تھے اور مختلف علاقوں کے گورنر خود ہی جج بھی ہوتے تھے۔ جیسے حضرت عمرو بن عاص مصر میں اور حضرت معاذ بن جبل یمن میں۔

جج کیلئے ضروری ہے کہ صورتحال کی مکمل معلومات حاصل کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لاعلمی میں فیصلہ دیا وہ دوزخی ہے (ابو داؤد حدیث رقم: ۳۵۷۳، ترمذی حدیث رقم: ۱۳۲۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۳۱۵)۔

اور غصے میں فیصلہ نہ دے (مسلم حدیث رقم: ۴۴۹۰، بخاری حدیث رقم: ۷۱۵۸، ترمذی حدیث رقم: ۱۳۳۴، ابوداؤد حدیث رقم: ۳۵۸۹، نسائی حدیث رقم: ۵۴۲۱، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۳۱۶، مسند احمد حدیث رقم: ۲۰۴۰۳)۔ مکمل طور پر تازہ دم ہونے کی حالت میں فیصلہ دے تاکہ اس کا فیصلہ کسی دوسرے دباؤ سے متاثر نہ ہو۔

جج کا عہدہ ایسا نازک ہے کہ حدیث پاک میں ہے جسے قاضی (جج) بنایا گیا وہ چھری کے بغیر ذبح ہو گیا (ابو داؤد حدیث رقم: ۳۵۷۱، ۳۵۷۲، ترمذی حدیث رقم: ۱۳۲۵، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۳۰۸، مسند احمد حدیث رقم: ۷۱۶۴)۔

اسلام میں ان میں سے کسی بھی عہدے کو طلب کرنا منع ہے حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کی قسم ہم یہ امر (عہدہ) کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اسے خود طلب کرے یا اس کا لالچ رکھے۔ (مسلم حدیث رقم: ۴۷۱۷، بخاری حدیث رقم: ۷۱۴۹، ابو داؤد حدیث رقم: ۳۵۷۹، مسند احمد حدیث رقم: ۱۹۶۸۸)۔

اکثر عدالتی فیصلوں کا دارومدار گواہی پر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں شریعتِ اسلامیہ نے ایک عظیم قاعدہ بیان کر کے عدالت کے بے شمار مسائل کو جلد اور بہ آسانی نمٹا دیا ہے۔ نبی کائنات ﷺ نے فرمایا اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ یعنی گواہی فراہم کرنا مدعی کے ذمے ہے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعیٰ علیہ اقبالِ جرم بھی نہ کرے تو اس صورت میں مدعیٰ علیہ قسم اٹھا کر بَری ہو سکتا ہے (ترمذی حدیث رقم: ۱۳۴۱)۔ واضح رہے کہ یہ قسم مدعیٰ علیہ نے خود ذاتی طور پر اُٹھانا ہوتی ہے۔ اسکی جگہ پر کسی دوسرے سے قسم لینے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔

خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کی بنیاد یہ ہے کہ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ یعنی نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملے میں تعاون مت کرو (المائدہ:۲)۔ نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملے میں تعاون مت کرو۔ خواہ کوئی معاملہ (DEAL) کسی مسلم ملک سے ہو یا غیر مسلم سے۔ البتہ مسلمان کو غیر مسلم پر ترجیح دیتے ہوئے اس کے اسلام کا پاس رکھا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مسلمانوں کے درمیان معاہدہ جائز ہے سواء اس معاہدے کے جس میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیا گیا ہو۔ مسلمان اپنی طے شدہ شرائط کے پابند ہوں گے۔ سواء ان شرائط کے جن میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیا گیا ہو (ترمذی حدیث رقم: ۱۳۵۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۳۵۳، ابوداؤد حدیث رقم: ۳۵۹۴)۔

اسلامی ممالک کا ایک اتحادی بلاک (FEDERATION) تیار کرنا بہت اچھی تدبیر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی یقیناً یہ تمہاری امت، ایک ہی امت ہے (الانبیآء:۹۲، مومنون:۵۲)۔

اور لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں (آلِ عمران:۲۸)۔

ان آیتوں میں اسلامی بلاک کی حوصلہ افزائی موجود ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات میں خارجہ پالیسی کے بنیادی نکات موجود ہیں۔ صرف ترجمہ اور خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

معاہدے پورے کرو (المائدہ:۱)۔ اگر کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو تو معاہدہ سیدھا ان کی طرف پھینک دو (انفال:۵۸)۔ اخبار اور اطلاعات کے بارے میں پوری چھان پھٹک اور تفتیش ضروری ہے (الحجرات:۶)۔ تم میں ان کے سُننے والے (جاسوس) موجود ہیں (توبہ:۴۷)۔ دشمن کے خلاف جس قدر ہو سکے اپنی جنگی تیاری مکمل رکھو (انفال:۶۰)۔

اسلام اور جمہوریت

اسلام کا ضابطہ کسی دوسرے نظام کا نہ تو پابند ہے اور نہ ہی اسے کسی دوسرے نظام پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔اسلام کا مطالعہ کرتے وقت آمریت اور جمہوریت کی عینک اُتار دینا ضروری ہے۔ جمہوری نظام میں ہر پڑھے لکھے اور جاہل کا ووٹ برابر ہے۔کثیر جماعتی نظام میں اقلیت، اکثریت پر حکومت کرتی ہے۔صرف ستّر لاکھ ووٹ لے کر چودہ کروڑ انسانوں پر حکومت کی جا چکی ہے۔ ووٹ خریدنے کے لیے ناجائز اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔

برادری سسٹم، نسل پرستی اور لسانیت وغیرہ کے حوالے سے ووٹ مانگے جاتے ہیں۔نیز جو پہلے ووٹ مانگ لے، جو مسئلہ حل کر دے، جو رشوت دے دے، جس کے لیے برادری مجبور کر دے یا جس کی سفارش آجائے، جس نے کسی قاتل کو رہا کرایا ہو اسے ووٹ دیا جاتا ہے اور جو اشتہار بازی اور کنویسنگ زیادہ کرے یا ووٹ کے دن جس کی گاڑی ووٹر کو اٹھانے کیلئے پہلے پہنچ جائے اسے ووٹ مل جاتا ہے۔یہ ہے جمہوریت۔سمجھدار لوگوں کیلئے یہ سوچنے اور عبرت پکڑنے کی باتیں ہیں۔

اسکے برعکس اسلام میں خود عُہدہ طلب کرنے اور اس کے لیے لوگوں کو منانے اور قائل کرنے (CANVASSING) کی بالکل کوئی اجازت نہیں (بخاری حدیث رقم: ۷۱۴۹، مسلم حدیث رقم: ۴۷۱۷)۔

پھر اسلام میں کثیر پارٹیوں اور حزبِ اختلاف کا کوئی تصور نہیں۔پارٹی اور حزب کی بنیاد پر ہی جمہوریت میں اپنی پارٹی کی خاطر ہر جائز ناجائز کام اور ظلم وستم کو رَوا رکھا جاتا ہے۔یہ پارٹی تعصّب ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصبیّت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے عصبیّت کی خاطر جنگ لڑی وہ ہم میں سے نہیں اور جو عصبیّت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں (ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۲۱)۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ عصبیّت کیا ہے۔فرمایا عصبیّت یہ ہے کہ تو ظلم کرنے میں اپنی قوم کی مدد کرے (ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۱۹، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۹۴۹)۔

نیز فرمایا کہ تم میں اچھا وہ ہے جو اپنے اقارب کی حمایت اس وقت تک کرے جب تک

وہ غلطی پر نہ ہوں (ابوداؤد حدیث رقم: ۵۱۲۰)۔

اسلام میں حق کے لیے ہر کوئی حزبِ اقتدار ہے اور باطل کے لیے ہر کوئی حزبِ اختلاف ہے ورنہ عصبیّت اور جہالت ہے۔

پھر اسلام میں وطن کا تصور اس طرح نہیں ہے جس طرح آج کل اس کا پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ آج کل ہر مسلم اور غیر مسلم کو وطنیت کے حوالے سے اہمیت دی جا رہی ہے بلکہ غیر مسلموں کو اندرونِ خانہ ترجیح دی جا رہی ہے اور اس پر لیبل جمہوریت کا لگایا جا رہا ہے۔ ایک غیر مسلم اور مسلمان مل کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ وطن میرا ایمان ہے۔

یاد رکھیے وطن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کے نفاذ کی خاطر ایک اہمیت ضرور رکھتا ہے مگر وطن ایمان نہیں ہے۔ بلکہ اگر وطن میں احکامِ اسلامیہ پر چلنا ممکن نہ رہے تو وہاں سے ہجرت کر جانا ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا یعنی کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی جس میں تم ہجرت کر جاتے؟ (النساء: ۹۷)۔

بقول اقبال علیہ الرحمۃ:

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا ۔۔۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

بعض صوفیاء نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ وطن کی محبت ایمان میں سے ہے لیکن ساتھ ہی وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ وطن سے ان کی مراد روح کا وطنِ اصلی ہے۔ جہاں سے روح اس دنیا میں آئی ہے۔ پھر اسلام میں جمہور سے مراد اہلِ علم کی اکثریت ہوتی ہے نہ کہ ہر کس و ناکس کی۔ اسلام کی اگر انہی چند ہدایات پر عمل کر لیا جائے تو موجودہ جمہوریت کی اچھی طرح مرمت ہو جائے۔

پچیسویں آیت:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا یعنی جو شخص اس پر ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے اور مومنوں کے راستے سے انحراف کرے تو وہ جدھر

جاتا ہے ہم اسے جانے دیں گے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے (النساء:۱۱۵)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی نافرمانی اور مومنوں کے راستے (سبیل المومنین) سے ہٹنے پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس سے ایک تو نبی کریم ﷺ کی حدیث، سُنّت اور فیصلوں کی حجیت معلوم ہوئی۔ اور دوسرے نمبر پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا قابلِ اتباع ہونا معلوم ہوا۔ سبیل المومنین میں سب سے پہلے صحابہ کرام کا راستہ شامل ہے۔ اسی لفظ سبیل المومنین سے تقلید کا مفہوم بھی نکل رہا ہے۔

تقلید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ یعنی جو میری طرف رجوع کرے اسکی پیروی کر (لقمان:۱۵)۔

ایک اور جگہ فرمایا: فَسْـئَـلُـوْٓا اَهْـلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ یعنی اگر تم خود نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو (انبیاء:۷)۔

نیز فرمایا: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ یعنی ان کے ہر طبقے میں سے ایک گروہ کیوں نہ نکل پڑا۔ جو دین کی سمجھ حاصل کرتا اور اپنی قوم کو ڈراتا جب انکی طرف لوٹ کر آتے (توبہ:۱۲۲)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر طبقے میں اہلِ علم کا وجود ضروری ہے۔ دین کی مکمل سمجھ اور فقہ حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور جو لوگ یہ مہارت حاصل نہ کر سکیں انہیں چاہیے کہ اہلِ علم سے پوچھ لیا کریں اور ان کی پیروی کیا کریں۔ یہی تقلید ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قَالُوْا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کس کی خیر خواہی۔ فرمایا اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، اسکے رسول کی، مسلمانوں کے آئمہ کی اور عوام کی خیر خواہی (مسلم حدیث رقم:۱۹۶، ابوداؤد حدیث رقم:۴۹۴۴، نسائی حدیث رقم:۴۱۹۷، ۴۱۹۸)۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بعض مسلمانوں کو آئمہ اور باقیوں کو عوام قرار دیا ہے۔ مقتدی اور مقتدا کا فرق واضح ہو گیا۔ یہی اقتدا تقلید کہلاتی ہے۔

اِجتہاد کا دائرہ اور حدود

اسی آیت (سبیل المومنین) سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجتہد اپنی گردن سے سبیل المومنین کا پٹہ نہیں اتار سکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ تمام مذاہب کے صحیح ہونے کے باوجود ان میں سے صرف چار مذاہب پر اُمت متفق ہوگئی اور باقی کا نام ونشان نہ رہا۔ تو اب انہی چار مذاہب کا اتباع ہی سوادِ اعظم کا اتباع ہے۔ اور ان میں سے نکلنا سوادِ اعظم میں سے نکلنا ہے'' (عقد الجید: ۳۳)۔

آگے فرماتے ہیں:

''مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) کے اختیار کرنے میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہے اور ان کے چھوڑنے میں بہت بڑا فساد ہے'' (عقد الجید: ۳۴)۔

فقہ حنفی

فقہ حنفی نام ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کی تحقیقات کا۔ اس پر فقہ حنفی کے لفظ کا اطلاق اس لیے کیا جاتا ہے کہ اسکے اصول امام اعظم نے وضع کیے ہیں۔ اور مقدم اور استاد ہونے کا شرف بھی آپ علیہ الرحمۃ کو ہی حاصل ہے۔ لہٰذا امام اور صاحبین کے اختلاف کو دلیل بنا کر آئمہ سے اختلاف کرنا جائز نہیں بلکہ ایسا اختلاف اصولی اختلاف ہوگا جس کی اجازت نہیں۔

فروعی اختلاف

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)۔ اس حدیث کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اسے بیہقی نے اپنے رسالہ اشعریہ میں سند کے بغیر روایت کیا ہے (جامع صغیر: ۱۲)۔

حضرت مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اسے حلیمی، قاضی اور امام الحرمین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ شاید یہ بعض حفاظ کی کتب سے لی گئی ہو جو ہم تک نہ پہنچ سکیں (موضاتِ کبیر: ۱۱)۔

ناصر الدین البانی نے بھی لکھ دیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی بنیاد ہی نہیں (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ جلد ۱ صفحہ ۷۶)۔

اگر اسے حدیث مان ہی لیا جائے تو اس سے مراد صرف فروعی اختلاف ہے۔ شامی میں ہے کہ فِی الْفَرْعِ لَا مُطْلَقُ الْاِخْتِلَافُ یعنی اُصول میں اختلاف جائز نہیں فروع میں اختلاف جائز ہے (شامی جلد ۱ صفحہ ۵۰)۔

ایسے مسائل جن کے بارے میں امام کا قول موجود نہ ہو یا ایسے مسائل جو نئے زمانے میں سامنے آئے ہوں ان میں اختلاف فروعی اختلاف ہے۔ مثلاً قطبین پر نمازوں کا مسئلہ ایسا ہے جس کے بارے میں امامِ اعظم علیہ الرحمۃ اور صاحبین سے کچھ منقول نہیں لہٰذا یہ فروعی مسئلہ ہے۔ لاؤڈ سپیکر کا استعمال، اعضاء کی پیوندکاری، بیمہ زندگی، انعامی بانڈ، ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال، ہوائی جہاز میں سفر کے مسائل وغیرہ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو نئے دور میں سامنے آئے ہیں اور انکے بارے میں آئمہ اربعہ سے کچھ منقول نہیں۔ لہٰذا یہ فروعی مسائل ہیں اور ان میں اختلاف فروعی اختلاف ہے۔

فروعی اختلاف پر پابندیاں

فروعی مسائل کے تعین اور اس اختلاف کی تعریف جان لینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ فروعی مسائل میں بھی بے دھڑک ہر بات کہہ دینے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مندرجہ ذیل پابندیاں ضروری ہیں۔

پہلی پابندی: امت ایک طرف لگ چکی ہو تو نئی لائن مت دو

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس امت کے امرِ جمیع کو متفرق کرنے کی جو بھی کوشش کرے اسے تلوار سے مارو، خواہ وہ کوئی بھی ہو (مسلم حدیث رقم: ۴۷۹۶، ابوداؤد حدیث رقم: ۴۷۶۲، نسائی حدیث رقم: ۴۰۲۱)۔

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

مجھے اختلاف سے اتنی نفرت ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ یا تو سب لوگ ایک ہو جائیں یا پھر مجھے موت آ جائے محمد بن سیرین رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت علی سے روایت کی جانے

والی اکثر باتیں من گھڑت ہوتی ہیں (بخاری حدیث رقم: ۳۷۰۷)۔

نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ کعبہ شریف کو گرا کر نئے سرے سے بنیادِ ابراہیمی پر تعمیر کریں لیکن فرمایا کہ میں ایسا اس لیے نہیں کر رہا کہ میری اُمت فتنے میں نہ پڑ جائے (مسلم حدیث رقم: ۳۲۴۰، بخاری حدیث رقم: ۱۵۸۵، نسائی حدیث رقم: ۲۹۰۱)۔

اس حدیث کی یاددہانی کے بعد آج کے ماڈرن مجتہدین کو چاہیے کہ اُدھر ہی تھم جائیں اور منشاءِ رسولِ کریم ﷺ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو فرمایا اور ہاتھوں کو بہت اوپر تک دھویا۔ ایک آدمی نے اعتراض کر دیا کہ آپ ہاتھ دھونے میں اس قدر مبالغہ کیوں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں ایسا ہرگز نہ کرتا (مسلم حدیث رقم: ۵۸۶، نسائی حدیث رقم: ۱۴۹)۔

مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو اوپر تک دھونا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک استحبابی امر اور ذوق کی بات تھی۔ لہٰذا ایک دیہاتی کی سمجھ سے بالاتر مسئلہ سمجھتے ہوئے فوراً معذرت خواہانہ رویہ اختیار فرمایا۔

حضرت سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا جواز دلائل سے ثابت کرتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ اسکا کیا جواب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان دلائل کا جواب دینے سے پہلے میں ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس کے نزدیک جوتوں سمیت نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ جائز یا مستحب ہے اور وہ جوتے اتار کر نماز پڑھنے کے جواز کا بھی قائل ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ محض ایک جائز یا مستحب کام کے لیے اُمت کی لائن خراب کرنے اور ایک نئی بات چھوڑ کر لوگوں کے ذہن خراب کرنے کا کیا جواز ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے دلائل کا مکمل جواب بھی دیا (حاصل انوارِ شریعت جلد دوم کا آغاز)۔

دوسری پابندی: جب تک اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ دیکھ لو اختلاف سے بچو

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اللہ کے حکم کی صاف مخالفت اور کفر ہوتا ہوا نہ دیکھ لو اختلاف سے بچو (مسلم حدیث

رقم:١٧٧١، بخاری حدیث رقم:٢٠٥٥)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اختلاف اتنا بڑا منکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے صرف کفر کے مقابلے پر رَوا رکھا۔

تیسری پابندی: بحث وتکرار سے بچو

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف اگر علمی حد سے بڑھ کر بحث وتکرار تک پہنچ جاتا (جنگ وجدل تو دور کی بات) تو نبی کریم ﷺ اسے سخت ناپسند فرماتے۔قراءۃ کے مسئلہ پر دوصحابیوں میں بحث ہو رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو۔اختلاف مت کرو۔تم سے پہلی قوموں نے اختلاف کیا اور ہلاک ہوئیں (بخاری حدیث رقم:٣٤٧٦،مثلہ مسلم حدیث رقم:٦٧٧٦)۔

محض اختلاف جائز تھا لہٰذا فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو۔لیکن بحث کرنا اور جھگڑا کرنا درست نہ تھا لہٰذا سخت ناراض ہوئے بلکہ ہلاکت کا خوف دلایا۔

لہٰذا کسی کے مؤقف کے درست ہونے یا غلط ہونے سے ہمیں سروکار نہیں۔ جہاں لے دے شروع ہوگئی منشاءِ رسول کریم ﷺ سے انحراف لازم آیا۔ جب ایک انسان کو معلوم ہو کہ میری اس نئی بات سے لے دے شروع ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی بات چھوڑنے سے پہلے ہوش کو ہاتھ مارلینا ضروری ہے۔

صحیح بخاری میں اس موضوع پر مستقل ابواب موجود ہیں۔ **باب مایکرہ من التعمق والتنازع** (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع) اور **باب کراھیۃ الاختلاف** (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب کراھیۃ الاختلاف)۔

چوتھی پابندی: مشکلات اور تنفُّر سے اجتناب

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ آسانی پیدا کرنا مشکل پیدا نہ کرنا۔لوگوں کو خوش رکھنا،نفرت پیدا نہ کرنا۔ اور دونوں ایک جیسی بات کرنا، اختلاف نہ کرنا (مسلم حدیث رقم:٤٥٢٦، بخاری حدیث رقم: ٣٠٣٨،مسند احمد حدیث رقم:١٩٧٢١)۔

اگر ایک صحابی کا فیصلہ کچھ اور دوسرے کا کچھ اور ہوتا تو یہ لوگوں کے لیے مشکل اور تنفُّر کا باعث ہوتا۔ لہٰذا علمی اختلاف کے جواز کے باوجود فرمایا کہ ایک جیسی بات کرنا اختلاف نہ کرنا۔

نیز علمی بحث کو عوامی حلقوں میں گھسیٹ کر لے آنا اور اشتہار بازی اور اخباری بیان، سب تنفر ہے جو کہ ممنوع ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ نااہل کے سامنے علمی بات کرنا ایسے ہے جیسے خنزیر کے گلے میں سونے اور موتیوں کے ہار ڈال دیے جائیں (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۲۴ ،شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۱۶۶۶)۔

نیز فرمایا کہ علم کی آفت نسیان ہے اور یہ ضائع اس طرح ہوتا ہے کہ اسے نااہل کے سامنے رکھ دیا جائے (دارمی حدیث رقم: ۶۲۸)۔

آج اِخۡتِلَافُ اُمَّتِـــیۡ رَحۡـــمَۃٌ ہر کوئی پڑھ دیتا ہے مگر اسکے حقوق کی رعایت اور پاسداری بہت مشکل ہے۔

پانچویں پابندی: فیصلہ اکثریت کریگی

جدید مسائل میں اجتہاد نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض کفایہ ہے اور لَـعَـلِـمَـهُ الَّـذِيۡـنَ يَسۡتَـنۡـبِـطُـوۡنَـهٗ (الآیۃ) اور حدیثِ معاذ بن جبل ﷺ (ابوداؤد حدیث رقم: ۳۵۹۲،ترمذی حدیث رقم: ۱۳۲۷، دارمی حدیث رقم: ۱۷۰، مسند احمد حدیث رقم: ۲۲۰۶۸) وغیرہ سے ثابت ہے۔ اسی کے بارے میں نبراس میں لکھا ہے کہ اَلۡاِجۡتِهَـادُ بَـاقٍ اِلـیٰ آخِرِ الدَّهۡرِ کہ اجتہاد قیامت تک باقی ہے (نبراس صفحہ ۲۷) لیکن ایسے مسائل میں اگر تمام علماء متفق ہو جائیں تو بہت اچھا ورنہ فیصلہ اکثریت کے قول کے مطابق ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم اختلاف دیکھو تو بڑے گروہ کے ساتھ ہونا تم پر لازم ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۹۵۰)۔

سنن نسائی میں مستقل باب اس نام سے موجود ہے۔ اَلۡـحُـكۡـمُ بِاتِّفَاقِ اَهۡلِالۡعِلۡمِ یعنی فیصلہ اہلِ علم کے اتفاق سے ہوگا (نسائی کتاب آداب القضاۃ باب ۱۱: الحکم باتفاق اھل العلم)۔

بعض لوگ اپنے ہی رفقاء کو جمع کر لیتے ہیں اور اپنی فضول تحریروں پر ان سے تائید اور تقریظ لکھا کر شائع کر کے عوام میں بلے بلے بنا لیتے ہیں۔ اگر ایسی لاکھوں تائیدات و تقاریظ بھی

میسر آ جائیں تو وہ محض فردِ واحد کی تحریر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر اس فردِ واحد کا حق پر یا خطا پر ہونا ایک الگ بحث ہے۔

ان پانچ پابندیوں میں سے کسی ایک کو بھی توڑ کر اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف نہیں بلکہ سبیل المومنین سے انحراف ہے۔

اجتہاد جاری ہے، مگر کہاں اجتہاد کرنا چاہیے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن میں قاضی بنا کر بھیجا تو آپ سے امتحاناً پوچھا کہ فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ میں تلاش کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا پھر سنتِ رسول ﷺ میں تلاش کروں گا۔ فرمایا اگر میری سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا پھر اجتہاد کروں گا اور انصاف سے کام لوں گا۔ آپ ﷺ نے اُن کے سینے پر ہاتھ مبارک مارا اور اللہ کا شکر ادا کیا (ابو داؤد حدیث رقم: ۳۵۹۲، ترمذی حدیث رقم: ۱۳۲۷، دارمی حدیث رقم: ۱۷۰، مسند احمد حدیث رقم: ۲۲۰۶۸)۔

یہ اصول سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لیے درست تھا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور سیدنا معاذ بن جبل کے درمیان کوئی اور واسطہ نہ تھا جسے ترجیح دی جاتی۔ آج کے دور میں قرآن، پھر حدیث، پھر اجماعِ امت اور پھر صالحین کے فیصلے ترجیح رکھتے ہیں اور اس کے بعد کسی قاضی یا مجتہد کی ذاتی رائے کا نمبر آتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کو فیصلہ دینا پڑے تو سب سے پہلے قرآن میں دیکھے۔ اگر قرآن میں نہ ملے تو سنت میں دیکھے۔ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصّٰلِحُوْنَ یعنی صالحین کے فیصلے دیکھے اور ان کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور اگر صالحین کے فیصلے بھی نہ ملیں تو فَلْيَجْتَهِدْ رَأْيَهٗ یعنی اپنی رائے سے کام لے کر اجتہاد کر سکتا ہے (نسائی حدیث رقم: ۵۳۹۷)۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو لکھا کہ اگر اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول ﷺ میں بھی مسئلہ نہ ملے اور صالحین نے بھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تو اب چاہو تو آگے بڑھو (یعنی اجتہاد کرو) اور چاہو تو پیچھے رہو۔ میرا خیال یہ ہے کہ تمہارے لیے پیچھے رہنا (اجتہاد نہ کرنا) ہی بہتر

ہے۔والسلام علیکم(نسائی حدیث رقم:۵۳۹۹)۔

قاضی شریح جلیل القدر تابعی ہیں انہیں فاروقِ اعظم ﷛ مشورہ دے رہے ہیں کہ تمہارے لیے اجتہاد نہ کرنا بہتر ہے۔

یہی وہ سبیل المومنین کا پٹہ ہے جسے گلے میں ڈالنے کے بعد بقول سیدنا ابنِ مسعود ﷛ مَا قَضیٰ بِهِ الصّٰلِحُوْنَ (صالحین کے فیصلے) اختیار کرنے کے بعد اجتہاد کی اجازت ہے۔اگر اہلیت مشکوک ہو تو بقول سیدنا فاروقِ اعظم ﷛ پیچھے ہٹ جاؤ اور اگر اہلیت موجود ہو تو بقول سیدنا ابنِ مسعود ﷛ اجتہاد سے مت ڈرو۔اس اجتہاد کا تعلق اجتھاد فی المسائل سے ہے یعنی جدید پیش آنے والے مسائل۔ایسا اجتہاد نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔اگر کوئی بھی ان مسائل کا محققانہ حل پیش نہ کرے گا تو پوری اُمت گناہگار ہوگی۔اس توضیح کے بعد پوری اُمت پر جمود کا الزام محض سینہ زوری ہے اور اجماعِ اُمت یا صالحین کے فیصلوں کے مقابلے پر اجتہاد کرنا اور پرانے طے شدہ مسائل کو چھیڑ بیٹھنا سبیل المومنین سے انحراف ہے اور اُمت کے شیرازہ پر ایک ضربِ کاری ہے۔

مذاہبِ اربعہ کے اختلافات کو چھیڑ بیٹھنا اور دورِ حاضر کے جدید مسائل پر اختلافی بحث عوامی حلقوں میں لے آنا عوام کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

نیز اجتماعی اور اکثریتی راستے کو چھوڑ کر کسی فردِ واحد کے قول کو بیاہنے بیٹھ جانا بھی سراسر غلط ہے۔شاذ اور متروک و مردود اقوال کو یکجا کر کے اسلام سے الگ تھلگ ایک مکمل میتھالوجی تیار کی جاسکتی ہے۔جو سبیل المومنین سے انحراف ہے اور کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ کے منافی ہے۔

اگر ہماری تحقیق اکثریتی فیصلے یا قولِ امام کے خلاف جا رہی ہو تو ہم پر اپنی تحقیق اور مجتہدانہ بہادری کے جوہر دکھانا واجب نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے اتحاد اور اسکی بھلائی کی خاطر خاموش رہنا لازم ہے۔

اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کا امکان ہے۔یہ مسئلہ منصوص ہے کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ضرور ملتا ہے(مسلم حدیث رقم:۴۴۸۷، بخاری حدیث رقم:۷۳۵۲، ابوداؤد حدیث رقم:۳۵۷۴، ابن ماجۃ حدیث رقم:۲۳۱۴)۔اگر بالفرض کوئی اجتہادی مسئلہ مبنی بر خطا ہی مروّج ہو تو کون سی

قیامت آچلی ہے۔ بلکہ ہماری یہ جدید مرمت قیامت برپا کردے گی۔ اور اگر ہم ہی خطا پر ہوئے تو قیامت بالائے قیامت ہوگی۔

آج کے دور میں چونکہ زمامِ اقتدار باطل کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا فقہی اور عدالتی اختلاف کو چھیڑنا، محض جگ ہنسائی کا باعث بنتا ہے۔ حکومت کو ہاتھ میں لینے سے پہلے ایسے اختلاف کو چھیڑنا علم کا قبل از وقت اسقاط ہے۔

اگر کسی کو کسی سے علمی اختلاف ہو تو اسے باہمی گفتگو یا خط و کتابت کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو عوامی حلقوں میں اُچھالنا اُمتِ مسلمہ پر ظلم ہے۔

شریعت کے ماخذ:۔ گزشتہ بحث سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔

(۱)۔قرآن (۲)۔سنت (۳)۔اجماع (۴)۔قیاس

چھبیسویں آیت:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْماً یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے (احزاب:۴۰)۔

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کا مُنہ بولا بیٹا سمجھ کر زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے مُنہ بولا بیٹا بنانے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس کی تصریح موجود ہے کہ **وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ** یعنی اللہ نے تمہارے مُنہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے مُنہ کی باتیں ہیں۔ **اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ** یعنی انہیں ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو (احزاب:۴،۵)۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو اس مسئلے کی وضاحت کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ حضرت زینب سے نکاح فرمائیں۔ اس نکاح کا ذکر **زَوَّجْنٰكَهَا** (احزاب:۳۷) میں موجود ہے۔ جب آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ محمد نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا ہے۔ اس

موقع پر یہ آیت ختم نبوت نازل ہوئی۔

اس آیت کے چار حصّے ہیں۔(۱)۔محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں۔(۲)۔لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔(۳)۔وہ آخری نبی ہیں۔(۴)۔اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

پہلے حصے میں حضرت زید والے مسئلے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ باپ کے بعد اس کا بیٹا نبی ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے کسی بیٹے کو جوانی تک نہیں پہنچایا تا کہ آپ ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے وہم کی بھی نفی ہو جائے اور مُنہ بولے بیٹے سے بھی اجرائے نبوت کی غلط فہمی جنم نہ لے سکے۔ حدیث شریف میں یہاں تک وضاحت موجود ہے کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ لَوْ قُضِیَ اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیٌّ عَاشَ اِبْنُهٗ وَلٰکِنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ یعنی اگر محمدِ کریم ﷺ کے بعد نبی آنا ہوتا تو آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم زندہ رہتے لیکن آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں (بخاری حدیث رقم: ۶۱۹۴، ابن ماجہ حدیث رقم: ۱۵۱۰)۔

لٰـکِـنْ کا لفظ سابقہ کلام سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی مرد کا باپ نہ ہونے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی کہ شاید آپ کسی کے روحانی باپ بھی نہیں ہیں۔ دوسرے حصے میں لٰـکِـنْ کے ذریعے اس وہم کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور رسول اللہ کہہ کر روحانی باپ ہونے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

آپ ﷺ کے بعد چونکہ کسی نبی نے نہیں آنا جو آ کر ان مسائل کی وضاحت کرے گا یا عملی نمونہ پیش کرے گا لہٰذا تیسرے حصّے میں آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ گویا آخری نبی ہونے کے ناطے آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ اُمت کی راہنمائی کے لیے زندگی کا کوئی گوشہ تشنۂ تعمیل نہ چھوڑا جائے اور ہر خدائی حکم پر عمل کر کے دکھا دیا جائے۔

چوتھے حصّے میں نکاح کے مذکورہ بالا مسئلے کی حکمت اور مصلحت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ باخبر ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی وجہ سے عملی

نمونہ پیش کرنا ضروری تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آخری نبی بنائے جانے کے لائق کون سی ہستی ہے۔ تقریباً یہ ساری بحث تفسیر کبیر جلد۹ صفحہ۱۷۱ پر بھی موجود ہے اور دوسرے بہت سے مفسرین نے بھی مختصراً یہی بات بیان فرمائی ہے۔

خاتَم (ت کے زبر کے ساتھ) اور خاتِم (ت کے زیر کے ساتھ) دونوں قرأتیں منقول ہیں (بغوی جلد۳ صفحہ۵۴۳)۔ قاعدہ یہ ہے کہ مختلف قرأتوں کی صورت میں مفہوم ایک ہی رہنا چاہیے۔ خاتَم (ت کی زبر کے ساتھ) کے کئی لغوی معنی ہیں۔ مثلاً آخری، مُہر، انگوٹھی، گھوڑے کے پاؤں کی سفیدی وغیرہ۔ ان میں سے ''آخری'' والا معنی خاتِم (ت کی زیر کے ساتھ) سے مطابقت رکھتا ہے۔ گویا دوسری قرأت نے خاتم کا معنی باندھ کر دکھا دیا اور فضول ہیرا پھیری کے تمام راستے بند کر دیے۔

ختمِ نبوت پر مزید قرآنی آیات

نبی کریم ﷺ کی رسالت پوری کائنات کیلئے ہے۔ کوئی علاقہ اور کوئی قوم رحمۃ للعلمین ﷺ کی پہنچ سے باہر نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا یعنی فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں (الاعراف:۱۵۸)۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ علم و ہنر اور رشد و ہدایت کا کوئی گوشہ اس معلمِ کتاب و حکمت ﷺ کے فیض سے محروم نہیں۔ سیاست و معیشت، اخلاق و معاشرت، سائنس و طب، تعلیم و اصلاح وغیرہ کے تمام پہلوؤں میں آپ ﷺ نے مکمل راہنمائی فراہم کر دی ہے۔

آپ ﷺ کے تشریف لانے کے ساتھ ہی کاغذ کی ایجاد، ڈاک سسٹم کی ترویج اور آہستہ آہستہ مواصلاتی نظام کی بے پناہ ترقی سے پوری دُنیا باہم مربوط ہو چکی ہے۔ جس سے ایک ہی پیغام کو عالمی سطح پر مشتہر کرنا بالکل آسان ہو چکا ہے۔ عالمگیر نبوت کا پیغام عالمی سطح تک پھیلانے کا یہ خُدائی بندوبست ہے۔ سائنس کی یہ ترقی ختمِ نبوت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق رکھتی ہے۔ پھر بھی جدید پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کا مکمل سسٹم جاری کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبے کی قیامت تک کے لیے حتمی حیثیت کے پیشِ نظر اللہ کریم نے

اعلان فرمادیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (المائدہ:۳) یعنی آج میں نے تمہاری خاطر تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا۔

گویا اجتہاد کا قیامت تک کے لیے جاری ہو جانا بھی ختمِ نبوت کی بڑی واضح دلیل ہے۔ اسکے علاوہ کفار کے خلاف حتمی کارروائی کے طور پر جہاد کا حکم بھی ختمِ نبوت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے بعد کسی دوسری آسمانی تعلیم کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے بعد قیامت کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (البقرۃ:۴) یعنی متقی وہ ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہونے والے اور آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والے پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت میں آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی وحی کا بھی ذکر ہے اور خود آپ ﷺ پر نازل ہونے والی آسمانی وحی کا بھی ذکر ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد میں نازل ہونے والے آسمانی احکام کی بجائے فرمایا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ یعنی وہ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ پورا قرآن پڑھ کر دیکھ لیجیے آخرت اور یومِ آخرت کے الفاظ قیامت کے معنی میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اب قیامت تک کے لیے نبوت اور وحیِ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

ختمِ نبوت پر احادیث

یہ گزارش اچھی طرح یاد رکھیے کہ قرآن کے معانی و مفاہیم نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ہی معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ ہر زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوا کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ احتمال اور بھی زیادہ موجود ہے۔ خصوصاً قرآن میں تو زبردست احتمالات ہُوا کرتے ہیں۔ مثلاً: صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج وغیرہ کے لفظی معنی بالترتیب رحمت، پاکیزگی، رُکنا اور غلبہ ہیں۔ اب یہ الفاظ بول کر اللہ تعالیٰ نے کیا کہنا چاہا ہے؟ اس بات کا فیصلہ لغت (Dictionary) نہیں دے سکتی۔ یہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ اس

کتاب کے معلم ہیں۔ارشادِباری تعالیٰ ہے:وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل:۴۴) یعنی ہم نے یہ قرآن آپ ﷺ پراس لیے نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی وضاحت کریں جوان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

یہ ایمان اور نصیب کا ایسا موڑ ہے کہ اگر سوچ کا سٹیئرنگ حدیث کو چھوڑ کر صرف لُغت کی طرف مڑ گیا تو وہ زمانہ درزمانہ اور علاقہ درعلاقہ بدلتی رہنے والی لُغت کے سنگلاخ جنگلوں میں بھٹک گیا اور اگر کسی کی سوچ کا رُخ حدیثِ رسول ﷺ کی طرف ہو گیا تو اُسے ایک فیصلہ کن چیز (یعنی حکمت) ہاتھ آ گئی اور وہ قرآن کے حقیقی معنی اور منشائے خداوندی سے آ گاہ ہو گیا۔اس اِنتباہ کے بعد مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ کیجیے:

﴿حدیث نمبر 1﴾۔كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَآءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا ذَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوا حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَآئِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (مسلم حدیث:۴۷۷۳، بخاری حدیث:۳۴۵۵، ابن ماجۃ حدیث:۲۸۷۱)۔

ترجمہ:۔بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آ جاتا تھا۔لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔فرمایا پہلے کی بیعت نبھاؤ بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا۔

اس حدیث میں ختمِ نبوت کی وضاحت چار طرح سے کر دی گئی ہے۔

(ا) بنی اسرائیل کے پے در پے آنے والے انبیاء علیہم السلام کی بجائے لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ کے الفاظ فرمائے گئے۔اس سے ظِل اور بروز وغیرہ کی جڑ کٹ گئی۔

(ب) کثرت سے خلفاء کا ہونا بھی اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ خلفاء سے مراد انبیاء نہیں ہیں۔ورنہ چودہ سو سال میں کثرت سے انبیاء آ چکے ہوتے۔

(ج) ''پہلے خلیفہ کی بیعت نبھانے'' کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایک ہی شخص کئی خلفاء کا زمانہ پائے

گا۔خلفاء کا یہ تسلسل بھی ختم نبوت میں کسی ظلی اور بروزی رخنہ اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔

(د)''تم اُن کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ اُن سے اُن کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا''۔اِن الفاظ سے معلوم ہوا کہ ان خلفاء سے خطا کے سرزد ہونے کا امکان ہوگا اور وہ معصوم نہیں ہوں گے اور جو معصوم نہ ہو وہ نبی نہیں ہوتا۔

﴿حدیث نمبر2﴾۔اِنَّ مَثَلِی وَمَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنیٰ بَیْتاً فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوضِعُ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوفُونَ بِہٖ وَیَتَعَجَّبُونَ لَہٗ وَ یَقُولُونَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّنَ (مسلم حدیث رقم:۵۹۶۱، بخاری حدیث رقم: ۳۵۳۵)۔

ترجمہ:۔میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے حسین وجمیل محل بنایا ہو مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔لوگ آکر اس محل میں گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی ہے۔بس میں وہ آخری اینٹ ہوں۔اور میں خاتم النبیین ہوں۔

﴿حدیث نمبر3﴾۔سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (ترمذی حدیث:۲۲۱۹، بخاری حدیث:۳۶۰۹، مسلم حدیث:۷۳۴۲)۔

ترجمہ:۔میری اُمت میں تیس جھوٹے شخص ہوں گے، ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

﴿حدیث نمبر4﴾۔اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِی وَ لَا نَبِیَّ (ترمذی حدیث رقم:۲۲۷۲، مسند احمد حدیث رقم:۱۳۸۳۱)۔

ترجمہ:۔بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو چکی ہیں۔اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

﴿حدیث نمبر5﴾۔بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ (مسلم حدیث رقم:۷۴۰۴، بخاری حدیث رقم:۶۵۰۴، ترمذی حدیث رقم:۲۲۱۴)۔

ترجمہ:۔میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں (یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں)۔

﴿حدیث نمبر 6﴾۔اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَیْسَ بَعْدَهٗ اَحَدٌ (مسلم حدیث رقم: ۶۱۰۵، بخاری حدیث رقم: ۳۵۳۲، ۴۸۹۶، ترمذی حدیث رقم: ۲۸۴۰)۔

ترجمہ:۔میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک بھی نہ ہو۔

﴿حدیث نمبر 7﴾۔اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (مسلم حدیث رقم: ۶۲۱۸، بخاری حدیث رقم: ۴۴۱۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۱۵، ۱۲۱)۔

ترجمہ:۔اے علی! کیا آپ خوش نہیں کہ آپ میرے وہی کچھ لگتے ہیں جو موسیٰ کے ہارون لگتے تھے۔فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

﴿حدیث نمبر 8﴾۔لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (ترمذی حدیث رقم: ۳۶۸۶، مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۵۵۱)۔

ترجمہ:۔اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے مثالیں دے دے کر اور الفاظ پھیر پھیر کر ختمِ نبوت کی وضاحت کی حد کر دی ہے۔آپ ان احادیث کا دوبارہ مطالعہ کر لیجیے۔آخر اس سے بڑھ کر کون سے الفاظ کا استعمال کیا جاتا، جس سے منکرینِ ختمِ نبوت کی تشفی ہوتی؟ نبی کریم ﷺ نے کہیں فرمایا "پے در پے انبیاء کی بجائے اب خلفاء ہوں گے"۔کہیں فرمایا: "انبیاء کے محل کی آخری اینٹ میں ہوں" کہیں فرمایا "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کہیں فرمایا "نبوت ختم ہو گئی"۔کہیں فرمایا "میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں" کہیں فرمایا "میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک نبی بھی نہ ہو" کہیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ماتحت اور ظلی و بروزی نبوت کی نفی

کردی۔کہیں یہاں تک وضاحت کردی کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

ان تمام احادیث میں لفظ''خاتم'' کی ایسی زبردست وضاحت کردی گئی ہے کہ ایک بددماغ شخص کا دماغ بھی ٹھکانے پر آجائے۔اس سے پہلے آپ خاتم کی دو قرأتوں کی بحث بھی پڑھ چکے ہیں۔

دنیا بھر کے مفسرین نے اس آیت کے تحت نبی کریم ﷺ کو آخری نبی تسلیم کیا ہے اور اس مسئلے پر پوری اُمت کا اجماع اور اتفاق چلا آرہا ہے۔ہمارے عقائد کی مشہور درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ ثَبَتَ اَنَّہٗ آخِرُ الْاَنْبِیَآءِ یعنی ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۳۸)۔خاتم النبیّین کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اِجْتَمِعَتِ الْاُمَّۃُ عَلیٰ حَمْلِ ھٰذَا الْکَلَامِ عَلیٰ ظَاھِرِہٖ وَاَنَّ مَفْھُوْمَہٗ الْمُرَادَ بِہٖ دُوْنَ تَاوِیْلٍ وَلَا تَخْصِیْص یعنی پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ خاتم النبیّین اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص جائز نہیں (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)۔مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ پوری اُمت کی کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ لکھتے ہیں کہ دَعْوَی النُّبُوَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّنَا ﷺ کُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ یعنی ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور اس پر پوری اُمت کا اجماع و اتفاق ہے (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۶۴)۔

جس قوم کے پاس ختمِ نبوت پر دلائل کا اس قدر ذخیرہ موجود ہو وہ یقیناً اس عقیدے کو اختیار کرنے میں حق بجانب ہے۔اور وہ اس موضوع پر اللہ کی بارگاہ میں سُرخرو ہے۔

مرزا قادیانی کا اپنا بیان:۔ مرزا قادیانی لکھتے ہیں ''میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں'' (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانا اور قیامت کی نشانی کے طور پر آسمان سے نازل ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ختمِ نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے تمام مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں۔مدارک،

خازن، بیضاوی، تفسیراتِ احمدیہ اور مظہری وغیرہ میں اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً تفسیر مدارک کے الفاظ یہ ہیں: لَا یُنَبَّأُ اَحَدٌ بَعْدَہٗ وَعِیْسٰی مِمَّنْ نُبِّیَٔ قَبْلَہٗ یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بنایا نہیں جائے گا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن میں سے ہیں جو آپ سے پہلے نبی بنا دیے گئے ہیں۔

تفسیر بیضاوی کے الفاظ یہ ہیں: وَلَا یَقْدَحُ فِیْہِ نُزُوْلُ عِیْسٰی بَعْدَہٗ لِاَنَّہٗ اِذَا نَزَلَ کَانَ عَلٰی دِیْنِہٖ، مَعَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْہُ اَنَّہٗ آخِرُ مَنْ نُبِّیَٔ یعنی نزولِ عیسیٰ ختمِ نبوت کے خلاف نہیں اسلئے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کریں گے، اسکے علاوہ آخری نبی ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخر میں نبی بنائے گئے ہیں (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)۔

تفسیر مظہری کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو نبی کریم ﷺ کی شریعت پر چلیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ان کو نبی کریم ﷺ سے پہلے نبوت مل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانی خبروں کا سلسلہ نبی کریم ﷺ پر ختم کر دیا ہے۔ لیکن کسی سابق نبی کا باقی رہنا ختمِ نبوت کے خلاف نہیں ہے (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۵۱)۔

ہاں البتہ جس طرح مرزا قادیانی کی ایک نئی شخصیت نے کھڑے ہو کر نبوت اور مسیحیت کا دعویٰ کر دیا ہے، یہ ضرور ختمِ نبوت کے تمام اعلانات کے منافی ہے۔ اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت کی نشانی کے طور پر جسم سمیت واپس آنے کا ختمِ نبوت کے ساتھ ایک گہرا رشتہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیت سے ثابت ہے: وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا۝ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا۝ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا۝ (النسآء: ۱۵۷۔۱۵۹)۔

ترجمہ:۔ اسے یہودیوں نے یقیناً قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب

حکمت والا ہے۔تمام اہلِ کتاب اس کی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔

یہاں قادیانی ایک سوال اٹھایا کرتے ہیں کہ اس آیت میں آسمان کا لفظ کہیں موجود نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا" سے مراد آسمان پر اٹھانا ہی ہے۔ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔لیکن اسکی سلطنت کا ظہورِ کامل آسمانوں میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خود کا آسمانوں میں ہونا بیان فرماتا ہے(تفسیر جامع البیان میں ہے:لِاَنَّ السَّمَآءَ مَحَلُّ ظُهُوْرِ سُلْطَانِهٖ : صفحہ۵۲)۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو معراج کے لیے آسمان پر لے جایا گیا،ورنہ اللہ تعالیٰ تو زمین پر بھی موجود تھا۔قرآن پڑھیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ (ملک:۱۶)۔اس آیت کا ترجمہ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے اس طرح کیا ہے:

کیا آسمان میں رہنے والی ہستی سے تم اس بات سے امن میں آ گئے ہو کہ وہ تم کو دنیا میں ذلیل کرے(ترجمہ مرزا بشیر الدین)۔

یہاں مرزا بشیر الدین نے اللہ تعالیٰ کو صاف طور پر آسمان میں رہنے والی ہستی قرار دیا ہے۔اس سے اگلی آیت میں بھی ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ کے الفاظ موجود ہیں۔اور مرزا بشیر الدین نے وہاں بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

حدیث شریف میں بھی یہی ہے کہ جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو اور جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا(ابوداؤد حدیث:۴۹۴۱،ترمذی حدیث:۱۹۲۴،مسند احمد حدیث:۶۵۰۱)۔

مرزا قادیانی خود بھی لکھتے ہیں کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کے یہ معنی ہیں کہ جب عیسیٰ فوت ہوئے تو ان کی روح آسمان پر اٹھائی گئی(ازالہِ اوہام صفحہ۲۲)۔

اب بتائیے کہ مرزا قادیانی نے آسمان کا لفظ کہاں سے نکالا۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو آسمان پر کیسے پہنچا دیا۔جو آپ کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔

صحیح اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کرتے وقت اس قسم کی ہیرا پھیری کی بجائے

نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو خالص اسی موضوع پر وارد ہوئی ہیں۔

اس آیت کی تشریح احادیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

(۱)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یعنی عیسیٰ نہیں مرے بلکہ وہ قیامت سے پہلے پہلے تمہاری طرف واپس آنے والے ہیں (ابن جریر جلد ۳ جزء ۳ صفحہ ۳۵۵، درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۶، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۰۵)۔

(۲)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام اپنے گھر کے چشمے پر نہا کر گھر سے نکلے۔ آپکے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ باہر بارہ حواری موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون چاہتا ہے کہ میری جگہ قتل کیا جائے اور درجہ میں میرے ساتھ رہے۔ اس پر ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور خود کو اس کام کیلیے پیش کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ وہی فرمایا۔ پھر وہی نوجوان کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر تو ہی وہ شخص ہے۔ اسکے فوراً بعد اس پر عیسیٰ علیہ السلام کی صورت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے روشندان سے آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کیلیے گھر میں داخل ہوئے اور اس حواری کو عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اسکی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے اسی طرح مروی ہے (مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۴۶۱، تفسیر ابنِ کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۸۹)۔ مفہوماً یہی بات ابنِ جریر میں اختصار کے ساتھ موجود ہے (ابنِ جریر جلد ۴ جزء ۶ صفحہ ۱۸، ۱۹)۔

(۳)۔ "اللہ کی قسم تم میں عیسیٰ ابنِ مریم ضرور نازل ہوگا۔ حکومت کرے گا، عدل کرے گا، صلیب کو توڑ دے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا (یعنی صلیب پرستی اور خنزیر خوری ختم ہو جائے گی) جنگ بند کرے گا (یعنی امنِ عامہ کی وجہ سے جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی)، دولت اس قدر بہائے گا کہ اسے کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔ نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ لوگ ایک سجدہ کرنا دُنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر سمجھیں گے"۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ

اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْداً کہ تمام اہل کتاب اس کی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا (بخاری حدیث رقم: ۳۴۴۸، مسلم حدیث رقم: ۳۸۹، ترمذی حدیث رقم: ۲۲۳۳)۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ مسیح ابنِ مریم کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید مینار کے پاس نازل ہوگا۔ اس نے دو زرد چادریں اوڑھی ہوں گی۔ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔ جب اپنے سر کو جھکائے گا تو اس میں سے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائے گا تو جواہرات جیسے موتی گریں گے۔ اسکے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ وہ دجّال کو لُد کے دروازے کے پاس پکڑ کر قتل کر دے گا (مسلم حدیث: ۷۳۷۳، ابو داؤد حدیث: ۴۳۲۱، ترمذی حدیث: ۲۲۴۰، ابن ماجۃ حدیث: ۴۰۷۵)۔ واضح رہے کہ لُد آجکل اسرائیل کی ایک ائیرپورٹ کا نام ہے۔

(۴)۔ یَنْزِلُ اَخِیْ اِبْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ یعنی میرا بھائی ابنِ مریم آسمان سے نازل ہو گا (کنز العمال ۷/ ۲۶۸، مجمع الزوائد ۷/ ۳۴۹ حدیث: ۱۲۵۴۳)۔

(۵)۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت سعد بن ابی وقاص قادسیہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت نضلہ بن معاویہ انصاری کو تین سو سوار دے کر حلوان عراق کی طرف مالِ غنیمت لوٹنے کیلئے بھیجا۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں عصر کی نماز کیلئے اذان دی۔ جب وہ اذان کہنے لگے تو اچانک حلوان کے پہاڑوں میں سے اذان کا جواب سنائی دینے لگا۔ جب نضلہ اذان سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اللہ تجھ پر رحم کرے، تو جو کوئی بھی ہے ہمارے سامنے آ کر اپنی صورت دکھا۔ کیونکہ یہ لشکر رسول اللہ ﷺ اور عمر ابنِ خطاب کا بھیجا ہوا ہے۔ اس پر ایک شخص کا سر پہاڑ کے شگاف سے ظاہر ہوا۔ اسکے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اور اس نے اون کے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے سامنے آ کر سلام کہا اور لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ لوگوں نے پوچھا تو کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام زریت بن برتملا ہے۔ میں اللہ کے نیک بندے عیسیٰ ابنِ مریم کا وصی ہوں۔ انہوں نے مجھے اس پہاڑ میں ٹھہرایا ہے اور میرے لیے

آسمان سے نازل ہونے کے وقت تک زندہ رہنے کی دعا فرمائی ہے۔میری طرف سے عمر کوسلام کہنا اوراسے میری طرف سے بتادینا کہ قیامت قریب ہے۔اس کے بعدوہ غائب ہوگیااورلوگ اسے نہ دیکھ سکے۔پھر نضلہ نے یہ سارا واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرف لکھااورانہوں نے حضرت فاروقِ اعظم کی طرف لکھا۔حضرت فاروقِ اعظم نے اس کے جواب میں حضرت سعد کولکھا کہ آپ بھی مہاجرین وانصار کی ایک جماعت لے کراس پہاڑ پر جائیں اوراگر زریت بن برتملا سے ملاقات ہوجائے تو میری طرف سے انہیں سلام کہیں۔چنانچہ حضرت سعد چار ہزارمہاجرین وانصار کولے کراس پہاڑ پر گئےاور چالیس دن تک ہرنماز کے لیےاذان پڑھتے رہے مگرانہیں کوئی جواب یا آواز سنائی نہ دی(فتوحاتِ مکیہ جلد۱،ازالۃ الخفا جلد۲صفحہ۱۶۷۔۱۶۸)۔شیخ اکبر قدس سرہٗ اپنے کشف کے ذریعے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ردِّ عیسائیت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام

عیسائیوں نے جب کبھی اسلامی تعلیمات پرکوئی اعتراض کیا تو اہلِ اسلام نے ہمیشہ اس کامُنہ توڑ جواب دیا۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے سامنے کسی عیسائی نے یہ سوال رکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں جبکہ آپ کے نبی زمین میں دفن ہیں۔لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نبی سے افضل ہوئے۔آپؒ نے فرمایا اگراس طرح اوپر جانے سے افضلیت ثابت ہوتی ہوتو پھر پانی کا بلبلا موتیوں سے افضل ہونا چاہیے۔کیونکہ بلبلا پانی کےاوپر رہتا ہے جبکہ موتی پانی کی تہ میں بیٹھا ہوتا ہے۔عیسائی نے یہ سوال ایک شعر کی صورت میں کیا تھا۔اور شاہ صاحب نے اس کا جواب بھی شعر میں ہی دیا تھا۔دونوں شعر ملاحظہ کیجیے:

﴿سوال﴾ کسے بگفت کہ عیسیٰ زِ مصطفیٰ اعلیٰ است
کہ ایں بزیرِ زمیں دفن وآں باوجِ سما است

﴿جواب﴾ بگفتمت کہ نہ ایں حجت قوی باشد
حباب برسرِ آب وگوہر تہِ دریا است

مرزا قادیانی کوبھی شروع شروع میں عیسائیت کے رد کا بہت شوق تھا۔لیکن ایسے کاموں

کیلئے لیاقت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔مرزا قادیانی سے جب عیسائیوں کے اس قسم کے اعتراضات کے جواب نہ بن سکے تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ وقت کے علماء اور مشائخ کی طرف رجوع کرتے اوران سے رہنمائی لیتے۔لیکن مرزا قادیانی نے اس کے برعکس یہ ترکیب نکالی کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کا سرے سے انکار ہی کر دیا جائے۔نہ بجے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔چنانچہ وہ خود اپنی کتاب کشتیِ نوح میں یوں لکھتے ہیں خوب یاد رکھو کہ بجز موتِ مسیح ،صلیبی عقیدہ (عیسائیت) پر موت نہیں آ سکتی (کشتیِ نوح صفحہ ۲۵)۔

لیکن مرزا قادیانی ان حقائق کو بھول گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے (سورۂ مریم وغیرہ) اور اللہ نے انکا نام روح اللہ اور کلمۃ اللہ رکھا ہے (آلِ عمران)۔وہ اپنے ہاتھ سے مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تھے تو وہ اصلی پرندہ بن جاتا تھا۔وہ بیماروں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے (آلِ عمران)۔کیا یہ سب باتیں عیسائیت کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کو تقویت نہیں دے رہیں؟ کیا آپ ان تمام حقائق کا انکار محض اس لیے کر دیں گے کہ ان سے عیسائیت کو تقویت مل رہی ہے؟ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کے حوالے سے پوری پوری سورتیں موجود ہیں (آلِ عمران ،مائدہ اور مریم)۔کیا ان سب کو بھی عیسائی دشمنی میں آ کر قرآن سے نکال باہر کریں گے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مرزا قادیانی نے وفاتِ مسیح کا شوشا چھوڑ کر عیسائیوں کو مطمئن کر دیا ہے؟ کیا واقعی صلیبی عقیدے پر موت طاری کر دی گئی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی عیسائی لوگ قادیانیت کو قبول کرنے کی بجائے دھڑا دھڑ اسلام کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔اور مسلمانوں کا حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اس کام میں رکاوٹ نہیں ڈال رہا۔بلکہ زبردست مددگار ثابت ہو رہا ہے۔جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں اور اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و آبرو موجود ہے تو ان کا دل اسلام کے لیے خود بخود نرم ہو جاتا ہے۔اور خدا گواہ ہے کہ ہم یہ بات محض ہوائی اور بے بنیاد نہیں کر رہے بلکہ ہم نے خود عیسائیوں سے گفتگو کی ہے اور اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر یہ بات عرض کر رہے ہیں۔

آج تک عیسائیوں نے حیاتِ مسیح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو کبھی نقصان نہیں

پہنچایا۔ یہ شوشا محض قادیانیوں نے خود چھوڑ رکھا ہے اور عیسائیوں کی مخالفت کا ڈھونگ رچائے بیٹھے ہیں۔ کسی عیسائی نے جو شعر فارسی زبان میں کہا تھا، قادیانی وہی بات اردو کے اس شعر میں کہتے ہیں:

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر　　　مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

اس شعر کے لکھنے والوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ اس شعر سے عیسائیت کی تردید کر رہے ہیں یا تائید؟۔ قادیانیوں کے اس عیسائی نما شعر کا ہم یوں جواب دیتے ہیں:

افضل ہے آسماں سے وہ سرزمینِ طیبہ　　　مدفون ہے جہاں پر شاہِ جہاں ہمارا

یہ شعر بھی میں نے پوری ذمہ داری سے لکھا ہے۔ اس امر پر پوری امت کا اجماع ہے کہ آج جس جگہ سے ہمارے نبی کریم ﷺ کا جسمِ اطہر چھو رہا ہے وہ جگہ عرشِ عظیم سے بھی افضل ہے۔ کاش مرزا قادیانی عیسائیت کی تردید کیلئے گھر سے نکلنے سے پہلے وسیع مطالعہ اور مکمل تیاری کر لیتے۔

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کی موت واقع ہو گئی۔ یہ پورا واقعہ انجیل میں درج ہے۔ دوسری طرف یہودی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکا کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دینے کے دعویدار ہیں۔

یہاں قادیانی بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہم نوا ہیں۔ قادیانی بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکایا گیا مگر ہوا یہ کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی، بلکہ وہ مُردے کی طرح ہو گئے۔ بعد میں جب ہوش میں آ چکے تو چپکے سے کشمیر کی طرف بھاگ آئے۔ یہاں سری نگر میں ان کی وفات ہوئی اور وہ سری نگر کے محلّہ خان یار میں دفن ہیں۔ قادیانیوں نے یہ سارا ڈھکوسلا عیسائیوں کی کتب اور آثارِ قدیمہ سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء:۱۵۷) یعنی یہود نے عیسیٰ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی پھانسی دیا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں قرآن نے قتل اور پھانسی دونوں کی نفی کی ہے۔ قتل کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری ہوتا ہے جب کہ پھانسی کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری نہیں ہوتا۔ آج کل کے ہوشیار وکیلوں نے جب پھانسی (hang) کے لفظ میں پائی جانے والی اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجرموں کو تختۂ دار سے زندہ نیچے اتروانا شروع کر دیا تو قانون دانوں کو مجبوراً صرف پھانسی کی بجائے موت تک پھانسی (hang till death)

کے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ پھانسی میں موت کا مفہوم شامل نہ تھا۔اسی وجہ سے قرآن نے بھی قتل کا لفظ الگ اور پھانسی کا لفظ الگ استعمال کیا ہے۔ یہاں سے صلیب پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے قریب بھی نہیں گئے تو تم کس غلط فہمی میں صلیب کی پوجا کرتے ہو؟ اسی عقیدۂ مصلوبیت نے صلیب پرستی کو بنیاد فراہم کی تھی اور قادیانیوں نے صلیب توڑنے کی بجائے صلیب پرستی میں عیسائیوں کا ہاتھ بٹایا۔ آج اگر کوئی شخص صلیب کو توڑ کر دکھانا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرآنی الفاظ مَاصَلَبُوْهُ کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مطلق صلیب پر چڑھنے کی نفی کرے تاکہ صلیب کو متبرک سمجھ کر اسکی پوجا کرنے کی بنیاد ختم ہو جائے اور صلیب پرستی کا صفایا ہو جائے۔

چلیے سب کچھ چھوڑیے۔ آپ عیسائیوں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں؟ ذرا انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ملاحظہ کر لیجیے۔ جس میں وہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی خواہش فرما رہے ہیں۔ آپ کا ردِّ عیسائیت کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی درست معلوم ہونے لگے گا۔ انصاف شرط ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

انجیل برنباس کے الفاظ پڑھیے:

UNWORTHY THOUGH I AM TO UNTIE HIS HOSEN I HAVE RECEIVED GRACE AND MERCY FROM GOD TO SEE HIM

(BARNABAS:97-1)

ترجمہ:۔ اگرچہ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں، میں نے اللہ سے اس بات کی عاجزانہ دُعا کی جو اس نے قبول کر لی کہ میں اس سے مل سکوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے (مسلم حدیث رقم: ۳۹۴)۔

وہ حج یا عمرہ کریں گے اور مکہ شریف سے مدینہ طیبہ تک سفر کریں گے (مسلم ۳۰۳۰)۔

مستدرکِ حاکم میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ لَيَهْبِطَنَّ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ حَكَماً عَدْلاً وَ اِمَاماً

مُقْسِطاً وَلَيَسْلُكَنَّ فَجّاً حَاجّاً اَوْ مُعْتَمِراً اَوْ بِنِيَّتِهِمَاوَلَيَأْتِيَنَّ قَبْرِیْ حَتّٰی یُسَلِّمَ عَلَیَّ وَلَاَرُدَّنَّ عَلَیْہِ یعنی عیسیٰ ابنِ مریم ضرور برضرور نیچے اترے گا، حکومت کرے گا، عدل کرے گا، اور منصفانہ امامت کرے گا، اور حج یا عمرہ کے لیے ضرور سفر کرے گا، اور ضرور برضرور میری قبر پر آئے گا حتیٰ کہ مجھے سلام کہے گا اور میں ضرور برضرور جواب دوں گا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ ﷛ فرماتے ہیں کہ اے میرے بھائی جب تم حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو دیکھو تو عرض کرنا کہ ابو ہریرہ آپ کو سلام پیش کرتا تھا۔ حاکم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۲۱۴)۔

واضح رہے کہ مرزا قادیانی نے زندگی بھر نہ حج کیا اور نہ عمرہ۔

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اپنی کتاب سیفِ چشتیائی میں یہی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''ہم پیش گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا اور جوابِ سلام سے مشرف ہونا، یہ نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی'' (سیفِ چشتیائی صفحہ ۱۰۸)۔

حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کے بعد مرزا قادیانی چھ سال زندہ رہے مگر پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ اور حج و عمرہ کی سعادت سے بے نصیب رہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدینہ شریف میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس میں دفن ہوں گے۔ اور قیامت کے روز نبی کریم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ہی روضے میں سے سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بیچ میں سے اٹھیں گے (الوفا ۲/۸۱۴)۔

حضرت عبداللہ بن سلام ﷛ (جو سابق یہودی عالم تھے) فرماتے ہیں کہ تورات میں نبی کریم ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ایک جگہ دفن ہونا لکھا ہوا ہے۔ ابو مودود فرماتے ہیں کہ آج بھی روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے (ترمذی حدیث رقم: ۳۶۱۷)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ ابنِ مریم نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر انہیں نماز پڑھانے کی دعوت دے گا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں، اس

اُمت کے اپنے لوگ ہی اس اُمت کی امامت کا حق رکھتے ہیں، اللہ نے اس اُمت کو یہ اعزاز بخشا ہے (مسلم حدیث رقم: ۳۹۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اے میری اُمت! تمہاری شان اس وقت کیا ہو گی جب عیسیٰ ابنِ مریم تم میں نازل ہوگا اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا (مسلم حدیث رقم: ۳۹۲، بخاری حدیث رقم: ۳۴۴۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ یعنی تمہاری شان اُس وقت کیا ہوگی جب عیسیٰ ابنِ مریم تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا (بیہقی کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۳۰۱)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے اور نبی کریم ﷺ کے اُمتی ہونے کا شرف حاصل کرنے کے لیے دوبارہ تشریف لانے میں نبی کریم ﷺ کی جو شان پوشیدہ ہے وہ ان تمام دلائل سے اچھی طرح واضح ہو رہی ہے اور اس میں اُمتِ مسلمہ کے لیے جو اعزاز پنہاں ہے اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اللہ کریم جل شانہٗ کا ارشاد ہے: وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی عیسیٰ قیامت کی نشانی ہے (الزخرف: ۶۱)۔ اس آیت کی ایک قرأت عَلَمٌ (ع اور ل کے زبر کے ساتھ) بھی ہے اور یہ قرأت حضرت ابنِ عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (بغوی جلد ۴ صفحہ ۱۴۳)۔ جس سے اس آیت کا مفہوم نکھر کر سامنے آ گیا ہے۔ اور حدیث شریف میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اس آیت میں قیامت کی نشانی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کی قیامت سے پہلے تشریف آوری ہے (مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۴۶۱، مسند احمد حدیث: ۲۹۲۴)۔

ظہورِ مہدی

حدیث شریف میں ہے کہ یہ اُمت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے۔ جس کے شروع میں میں ہوں، درمیان میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ ہے (رزین، مشکوۃ حدیث رقم: ۶۲۸۷)۔

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ جبکہ مرزا قادیانی کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خود ہی عیسیٰ بھی ہیں اور وہی مہدی بھی ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری اس اُمت کے لیے اعزاز ہی اعزاز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مہدی میری عترت سے ہوگا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوگا (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۲۸۴، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۴۰۸۶، شرح السنۃ حدیث رقم: ۴۲۸۰)۔

اس حدیث میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کی آل میں سے ہونا صراحۃً مذکور ہے اور ''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد'' کے الفاظ تمام تاویلاتِ بعیدہ کا دروازہ بند کر رہے ہیں اور مرزا قادیانی کے مُغل (مرزا) ہونے کے وجہ سے انکی مہدویت کو پاش پاش کر رہے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے حسن کو نبی کریم ﷺ نے سید قرار دیا ہے۔ اس کی پشت میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا جو نبی کریم ﷺ کا ہمنام اور ہم اخلاق ہوگا مگر صورت مختلف ہوگی۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۲۹۰)۔

قادیانی حضرات اپنے مرزا قادیانی کی مہدویت کو ثابت کرنے کیلئے حدیث کا ایک ٹکڑا ''لَا مَهْــدِیَ اِلَّا عِیْسـیٰ'' پڑھ دیا کرتے ہیں۔ یعنی عیسی کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلیٰ شِرَارِ النَّاسِ وَلَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَم یعنی قیامت شریر ترین لوگوں پر قائم ہوگی اور اس وقت عیسیٰ ابن مریم کے سوا کوئی ہدایت پر نہ ہوگا۔

اس مکمل حدیث کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں مہدی کا لفظ عربی زبان کے لفظ کے طور پر اپنے لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں مہدی سے مراد امام مہدی نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صفت کا حصر ذات میں جائز ہے جیسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور ذات کا

حصر صفت میں بھی جائز ہے جیسے مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل۔ مگر ذات کا حصر ذات میں یا صفت کا حصر صفت میں نہیں ہوا کرتا۔ مرزا قادیانی کا ذاتی نام غلام احمد ہے اور وہ مسیحیت اور مہدویت کی صفات سے متصف ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر مسیحیت اور مہدویت دونوں ان کی صفات ہوں تو لَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسیٰ میں صفت کا حصر صفت میں لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

شناخت

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح ابنِ مریم اور عیسیٰ ابنِ مریم کی تصریح کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کے نزدیک نازل ہونے والے مسیح کو بھی احادیث میں وہی عیسیٰ ابنِ مریم یعنی ''مریم کا بیٹا عیسیٰ'' کے صاف الفاظ سے متعارف کرایا گیا ہے۔ مرزا قادیانی اپنے دعوے سے مسیح تو بن بیٹھے لیکن مریم کا بیٹا بن کے دکھانا مشکل ہوگیا۔ مرزا قادیانی اپنی اس مشکل کو حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''استعارے کے رنگ میں مجھے مریم بنایا گیا، پھر مجھے حمل ہوا، پھر مجھ سے عیسیٰ پیدا ہوا، وہ پیدا ہونے والا عیسیٰ بھی میں خود ہی تھا، اس طرح میں عیسیٰ ابنِ مریم ٹھہرا'' (کشتیِ نوح صفحہ ۶۸ تا ۶۹)۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق میں بتایا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ دمشق سے مراد قادیان ہے۔ جو دمشق سے مشابہت رکھتا ہے (حاشیہ ازالہِ اوہام صفحہ ۶۳ تا ۷۳)۔

احادیث کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول سفید مینار کے پاس ہوگا۔ ان صاحب نے اس طرح کا مینار خود آکر قادیان میں تعمیر کرالیا، اور خانہ پُری مکمل کرلی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ حدیث شریف کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجّال کو لُد کے دراز ے پر قتل کریں گے تو ان صاحب نے جواب دیا کہ لُد سے مراد لُدھیانہ ہے اور دجّال کو قتل کرنے سے مراد مخالفین کو علمی طور پر شکست دینا ہے (الہدیٰ صفحہ ۹۱)۔

اور جب ان سے پوچھا گیا کہ قرآن شریف کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے آپ بھی یہ سارے کام کرکے اپنی مسیحیت کو ثابت

کریں، توانہوں نے جواب دیا کہ یہ سب مسمیرزم (ایک قسم کا جادو) تھا۔ اگر میں ان چیزوں کو جائز سمجھتا تو کسی طرح عیسیٰ ابنِ مریم سے کم نہ رہتا (ازالہِ اوہام صفحہ ۱۴۸)۔

فردِ واحد کے مختلف دعوے

قادیان میں جن صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ وہی محمد رسول اللہ ہیں (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۴)۔

اور وہی مسیح ابن مریم ہیں (حقیقت الوحی وازالہِ اوہام وغیرہ)۔

اور وہی امام مہدی ہیں (سیرت المہدی وغیرہ)۔

ان کی کتابوں میں کہیں صرف مجدد ہونے کا دعویٰ موجود ہے، کہیں با قاعدہ نبوت کا اعلان پایا جاتا ہے (ازالہِ اوہام اور ایک غلطی کا ازالہ وغیرہ)۔

اور کہیں مرزا قادیانی لکھتے ہیں ''میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہِ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں'' (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)۔

کوئی دوسرا ان کے متضاد بیانات کو کیا سمجھے گا۔ خود ان کے ماننے والے بھی اس چکر کو نہ سمجھ سکے اور وہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ صرف مجددیت کا قائل ہے جسے لاہوری گروپ کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا فرقہ نبوت و مسیحیت کا قائل ہے جسے قادیانی گروپ کہا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو احمدیت سے خارج سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف لٹریچر شائع کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اچھا خاصا اُلجھا ہوا ہے اور انکے مذہب میں داخل ہونے والے ایسے نئے لوگوں کے لیے سخت پریشانی کا باعث ہے، جو ذرا سی بھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ بلکہ اب تو ان کے اپنے نوجوانوں میں بھی ہیجان اور چہ میگوئیاں شروع ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مرزا قادیانی کا اپنا لٹریچر اپنے نوجوان طبقے سے چھپا کر رکھتے ہیں۔ اور انہیں صرف بعد کا لکھا ہوا محتاط لٹریچر پڑھاتے ہیں۔

بعض قادیانیوں نے مرزا قادیانی کی ان تضاد بیانیوں سے جان چھڑانے کے لیے ان میں تطبیق دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ہم نے ان کی باتوں کا بغور جائزہ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی تمام کاوشیں محض وفاداری کا ثبوت تو کہلا سکتی ہیں مگر صحیح تطبیق نہیں کہلا سکتیں۔ قادیانیوں کے

لاہوری گروپ کا وجود میں آ جانا اس مسئلے کے نا قابل حل ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اس گھر کو آ گ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ ختم نبوت کے موضوع پر فقیر کی کتاب الانتہاء کا مطالعہ فرمائیں۔

ستائیسویں آیت:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود وسلام اچھے طریقے سے بھیجو (احزاب:۵۶)۔

صلوٰۃ کے لفظی معنی

صلوٰۃ کے لفظی معنی رحمت اور دعا کے ہیں (المنجد صفحہ ۵۶۵)۔ مفردات الفاظِ القرآن میں ہے۔

قَالَ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ اللُّغَۃِ ھِیَ الدُّعَاءُ وَالتَّبْرِیْکُ وَالتَّمْجِیْدُ یعنی بے شمار اہلِ لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دُعا، تبریک اور تمجید ہے۔

شرعی معنی

اللہ کے اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیجنے سے مراد رحمت کرنا ہے اور بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے مراد دُعا کرنا ہے (خازن جلد ۳ صفحہ ۵۱۰، احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۷۰، مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۷۴ بلکہ تمام مفسرین نے تقریباً یہی بات لکھی ہے)۔

درود شریف کا مقصود

درود شریف کا مقصود نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا، تعظیم کرنا، شان بیان کرنا اور درجات کی بلندی کی دُعا کرنا ہے۔

حضرت ابوالعالیہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَلٰوۃُ اللّٰہِ ثَنَاءُہٗ عَلَیْہِ عِنْدَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَصَلٰوۃُ الْمَلٰٓئِکَۃِ الدُّعَآءُ یعنی اللہ کی

صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی فرشتوں کے سامنے ثناء خوانی ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد دُعا ہے (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ: ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی، ترجمۃ الباب)۔

بیضاوی میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یَعْتَنُوْنَ بِاِظْھَارِ شَرْفِہٖ وَتَعْظِیْمِ شَانِہٖ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اعْتَنُوْا اَیْضاً فَاِنَّکُمْ اَوْلٰی بِذَالِکَ یعنی بیشک اللہ اور اسکے فرشتے آپ کی فضیلت کا اظہار اور شان و تعظیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اسی بات کا اہتمام کرو۔ تم تو اس چیز کے زیادہ حقدار ہو (تفسیر بیضاوی جلد۲ صفحہ۲۵۲)۔

حضرت سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی تکریم ہے (خزائن العرفان صفحہ ۶۷۹)۔

حضرت مُلاّ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

کَثْرَۃُ الصَّلٰوۃِ مُنْبَئَۃٌ عَنِ التَّعْظِیْمِ الْمُقْتَضِیْ لِلْمُتَابَعَۃِ النَّاشِئَۃِ عَنِ الْمُحَبَّۃِ الْکَامِلَۃِ الْمُرَتَّبَۃِ عَلَیْھَا مُحَبَّۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ تَعَالٰی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ یعنی کثرت سے درود شریف پڑھنا آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ تعظیم اور محبتِ کاملہ ہی اتباع کا تقاضا کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی محبت پر ہی اللہ تعالیٰ کی محبت مرتب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فرما دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا (مرقاۃ جلد۲ صفحہ ۳۴۰)۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اَلْمَقْصُوْدُ بِالصَّلٰوۃِ" کی سرخی قائم فرماتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

صلوٰۃ سے مقصود اللہ کا حکم مان کر اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا حق ادا کرنا ہے۔ ہماری صلوٰۃ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کرنے کے لیے نہیں ہے۔ ہم کہاں اور حضور کہاں۔ دراصل حضور کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی احسان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان احسانات کا کچھ بدلہ تو دے نہیں سکتے البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بارگاہ میں درود کے

نذرانے پیش کرنے کی راہ دکھائی ہے۔درود شریف پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہی پہنچتا ہے اور وہ درحقیقت اپنی ذات کے لیے ہی دعا کرتا ہے۔شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ درود شریف کا فائدہ اس کے پڑھنے والے کو پہنچتا ہے۔اس لیے کہ درود پڑھنے میں سچے عقیدے،خلوصِ نیت،محبت واطاعت اور ادب واحترام کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ پر محبت میں ڈوب کر حق غلامی کی ادائیگی اور توقیر وتعظیم کی خاطر درود بھیجنا ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ ہے۔درود شریف حضور کی نوازشات کا شکرانہ ہے۔آپ کی عنایات کا شکر ہم پر واجب ہے۔آپ جہنم سے ہماری خلاصی اور جنت میں دخول کا ذریعہ ہیں،کامیابی کا آسان راستہ،سعادت کے تمام دروازوں کی کشاد اور بغیر کسی حجاب کے عظیم مراتب اور اعلیٰ مناقب کے وصول کا ذریعہ ہیں۔بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں ان کے نفسوں میں سے ہی عالی شان رسول کو بھیجا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (القول البدیع صفحہ ۲۶۔۲۵)۔

مطالع المسرات میں ہے: يُصَلُّوْنَ اَیْ يَعْطِفُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْطِفُ بِرَحْمَتِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ يَعْطِفُوْنَ بِاسْتِغْفَارِهِمْ یعنی يُصَلُّوْنَ سے مراد محبت کے ساتھ میلان ہے۔اللہ کا میلان رحمت ہے اور فرشتوں کا میلان استغفار ہے(مطالع المسرات صفحہ ۲۱)۔

نیز لکھا ہے: اللہ کی صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی ثناء اور عظمت کا بیان ہے اور فرشتوں اور دوسروں کی صلوٰۃ سے مراد اللہ سے اسی چیز میں مزید اضافہ کرنے کی دعا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی شان کا اظہار ہے اور آپ ﷺ کی ہر طرح سے خیرخواہی کرنا ہے۔اس معنی کو امام غزالی اور زرکشی نے پسند کیا ہے۔اس لیے کہ یہ قدرِ مشترک ہے(مطالع المسرات صفحہ ۲۵)۔

آپ نے دیکھا کہ ان تمام عبارات میں درود شریف کے ساتھ ثناء،محبت،شان،تعظیم، شرف،عطف(جھکاؤ)جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔جیسی صلوٰۃ بھیجنے والے کی شان ہوگی ویسے

ہی صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔لیکن شرف و تعظیم کا لحاظ و اعتناء اللہ، فرشتوں اور مومنین کی صلوٰۃ میں مشترک طور پر موجود ہے اور یہی درود شریف کا مقصود ہے۔

لہٰذا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا ہی وہ منبع و مرکز ہے جہاں سے کثرتِ درود کے علاوہ نعت خوانی، اشعار میں صلوٰۃ وسلام اور محافلِ میلاد و قیام کو جنم ملتا ہے۔ یہی وہ عظمت و محبت ہے جس کی وجہ سے ایک عاشق پروانہ وار گنبدِ خضراء کی طرف لپکتا ہے۔ اسی صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کا عکس آپ کو اس حدیث شریف میں ملے گا کہ: ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اسکے ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں'' (مسلم حدیث: ۱۶۹، بخاری حدیث: ۱۳، نسائی حدیث: ۵۰۱۳، ۵۰۱۴، ابن ماجۃ حدیث: ۶۷)۔

سیاق وسباق اور شانِ نزول

یہ آیت کفار کی ایذا رسانی کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو راحت وسکون کی فراہمی کے لیے نازل فرمائی۔ اس آیت سے پہلے ایذا سے منع کرنے کے الفاظ ہیں (وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ)اور اس کے بعد میں اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيْناً کے الفاظ سے محبوب کریم ﷺ کو دکھ پہنچانے کو دنیا و آخرت میں لعنت کا سبب قرار دیا ہے۔

مراد یہ ہے کہ مخالفین، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی جلالتِ شان اور رفعتِ ذکر میں کیا رخنہ اندازی کر سکیں گے؟ جبکہ خود اللہ جو مسبب الاسباب ہے اور اس کے فرشتے جو اس نظامِ کائنات کو چلانے پر سبب کے طور پر مامور ہیں، سب کے سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ پر ہمہ وقت درود بھیجنے میں مصروف ہیں۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

سیاقِ کلام سے واضح ہو گیا ہے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کے الفاظ ایذا کے مقابلے پر استعمال ہوئے ہیں۔ جب کفار اور مخالفین کی طرف سے ایذا رسانی کا ہر حربہ استعمال ہو رہا ہے تو

مومنین اور غلاموں کی طرف سے راحت و تسکین، تعظیم و توقیر اور رفعتِ شان میں کیوں کسر باقی رہے۔

علامہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''درود شریف تمام عبادات سے افضل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو باقی عبادات کا حکم دیا ہے مگر درود شریف پہلے خود بھیجا، پھر فرشتوں کو اس کا حکم دیا اور پھر مومنین کو اس کا حکم دیا'' (مطالع المسرات: ۲۲۔۲۱)۔

فضائلِ درُود پر احادیث

(۱)۔ درود شریف نماز جیسی اہم ترین عبادت کا جزوِ لازم ہے۔ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے (ترمذی حدیث رقم: ۳۳۷۱)۔ لیکن عبادت کا یہ مغز بھی اس وقت تک زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رہتا ہے جب تک حبیب کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر درود شریف نہ پڑھ لیا جائے (ترمذی حدیث رقم: ۴۸۶)۔

(۲)۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں، یہ فرمائیے کہ میں اس کے لیے کتنا وقت مقرر کروں۔ فرمایا جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا وقت کا چوتھا حصہ؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا آدھا؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا ۲/۳ حصہ؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر سارا وقت آپ پر درود شریف ہی پڑھا کروں گا۔ فرمایا اگر ایسا کرو گے تو یہ درود تمہارے لیے ہر اَمر میں کافی ہے اور یہ تیرے گناہ معاف کرائے گا (ترمذی حدیث رقم: ۲۴۵۷)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف ذکر کا قائم مقام بھی ہے یعنی اللہ کا ذکر اس کے اندر ہی موجود ہے ''ہر اَمر میں کافی ہے'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہر دُعا کا بدل ہے اور ''تیرے گناہ معاف کرائے گا'' سے مراد ظاہر ہے کہ یہ استغفار کا کام بھی کرتا ہے۔

(۳)۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشَرَ صَلَوٰتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ

عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَ رُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ یعنی جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا۔ اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا اور اسکے دس گناہ معاف کرے گا۔ اور اسکے دس درجات بلند کرے گا (نسائی حدیث: ۱۲۹۷، مسند احمد حدیث: ۱۲۰۰۴، شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۱۵۵۴)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا یعنی جو بھی نیکی کرے گا اُسے دس گُنا اجر ملے گا۔ لیکن درود شریف ایک ایسا عمل ہے کہ صرف اس کا ثواب ہی دس گُنا نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات دس مرتبہ درود بھیجے گی۔ اللہ کے درود کے سامنے محض ثواب نہایت چھوٹی چیز ہے۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ دس گناہ بھی معاف اور دس درجات بھی بلند فَجَزَى اللّٰهُ تَعَالٰى عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّداً مَّا هُوَ اَهْلُهٗ۔

اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ اپنے ذکر سے کیا وہی اپنے حبیب ﷺ پر درود بھیجنے سے کیا۔ وہاں فرمایا: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (بقرۃ: ۱۵۲)۔ یہاں فرمایا جو ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا (کذا فی القول البدیع: ۱۳۸)۔

(۴)۔ اَوْلَى النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً یعنی قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ شخص ہوگا جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا ہوگا (ترمذی حدیث رقم: ۴۸۴، شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۱۵۶۳)۔

معلوم ہوا کہ عاشقوں کو جس گوہرِ نایاب کی تلاش ہے یعنی قربِ مصطفیٰ ﷺ، وہ کثرتِ درود میں ہی پنہاں ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کا پیغام اور آپ کی باتیں لوگوں تک پہنچانے والے اس میدان میں سب سے آگے ہیں اس لیے کہ یہ زبان سے بھی اور عمل سے بھی درود شریف ہی میں مصروف ہیں۔ (یعنی زبانی درود، درودِ قولی ہے اور دینِ مصطفیٰ ﷺ کا چرچا درودِ فعلی ہے۔) (القول البدیع: ۱۴۰)۔

(۵)۔ مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ یعنی جب بھی کوئی آدمی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے حتیٰ کہ

میں اس کا جواب دیتا ہوں(ابوداوٗد حدیث رقم: ۲۰۴۱، مسند احمد حدیث رقم: ۱۰۸۲۳، شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم:۱۵۸۱)۔

(۶)۔ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْہِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُغْفَرَ لَہٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَکَ عِنْدَہٗ اَبَوَاہُ الْکِبَرَ اَوْ اَحَدُھُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاہُ الْجَنَّۃَ یعنی وہ شخص برباد ہو جس کے پاس میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔اور وہ شخص بھی برباد ہو جو رمضان کا مہینہ پائے اور عبادات کے ذریعے اپنی بخشش نہ کرا سکے۔اور وہ شخص بھی برباد ہو جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ جا سکا(ترمذی حدیث:۳۵۴۵،مسند احمد حدیث:۷۴۶۹)۔

(۷)۔ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّی عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ ، قَالَ قُلْنَا وَ بَعْدَ وَفَاتِکَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الاَرْضِ اَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ یعنی جو آدمی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسم کو کھائے (جلاء الافہام حدیث:۱۱۰،المعجم الاوسط للطبرانی حدیث:۱۶۴۲،مجمع الزوائد حدیث:۱۷۲۹۷)۔

(۸)۔ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَومَ الجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُودٌ یَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ ، وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا ، قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ ؟ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ یعنی جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، فرشتے اس پر گواہی دیتے ہیں۔جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ درود پڑھنے سے فارغ ہو جاتا ہے۔حدیث کو بیان کرنے والے صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کا جسم کھائے، لہٰذا اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق ملتا ہے(ابن ماجہ حدیث رقم:۱۶۳۷)۔

(۹)۔ اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے

میرا ذکر ہوا اور اُس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا (ترمذی حدیث رقم: ۳۵۴۶، مسند احمد حدیث رقم: ۱۷۴۱، شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۱۵۶۶)۔

(۱۰)۔ جو شخص مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا (ابن ماجہ حدیث: ۹۰۸)۔

(۱۱)۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری روحانی صفائی کا ذریعہ ہے (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۵۵)۔

(۱۲)۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۵۵)۔

(۱۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا بے شمار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا اللہ کی راہ میں تلوار کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہے (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۵۶)۔

(۱۴)۔ جب کوئی شخص دعا مانگتا ہے تو ایک پردہ اسے آسمان پر نہیں چڑھنے دیتا۔ جب دعا مانگنے والا نبی ﷺ اور اس کی آل پر درود پڑھتا ہے تو وہ پردہ پھٹ جاتا ہے اور دعا آسمانوں میں داخل ہو جاتی ہے ورنہ دعا واپس لوٹ آتی ہے (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۵۶)۔

(۱۵)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پل صراط پر لڑکھڑا رہا ہے۔ اچانک وہ درود شریف اس کے پاس پہنچ گیا جو وہ مجھ پر پڑھا کرتا تھا، وہ آدمی فوراً سنبھل گیا (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۵۶)۔

(۱۶)۔ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی امت کے ایک شخص کو دیکھیں گے جسے جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام آواز دیں گے یا احمد، یا احمد۔ نبی کریم ﷺ فرمائیں گے لبیک اے انسانوں کے باپ۔ وہ فرمائیں گے آپ کے اس امتی کو جہنم میں لے کر جا رہے ہیں۔ میں اپنا تہبند مضبوط کروں گا اور اس کے پیچھے بھاگ پڑوں گا اور کہوں گا اے میرے رب کے فرشتو ٹھہر جاؤ۔ وہ کہیں گے ہم بڑے سخت لوگ ہیں، ہمیں اللہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے کر گزرتے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ مایوسی محسوس کریں گے تو اپنی داڑھی مبارک کو بائیں ہاتھ

سے پکڑیں گے اور عرش کی طرف متوجہ ہو کر عرض کریں گے، اے میرے رب آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری امت کے بارے میں مجھے رسوا نہیں کریں گے۔ اللہ کریم فرمائے گا محمد کی بات مانو اور اس آدمی کو واپس لے آؤ۔ میں اپنی جیب سے ایک سفید پرچہ نکالوں گا اور ترازو کے دائیں پلڑے میں رکھ دوں گا اور کہوں گا بسم اللہ۔ اس کی نیکیاں گناہوں سے بھاری ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ کی کوشش کامیاب ہوئی اور اس شخص کا نامۂ اعمال بھاری ہو گیا، اسے جنت میں لے جاؤ۔ وہ شخص کہے گا اے اللہ کے فرشتو ٹھہر جاؤ میں اللہ کے اس پیارے سے ایک بات پوچھ لوں۔ وہ کہے گا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کا چہرہ کتنا حسین ہے اور آپ سر سے پاؤں تک سراپا حسن ہیں، آپ کون ہیں؟ آپ نے میرے گناہ واپس کرا دیے اور میری خستہ حالی پر رحم کیا۔ نبی کریم ﷺ فرمائیں گے میں تیرا نبی محمد ہوں اور یہ تیرا درود ہے جو تو مجھ پر پڑھتا رہا۔ اس درود نے مشکل کے وقت تجھ سے وفا کی ہے (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۷)۔

(۱۷)۔ جس نے اپنی کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھا، تو جب تک وہ درود شریف اس کتاب میں لکھا رہے گا فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے اور اس شخص پر جوابی طور پر درود جاری رہے گا (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۸)۔

(۱۸)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ عز و جل نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ کیا آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ کو پیاس نہ لگے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ اللہ کریم نے فرمایا محمد ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کرو (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۸)۔

(۱۹)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے گناہ اس سے بھی زیادہ مٹتے ہیں جتنی ٹھنڈے پانی سے آگ بجھتی ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۶۱)۔

(۲۰)۔ **اَنَا حَبِيْبُ اللهِ وَ الْمُصَلِّی عَلَیَّ حَبِيْبِیْ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْباً لِلْحَبِيْبِ فَلْيُكْثِرْ مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَی الْحَبِيْبِ** یعنی میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھ پر درود پڑھنے والا میرا حبیب ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ حبیب کا حبیب بنے تو اسے چاہیے کہ حبیب پر کثرت سے درود پڑھے (خزینۃ الاسرار الکبریٰ صفحہ ۲۰۸)۔

(۲۱)۔ جتنی دیر کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے، اس وقت تک فرشتے بھی اس پر درود

پڑھتے رہتے ہیں۔اب تم خود سمجھ لو کہ درود کم پڑھنا چاہیے یا زیادہ (الوفا صفحہ ۸۰۴)۔

(۲۲)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور ہماری طرف متوجہ ہونے کی بجائے قبلہ رخ ہو کر سیدھے سجدے میں گر گئے۔ آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ ہم نے سمجھا آپ کا وصال ہو گیا ہے۔میں پریشان ہو کر قریب گیا تو آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور بیٹھ گئے۔مجھ سے فرمایا کون ہو؟ میں نے عرض کیا عبدالرحمٰن۔ فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھ پر آپ کے وصال کا خوف طاری ہو گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں خود اس پر درود پڑھوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں خود اس پر سلام بھیجوں گا۔یہ بات مجھے اتنی پیاری لگی کہ میں نے شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا (الوفا صفحہ ۸۰۴)۔

(۲۳)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھو تو بڑے پیارے طریقے سے درود پڑھا کرو، بے خبری میں نہ رہنا، اس درود شریف نے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہونا ہوتا ہے (ابن ماجہ حدیث رقم: ۹۰۶)۔

چند درود شریف

ذیل میں مختلف الفاظ کے ساتھ چند درود شریف تحریر کیے جاتے ہیں جنہیں ایک غلام اپنے آقا کے احسانات کے شکرانے کے طور پر پڑھ سکتا ہے۔دل میں والہانہ پن اور پروانے جیسی فدائیت ہو۔رُخِ زیبا کے تصور میں ڈوب کر قاری اپنے محبوب پر عقیدت کے پھول یوں نچھاور کرے۔

(۱)۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

یقیناً ہم اپنے آقا و مولا کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے لہٰذا لاچار ہو کر اللہ کریم ہی

کی بارگاہ میں یوں عرض کناں ہوتے ہیں۔

(۲)۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمَ۔

(۳)۔ جَزَی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا سَیِّدَنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا ھُوَ اَھْلُہٗ۔

(۴)۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

(۵)۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

(۶)۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

(۷)۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّآتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجٰتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

مذکورہ بالا درود شریف کا نام درودِ تنجینا ہے۔ شیخ اکبرمحی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ھُوَ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْعَرْشِ یعنی یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

درود شریف کا ایک بہترین مجموعہ ''دلائل الخیرات'' ہے۔ اس کتاب کو اپنے مُرشد کی اجازت سے پڑھنا صوفیاء کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر لائق تحسین ہے اور اس کے مصنف امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی علیہ الرحمہ ہماری دعاؤں اور شکریے کے حقدار ہیں۔

باقی رہا صیغۂ خطاب کا اختلاف اور براہِ راست اور بالواسطہ کی باریکیاں تو اس کے لیے وہی قاعدہ یاد کر لیجیے کہ

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

درود شریف کے موضوع پر ابوسعید حضرت علامہ مفتی محمد امین صاحب فیصل آبادی کی کتاب ''آبِ کوثر'' بڑی پیاری چیز ہے۔

اٹھائیسویں آیت:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور اسے اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی (الحجرات: ۲)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے ادب کی زبردست تعلیم موجود ہے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں اونچی آواز سے بولنا اور آپ ﷺ کو عام لوگوں کی طرح نام سے پکارنا بھی بے ادبی ہے۔

حبیبِ کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہمارے لیے سخت ضروری ہے لیکن اس آیت اور اس جیسی دیگر بے شمار آیات واحادیث سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کا درجہ تعلیم سے بھی بلند تر ہے۔ تعظیم نہ کرنے پر اعمال کی بربادی کی وعید اس کا واضح ثبوت ہے۔

ندائے یارسول اللہ

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ آیت کے تحت تمام مفسرین نے مختلف صحابہ و تابعین کے حوالے سے لکھا ہے کہ نرمی اور محبت کے ساتھ کہا کرو۔ یارسول اللہ، یا نبی اللہ (ابن جریر جلد ۱۰ پارہ ۱۸ صفحہ ۲۱۱، قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۲۹۴، تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۴۲۵، بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۳۳، خازن جلد ۳ صفحہ ۳۶۵، بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۵۹، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۲۱)۔ اور چونکہ قرآنی احکام پر عمل کرنا قیامت تک کے آنے والی امت پر لازم ہے لہذا آج بھی یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا درست ہے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمت اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **بِاَنْ تَقُوْلُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَاَمْثَالَھُمَا مِنْ نَحْوِ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ یَا خَلِیْلَ اللّٰہِ وَھٰذَا فِی حَیَاتِہٖ وَکَذَا بَعْدَ وَفَاتِہٖ فِی جَمِیْعِ مُخَاطَبَاتِہٖ** یعنی آپ ﷺ کی حیات میں بھی اور وفات شریف کے بعد ہر قسم کے خطاب میں تم لوگوں کو یارسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ، یا خلیل اللہ، کہنا چاہیے (شرح الشفاء از ملا علی قاری علی ہامش نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۳۸۶)۔

ہمیں نماز میں اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھنے کا حکم ہے۔اس حدیث کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایں حکم از جہتِ سریانِ حقیقتِ محمدیہ است در ذرائرِ موجودات وافرادِ ممکنات یعنی یہ حکم اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حقیقت موجودات کے ذرے ذرے میں اور مخلوقات کی ہر ہر فرد میں موجود ہے(اشعۃ اللمعات جلدا صفحہ۴۳۰)۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اپنے قلب میں نبی کریم ﷺ کی صورت مبارک کو حاضر کر کے پڑھو اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ(احیاءالعلوم جلدا صفحہ۱۷۱)۔

اسم محمد ﷺ کی دو جہات ہیں۔ایک تو یہ آپ ﷺ کا ذاتی نام ہے۔ذاتی نام سمجھ کر یا محمد کہنا منع ہے۔دوسرے یہ اپنے معنی کے لحاظ سے آپ ﷺ کا صفاتی نام ہے(یعنی تعریف کیا گیا)۔اس صفاتی نیت سے آپ ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارنا جائز ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مدینہ شریف میں آپ کے استقبال میں نعرے لگائے۔ یَامُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (مسلم حدیث رقم:۷۵۲۲)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سُن ہو گیا تو انہوں نے شفا حاصل کرنے کے لیے یَا مُحَمَّدَاہُ کا نعرہ لگایا(الشفاء جلد۲ صفحہ۱۸)۔حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مدد مانگنے کی غرض سے محبت کے ساتھ بلند آواز سے نعرہ لگایا تھا(شرح الشفاء از ملا علی قاری علیہ الرحمۃ علیٰ ہامش نسیم الریاض جلد۳ صفحہ۳۵۵)۔

حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو محبوب کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد حدیثِ مرفوع کے مطابق دعا سکھائی جس میں یا نبی اللہ کے الفاظ موجود ہیں اور یہ حدیث اسی کتاب میں دعا کے باب میں مکمل نقل کی جا چکی ہے۔اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام وفات سے پہلے یا بعد میں تفریق نہیں کرتے تھے۔

مسلمان جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑ رہے تھے۔مسلمانوں کو شکست کا خطرہ لاحق ہوا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نعرہ لگایا یَا مُحَمَّدَاہُ، ان کی شکست فوراً فتح میں تبدیل ہو گئی۔اس دن یہی نعرہ مسلمانوں کے لشکر کی پہچان تھا(البدایہ والنہایہ جلد۶ صفحہ۳۲۱)۔

میدانِ جنگ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی فوجوں کا نعرہ یا محمد ہوا کرتا تھا (فتوح الشام صفحہ ۳۸۵)۔

بلکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان جنگ لڑ رہے تھے اوران کے لشکر کی پہچان یہ نعرہ تھا ''یَا مُحَمَّدُ یَا مَنْصُوْرُ اَجِبْ اَجِبْ ''یعنی اے محمد۔اے امداد یافتہ، مدد کو پہنچ، مدد کو پہنچ (فتوح الشام صفحہ ۲۴۹)۔

انتیسویں آیت:

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ یعنی اس زبردست رحم والے پر بھروسہ کر جو تجھے کھڑا ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔اور تیرا سجدہ کرنے والوں میں آنا جانا بھی دیکھتا ہے (الشعراء: ۲۱۷ تا ۲۱۹)۔

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی شانِ محبوبیت اپنی آب وتاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ گویا اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کے اٹھنے، بیٹھنے، آنے جانے اور اداؤں کو محبانہ انداز میں دیکھتا ہے۔

اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حضرت مجاہد تابعی کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ **اَیْنَمَا کُنْتَ** یعنی اے محبوب آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۴۰۲، ابن جریر جلد ۱۱ پارہ ۱۹ صفحہ ۱۳۲، قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۰)۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں یہ آیت بیان فرمائی ہے **وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا** یعنی اے محبوب آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کریں۔آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں (الطّور: ۴۸، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۱)۔

ایمانِ والدین شریفین علیٰ ابنھما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام

اس آیت میں **وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ** سے استدلال کرتے ہوئے مفسرین نے ساجدین سے آپ ﷺ کے آباء بھی مراد لیے ہیں۔آپ ﷺ پاک مردوں کی پشت سے پاک خواتین کے رحم میں منتقل ہوتے چلے آئے۔اُنہوں نے یہاں تک استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ کے

تمام آباء مومن اور ساجد تھے۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۴۰۲، قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۰، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۲)۔

اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہترین لوگوں میں سے زمانہ در زمانہ چلا آیا حتیٰ کہ اس زمانے میں میری بعثت ہوگئی (بخاری حدیث رقم: ۳۵۵۷)۔ اور مسلم میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو، اسماعیل کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو، ان میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا (مسلم حدیث: ۵۹۳۸، ترمذی حدیث: ۳۶۰۵، ۳۶۰۶)۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں بہترین لوگوں میں پیدا ہوا۔ میں اپنے ماں باپ میں سے پیدا ہوا اور مجھے جہالت کی کوئی بات نہ چھو سکی۔ میرے آباء و اجداد سب با کردار تھے۔ میں تم سب میں اپنی ذات اور آباء کے لحاظ سے بہتر ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے نور کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود تھی۔ یہ نور اور فرشتے مل کر اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھ دیا۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے آدم کی پشت میں زمین پر اتارا، پھر نوح کی پشت میں منتقل کیا، پھر ابراہیم کی پشت میں منتقل کیا، پھر اسی طرح پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے ماں باپ کے ذریعے پیدا کر دیا۔ میرے ماں باپ نے کبھی برائی نہیں کی۔ یہ حدیث صحیح ہے (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔

اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن میں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اب یعنی باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ مشرک تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اب یعنی باپ کا لفظ قرآن و سنت میں چچا کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے کہا تھا کہ **نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآءِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ** یعنی ہم تیرے اور تیرے باپوں ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے (البقرہ: ۱۳۳)۔ حالانکہ ان میں سے

حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے۔

حدیث پاک میں ہے کہ عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ یعنی آدمی کا چچا اس کا باپ ہی ہوتا ہے (ترمذی حدیث رقم: ۳۷۶۱، ابوداؤد حدیث رقم: ۱۶۲۳، مسند احمد حدیث رقم: ۸۳۰۴، صحیح ابن حبان حدیث رقم: ۷۰۵۰)۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً (بنی اسرائیل: ۱۵) سے استدلال کرتے ہوئے حضور کریم رؤف رحیم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا ایمان ثابت کیا ہے۔

اس موضوع پر انہوں نے ایک مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ" ہے۔ یہ رسالہ الحاوی للفتاویٰ میں موجود ہے۔ امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ابر المقال میں لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ سے ایمانِ والدین کریمین پر استدلال فرمایا ہے۔

نعت کی تاریخ

قرآن شریف میں کہیں نبی کریم ﷺ کے کھڑے ہونے اور آنے جانے کا ذکر ہے (الشعراء: ۲۱۹)۔ کہیں چہرۂ انور کو آسمان کی طرف اُٹھانے کا ذکر ہے (البقرہ: ۱۴۴)۔ کہیں جنگ کے لیے گھر سے نکلنے کا ذکر ہے (آلِ عمران: ۱۲۱)۔ کہیں اللہ کریم فرماتا ہے اے محبوب آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں (الطّور: ۴۸)۔ کہیں آپ ﷺ کے شہر کی قسم ہے (البلد: ۱)۔ کہیں آپ ﷺ کی جان کی قسم ہے (الحجر: ۷۲)۔ کہیں آپ ﷺ کی چادر کا تذکرہ ہے (مزمل: ۱)۔ کہیں لحاف مبارک کا ذکر ہے (مدثر: ۱)۔ کہیں آپ ﷺ کے خُلقِ عظیم کا ذکر ہے (القلم: ۴)۔ کہیں دشمنوں کے الزامات سے براءت کا اظہار ہے (القلم: ۲)۔ کہیں دشمنِ رسول کو تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ کہہ کر رسوا کیا جا رہا ہے (لہب: ۱) اور کہیں حبیبِ لبیب ﷺ کے جانثاروں اور غلاموں کو وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ کہہ کر سراہا جا رہا ہے (فتح: ۲۹)۔

اُدھر اللہ ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے تمام فرشتے بھی ہر وقت حبیب کریم ﷺ پر درود میں

مصروف ہیں (احزاب: ۵۶) اور حضرت ابوالعالیہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ : اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ یعنی درود شریف سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی محفل سجائے ان میں اپنے نبی ﷺ کی ثناء فرما رہا ہے (بخاری قبل حدیث: ۴۷۹۷)۔ شمع رسالت کے پروانے یعنی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی بڑھ چڑھ کر نذرانہ ہائے عقیدت پیش کررہے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کیلئے نبی کریم ﷺ خود مسجد میں منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے ہوکر حضرت حسان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں اشعار پڑھتے تھے (ابوداؤد حدیث: ۵۰۱۵، ترمذی حدیث: ۲۸۴۶)۔

آپ کی نعت کے تیرہ اشعار مسلم شریف میں موتیوں کی طرح درج ہیں۔ حبیبِ کریم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوبکر صدیق سے راہنمائی حاصل کرو اور پھر شعر لکھو (مسلم حدیث: ۶۳۹۵)۔ آپ کا پورا دیوان بازار میں آج بھی دستیاب ہے جسکا نام دیوانِ حسان ہے۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے نعتیہ اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُّسْتَضَآءُ بِهٖ　　　مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ الْهِنْدِ مَسْلُوْلُ

(بلاشبہ رسول ایسا نور ہیں کہ اس سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ آپ ﷺ ہند کی سونتی ہوئی تلوار ہیں۔)

آپ ﷺ نے یہ شعر سن کر فرمایا کہ مجھے ہند کی تلوار مت کہو۔ اللہ کی تلوار کہو۔ (الہند کو اللہ سے بدل دو) اور آپ ﷺ نے انہیں انعام کے طور پر چادر بھی عطا فرمائی (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۴۰۳)۔ اس شعر میں آپ ﷺ کی طرف سے ترمیم کے باوجود شعر کا وزن برقرار رہا۔

اس کے علاوہ چاروں خلفاءِ راشدین، دیگر صحابہ کرام اور صحابیات علیہم الرضوان نے بھی نعتیں لکھی ہیں اور ان کے بعد آج تک پوری اُمت بے شمار زبانوں میں نعتِ رسولِ اکرم ﷺ سے اپنے قلب و باطن کو منور کرتی چلی آئی ہے۔ ان نعت خوانوں میں امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ، مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔

علامہ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ کا لکھا ہوا قصیدہ بردہ زبان زدِ عالم ہے۔ جس کا

ایک ایک شعر عشق و مستی کا بھرپور خزانہ ہے۔

ماضی قریب میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے عقیدت و محبت سے لبریز، بے دریغ نذرانے پیش کر کے اسلاف کی یاد تازہ کر دی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نعت نویس کا صحیح العقیدہ ہونا، قرآن و سنت پر نظر رکھنا، اگر خود عالم نہ ہو تو کسی عالم سے اپنا کلام درست کروا لینا اور باعمل و خوش کردار ہونا ضروری ہے۔ نعت کو قرآن و سنت پر غالب رکھنا یا قرآن و سنت کے مقابلے پر لے آنا اور بدعقیدگی پر مبنی نعتیں لکھنا بے دینی ہے۔ آج کے دور میں یہ مرض کثرت سے پھیل چکا ہے۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہامیہ فرقہ والے علم کے مخالف ہیں، تدریس سے منع کرتے ہیں، فلسفیوں کے تابع ہیں، اور کہتے ہیں کہ قرآن حجاب ہے، اور اشعار طریقت کا قرآن ہیں، یہ لوگ قرآن کے تارک ہیں، اپنی اولادوں کو شعر سکھاتے ہیں اور ورد و وظائف سے منع کرتے ہیں، یہ لوگ اس اعتقاد کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، یہ خود کو اپنے باطل خیال کے مطابق اہل سنت و جماعت بتاتے ہیں حالانکہ یہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں ہیں وَ یَقُوْلُوْنَ: اَلْقُرْآنُ حِجَابٌ ، وَ الْاَشْعَارُ قُرْآنُ الطَّرِیْقَةِ ...... وَ فِیْ نَفْسِهِمُ الْبَاطِلِ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَ لَیْسُوْا مِنْهُمْ (سر الاسرار صفحہ ۵۸)۔

چند نعتیں

اس عاجز مسکین اور رُوسیاہ نے اپنے آقا و مولا کی شان میں چند نعتیں تحریر کر ڈالی ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اِن نعتوں کے اندر جو میری خطائیں پوشیدہ ہیں وہ ان کی نگاہِ بصیرت پر خوب عیاں ہیں، لیکن وہ رحمۃ للعٰلمین ہیں، کیا بعید کہ وہ انہیں میرے منہ پر دے مارنے کی بجائے شرفِ قبولیت سے نواز دیں۔

اے آں کہ تُرا عفو و عطا می زیبد — من آں کہ مَرا جرم و خطا می زیبد

ما ہیچ نہ گویم کہ با ما آں کن — با ما آں کن کہ تُرا می زیبد

☆......☆......☆

نقطوں کے بغیر نعت

اس درد ِلا دوا کی کوئی دوا کرو
آ کر رسولِ اکرم درماں عطا کرو

مولا سماں دکھائے دُولہا سہاگ لائے
ممدود ہوں کرم کے سائے دعا کرو

ساحل وہی ہے واحد ساری ہُمَم کے دھارے
سوئے کرم کدۂ ہر دو سرا کرو

ہر گدا گری ہے اللہ کے گداؤ
وہ لاڈلا ہے اُس کا اُس سے کہا کرو

مل کر ملِک ملائک ہر دم درود لائے
گھر گھر اِسی عمل کو سَحَر و مَسا کرو

سرکار کے مَحامِد اَعداء ہماع سے عاری
اے مُسلمو دَما دَم حد سے سِوا کرو

آ لائے ہر دو عالم دے کر کہا گدا سے
آ گے کہو سوالی کھُل کر صدا کرو

☆......☆......☆

عربی نعت

جَزَی اللّٰهُ عَنَّا النَّبِیَّ الْکَرِیْم
حَرِیْصٌ عَلَیْنَا رَءُوْفٌ رَّحِیْم
بَشِیْرٌ نَذِیْرٌ سِرَاجٌ مُّنِیْر
حَلِیْمٌ حَکِیْمٌ کَرِیْمٌ عَظِیْم
شَکَی الطَّائِرُ وَالْبَهِیْمُ اِلَیْهِ
عَلَی الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لُطْفٌ عَمِیْم
صَلوٰةٌ عَلَیْکُمْ شَفِیْعَ الْوَرٰی
مُقِیْلَ الْخَطَآءِ وَعَیْنَ النَّعِیْم
سَلاَمٌ عَلَیْکُمْ مُفِیْضَ السَّلاَم
لِکُلِّ اَتَاکُم بِقَلْبٍ سَلِیْم
صَلوٰةٌ عَلیٰ اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ
سَلاَمٌ عَلَیْهِمْ وَرَحْمٌ دَوِیْم
عَلیٰ اُمَّةِ الْمُصْطَفیٰ کُلِّهاَ
وَمِنْهَا غُلاَمُ الرَّسُولِ الْکَرِیْمِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَسَلَّمْ

ترجمہ

۱۔ اللہ ہماری طرف سے نبی کریم ﷺ کو جزائے خیر دے جو ہم پر حریص ہیں اور رؤف ورحیم ہیں۔

۲۔ وہ بشیر، نذیر اور سراجِ منیر ہیں۔ حلیم، حکیم، کریم اور عظمت والے ہیں۔

۳۔ پرندوں اور جانوروں نے اپنے مسائل آپ سے عرض کیے۔ آپ کا لُطف وکرم انسانوں اور جنّوں پر بھی عام ہے۔

۴۔ اے تمام انسانوں کے شفیع! آپ پر درود ہو۔ اے خطاؤں کو مٹا دینے والے نعمتوں کے سرچشمہ۔

۵۔ جو بھی آپ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آیا اُس کی طرف سلامتی کے دریا بہا دینے والے! آپ پر سلام ہو۔

۶۔ اُن کی آلِ پاک پر درود ہو اور اُن پر سلام ہو اور دائمی رحمت نازل ہو۔

۷۔ یہ درود وسلام مصطفیٰ ﷺ کی پوری امت پر بھی ہو۔ اور اسی امت میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ غلام بھی شامل ہے۔

☆......☆......☆

فارسی نعت

درود و سلام و ثنائے محمد
ہمہ وقت وردِ خدائے محمد

قرآں گفت الحمدُ للہ ولیکن
محمد لقب شُد برائے محمد

عیاں از رَوانی حدیثِ بخاری
کہ حسنِ خدا جلوہ ہائے محمد

نہ گفتد حبیبِ خدا از ہوائیش
کلامِ خدا شُد صدائے محمد

ہمہ خُلقِ اُو شُد کلامِ الٰہی
دل و جاں فدائے ادائے محمد

مفاتیحِ جملہ خزائن بدستش
عطائے خدا شُد عطائے محمد

وَلَوْ اَنَّھُمْ مژدہِ کامرانی
عفائے خدا شُد عفائے محمد

روانیست کس را کہ تفریق سازَد
وِلائے خدا شُد وِلائے محمد

زہے قاسمی سرمہِ چشمِ عاشق
کُجا مَن کُجا خاکِ پائے محمد

☆......☆......☆

ترجمہ

۱۔ حضور ﷺ پر درود و سلام اور آپ کی ثنا خوانی ہر وقت اللہ کا وظیفہ ہے۔

۲۔ قرآن میں ہے الحمد للہ، لیکن محمد کا لقب محمد کریم ﷺ کے لیے ہے۔

۳۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق کو دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا حسن حضور کے جلووں میں پوشیدہ ہے۔

۴۔ اللہ کا حبیب اپنی مرضی سے بولتا ہی نہیں۔ اللہ کا کلام ہی حضور کی صدا ہے۔ (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ النجم: ۳،۴)۔

۵۔ آپکا اخلاق سارا قرآن ہے۔ دِل و جان آپ ﷺ کی اداؤں پر فدا ہے۔

۶۔ تمام خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ حضور کی عطا ہی خدا کی عطا ہے (میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں پر رکھ دی گئیں: بخاری حدیث رقم: ۲۹۷۷، ۶۹۹۸، ۷۰۱۳، ۷۲۷۳)۔

۷۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ (جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے حبیب آپ کے پاس آجائیں۔) یہ آیت گناہگاروں کے لیے کامیابی کی خوشخبری ہے حضور کی معافی ہی خدا کی معافی ہے۔

۸۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ فرق کرے۔ حضور کی دوستی عین خدا کی دوستی ہے۔

۹۔ اے قاسمی! کاش ہمیں عاشقوں کی آنکھ کا سرمہ نصیب ہو جائے لیکن میں کہاں اور حضور ﷺ کے قدموں کی خاک کہاں۔

پشتو نعت

ترجمہ

۱۔ بلبل کے لیے پھول ہے اور ہر شخص کا کوئی نہ کوئی محبوب ہے۔ ہم غلامانِ مصطفیٰ ہیں ہمارے محبوب مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

۲۔ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ جـآء وک والی آیت ہمارے لیے ہے۔ ہم گناہگاروں کو حضور اپنی یمنی چادر میں چھپالیں گے۔

۳۔ جب باپ اپنے بیٹے کو مارے تو ماں اسے پناہ دیتی ہے۔ جسے اللہ سے سزا پانے کا خوف ہو وہ حضور کے دروازے پر حاضری دے۔

۴۔ اے اللہ! احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ساری اُمت کو بخش دے۔ میں تجھ سے حضور کے ہر اُمتی کے لیے سوال کرتا ہوں۔

۵۔ یارسول اللہ! میری صرف یہی استدعا ہے کہ میری زندگی استقامت سے گزر جائے اور خاتمہ ایمان پر ہو۔

۶۔ یارسول اللہ! آپ کی محبت میں مچھلی دریا سے باہر آ گئی ہے۔ اور پنجابیوں نے پشتو بولنا شروع کر دیا ہے۔

۷۔ میں مانتا ہوں کہ قاسمی سب سے خوار اور سیاہ کار ہے۔ مگر اسکے گناہ آپ کے کرم سے زیادہ نہیں۔

☆......☆......☆

سندھی نعت

ترجمہ

۱۔ تیری مثال اس دنیا میں نہیں آئی۔ ایسی حسین صورت نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔

۲۔ میرے پیارے! تیری چپ بھی اللہ کا حکم ہے اور جب بولتے ہو تو اس بولنے سے بھی عرش کے موتی برستے ہیں۔

۳۔ میرے آقا کی صورت خدا کا جلوہ ہے۔ آپ کو اللہ نے اسی طرح بنایا جس طرح آپ نے خود چاہا۔

۴۔ زمین والے ثنا کا حق کیا ادا کریں گے جبکہ عرشِ بریں پر بھی آپ کی ثنا جاری ہے۔

۵۔ آپ کا ثانی ممکن ومحال ہے۔ اوّل وآخر کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔

۶۔ میرے آقا! مجھے اپنے قدموں میں جگہ عطا فرمایئے۔ پوری دنیا میں کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے۔

۷۔ آقا نے اپنی نگاہِ کرم سے ایسا پاک کر دیا کہ قاسمی کی صورت بھی سراپا کرم ہے۔

☆......☆......☆

His Highness The Greatest Prophet

See in sun and see in light
who is wrong and who is right.

Great is Allah then my prophet
None is greater in my sight.

He is never son of Allah
Even then you see his height.

Always Allah helps Muhammad
Fight with him if you can fight.

Midst of ten thousands of saints
In his right hand flaming light.

Live in love and die in love
You will see that end is bright.

For his umma after him
Has been weeping day and night.

No body can beat Muhammad
Take it granted black and white.

Only Allah can assess him
O,Qasmi you should be quiet .

☆......☆......☆

اُردو نعت

جہانِ رنگ و بُو میں کوئی اُن جیسا نہیں ہو گا
نہ ہی افلاک میں ہو گا نہ بر فرشِ زمیں ہو گا

کہیں قرآن میں شاہد کہیں پر شمسِ نورانی
کہیں قَد جآءَکُم ہو گا کہیں نُورِ مبیں ہو گا

نبی کی شان کے منکِر تجھے جھکنا پڑے گا ہی
حشر میں تم بھی جاؤ گے یہ عاصی بھی وَہیں ہو گا

بڑے حیران ہوں گے پھر یہودی بھی نصاریٰ بھی
کہ جب اَوجِ براہیمی ترے زیرِ نگیں ہو گا

اُنہیں میں ڈھونڈھ ہی لوں گا صِراط و حوض و میزاں پر
نگاہیں مضطرب ہوں گی مگر دِل کو یقیں ہو گا

بروزِ حشر تکتے ہی اُنہیں پہچان لیں گے ہم
سراپا حسنِ یزدانی ہمارا مَہ جبیں ہو گا

نہیں ہے قاسمؔی ایسا کوئی توشہ و سرمایہ
نبی کے عشق کا ذَرّہ اگر دِل میں کہیں ہو گا

☆......☆......☆

پنجابی نعت

جاواں صدقے حُسنِ ازل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں
جیندی نبیاں تے سرداری میری نال محمد یاری
قربان میں خاص فضل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں
جیندے نور کیتا اُجیالا میرا ڈھول مدینے والا
فاران تے اُحد جبل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں
ہر حُسن اُسے دا جلوہ گیا عرش تے جیندا تلوا
مازاغ دے نین کجل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں
میری لُوں لُوں دے وِچ وسدا کدی اَپنا بھید نہ دَسدا
ہر چیز دے نور اصل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں
اُس یار نوں سامنے پایا جنہیں اپنا آپ ہٹایا
اُس مظہر ذات شکل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں
ہُن قاسمی دے وَل آ جا پیا ترسدا ای گل لا جا
میں واری وقت وصل توں کالی زُلف دے پیچ کُنڈل توں

☆......☆......☆

سَرائیکی زبان میں صوفیانہ کلام

مِلن اوِیندا وویار گل چالوِیندا وویار

تَسیاں دِیدِیاں دا سَاڑ مٹیندا وویار

آ وَطناں تے وے ماہیا روز اُڈیکاں وے راہیا

موڑ مُڑیندا وویار

سانگا واڈھے لَوِیوے سِکدیاں جندڑ فیوے

تاں سمجھیندا وویار

سجناں دور پیانوں تھی مجبور گیانوں

آن ملیندا وویار

ڈاڈھا ڈھول تھکائی جیندیاں مار مکائی

رحم کریندا وویار

چنگی ماڑی پی تھیندی سجناں کان سہیندی

معاف کریندا وویار

سن وو غلام رسولا مُڑ وو غلام رسولا

حکم منیندا وویار

☆......☆......☆

جمالِ مصطفیٰ ﷺ

درمیانہ قد۔ گندمی رنگ۔ نیم گھنگریالے بال۔ سر بڑا۔ بال گھنے، کان کی لو تک لمبے، کبھی شانوں تک پہنچ جاتے تھے۔ کندھوں کا درمیانی فاصلہ چوڑا۔ پیٹ اور سینہ ہموار۔ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینۂ بالائی پر بال تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی باریک دھاری تھی۔ بدن پر زیادہ بال نہ تھے۔ چہرہ نہ گول نہ لمبا۔ آنکھیں سیاہ اور پتلی۔ آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے۔ پلکیں دراز۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو خم دار اور گنجان۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ ان دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو بوقتِ جلال اُبھر آتی تھی۔ ناک بلندی مائل، سرسری دیکھنے سے بلند لگتی تھی۔ رُخسار ہموار، ہلکے اور گوشت بھرے تھے۔ دہن معتدل فراخ۔ دانت باریک آبدار۔ سامنے کے دانتوں میں معمولی فصل۔ داڑھی گنجان، سینے کو بھر دیتی تھی۔ گردن مُورتی کی طرح صاف تراشیدہ۔ دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت۔ اعضاء معتدل اور پُر گوشت۔ بدن گٹھا ہوا۔ کلائیاں دراز۔ اُنگلیاں مناسب لمبی۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہتھیلیاں گوشت دار۔ اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بڑی۔ مجموعی بدن موٹا نہ تھا۔ بارُعب تھے۔ سچی پچی زبان۔ نرم دل۔ تیز رفتار۔ نیچی نظر۔ آگے جھک کر چلتے جیسے بلندی سے اُتر رہے ہوں۔ قوت سے قدم اُٹھاتے۔ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن سے مڑتے۔ آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ دیکھتے اور کبھی کبھی اس کے برعکس بھی کرتے۔ سفید لباس۔ سفید عمامہ۔ سبز یا سُرخ دھاریوں والی چادر، جوتا چمڑے کی بغیر بالوں والی چپٹی جس پر دو دو تسمے تھے۔ زیادہ تر تبسم فرماتے، آپ کی ہنسی صرف تبسم ہوتی تھی۔ کنواری پردہ دار لڑکی سے زیادہ شرمیلے۔ لگاتار اور جلدی جلدی نہ بولتے بلکہ ہر مضمون صاف اور دوسرے سے جدا ہوتا۔ جامع کلام فرماتے تھے۔ بات کو تین دفعہ دہراتے تاکہ سننے والا ذہن نشین کر لے۔ سُرمہ رات سوتے وقت لگاتے۔

بوقتِ وصال سر مبارک میں تیرہ اور داڑھی مبارک میں چار بال سفید تھے۔ تریسٹھ برس کی عمر میں وصال فرمایا۔

چاندی سے ڈھالا گیا بدن۔ (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

چاند سے زیادہ خوبصورت۔ (جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ)

بَلْ مِثْلُ الْقَمَرْ۔ (براء بن عاذب رضی اللہ عنہ)

میں نے اتنا حسین نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں۔(براء بن عاذب رضی اللہ عنہ، ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ)

تقریباً یہ سب باتیں شمائلِ ترمذی سے ماخوذ ہیں۔ فقیر نے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا حلیہ مبارک الشفاء بجمال المصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نام سے شعروں میں ڈھال دیا ہے۔

اَلشِّفاء

بجمال المصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

باعثِ تخلیقِ عالَم جانِ جاں
صاحبِ لولاک سِرِّ کن فکاں

جملہ حاجت ہائے عالَم شُد وصول
توبۂ آدم طفیلِ اُو قبول

رحمۃ للعٰلمیں فرحُ الحزیں
بر کبائر ہا شفیعُ المذنبیں

گندمی رنگ سر بڑا قد معتدل
بر سرِ محفل بلندی مستقل

گیسوئے خمدار کالے اور گھنے
کان کی لَو کے برابر تھے بنے

پھیل کر شانوں کو چھو لیتے کبھی
کھائی قرآن نے قسم واللّیل کی

بطن و سینہ سیدھ میں کندھے وسیع
سینہ کندھے بازوؤں پر بال بھی

سینۂ بالا سے لے کر ناف تک
بال کی باریک دھاری کی دمک

بدنِ اقدس پر نہ تھے کثرت سے بال
حسن و خوبی سے مزین بال بال

چہرۂ اقدس نہ لمبا تھا نہ گول
والضُّحیٰ کہہ کر پڑا قرآن بول

کالی آنکھیں تیز پتلی آبدار
سرخ ڈورے آنکھ میں پلکیں دراز

ابروئے خم دار گنجان و جدا
عذرائے محجوب سے بڑھ کر حیاء

خوب پیشانی کشادہ یار کی — چاند سے بڑھ کر چمک دلدار کی
ناک مائل تھی بلندی کی طرف — سرسری دیکھو تو لگتا تھا شرف
صاف ہلکے گوشتی ہموار گال — منہ فراخی مائل ولب با جمال
دانت پتلے آب دار و بافصل — گوہر نایاب کی اعلیٰ نسل
پُر کریں سینہ گھنی داڑھی کے بال — مونچھ چھوٹی خوبصورت با جمال
مورتی گردن مبارک پر فدا — اُس کو قدرت نے تراشا تھا جدا
تھی عیاں مُہرِ نبوت پشت سے — چھوئی جا سکتی تھی وہ انگشت سے
معتدل ہر عضو ہے پُر گوشت ہے — گٹھا ہوا اُن کے بدن کا پوست ہے
لمبی کلائی اُنگلیاں جائز دراز — ہاتھ پاؤں کی ہتھیلی گوشت دار
جوڑ کی ہڈیاں بڑی مضبوط تر — معتدل ان کا بدن مربوط تر
مسکرانا تیری عادت تھی سدا — مسکرا دے مسکرا دے مسکرا
یا الٰہی اَز طفیلِ حسنِ اُو — رحم کن بر حالِ زارِ خستہ رُو
یَا حَبِیْبِیُ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ — یَا مُحِبِّی اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ
یَا شَفِیْعِیُ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ — یَا شِفَائِیُ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ

نوٹ:۔

اس کلام ''الشفاء بجمال المصطفٰے'' کو تین بار پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے تو انشاء اللہ ہر مرض میں شفا ہو گی۔ مرض اگر پُرانا ہو تو سات بار پڑھ کر دم کیا جائے اور اگر لا علاج ہو تو اِکتالیس بار پڑھا جائے۔ مریض خود پڑھ کر اپنے اوپر خود بھی دم کر سکتا ہے۔

شعراء سے گزارش

ایک شاعر کے لیے یہ ضروری ہے کہ نہایت ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کلام کے راست اور ضمنی اثرات پر نظر رکھے۔ آجکل کے بعض ناعاقبت اندیش شعراء چند مجذوب صوفیاء کی

زبان سے کسی خاص حال میں نکلی ہوئی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علم اور علماء کی مخالفت کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے سامنے قرآن اور حدیث پڑھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ہم انہیں ایسے کاملین کی زبانی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جن کی عظمت وکمال اس کائناتِ پست وبالا میں ہر سُو مسلّم ہے۔

ا۔حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب کا آغاز ''اثباتِ علم'' کے باب سے کیا ہے اور آپ اس میں قرآن اور حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''یہ طے شدہ بات ہے کہ علم کی نفی جہالت ہے اور علم کا ترک بھی جہالت۔تو جاہل تو بہر حال قابل مذمت ہوگا اور جہالت تو کفر اور باطل کا قرینہ ہے۔کیونکہ حق کا جہالت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور یہ جہالت وترکِ علم تمام صوفیاء ومشائخ کے عقیدہ کے خلاف ہے''(کشف المحجوب صفحہ ۱۵)۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

''جس کو شریعت کا علم حاصل نہیں اس کا دل جہالت کی بیماری میں مبتلا ہے(صفحہ ۱۷)۔

۲۔قُطب الاقطاب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطُباً

وَ نِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

ترجمہ: میں علم پڑھتے پڑھتے قطب ہوگیا اور میں نے خداوند تعالیٰ کی مدد سے سعادت کو پالیا۔

(قصیدہ خمریہ شعر نمبر ۹)

۳۔شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الوصیہ'' میں فرماتے ہیں۔

''تو اپنے ماتحتوں پر اللہ کی حدود نافذ کر۔تجھ سے اُن کے بارے میں پوچھا جائے گا۔تیرا چھوٹے سے چھوٹا ماتحت تیرا اپنا نفس ہے۔اس پر اللہ کی حدود جاری کر۔اگر تیرے خیال میں

اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اچھائی سے رُکنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو۔ خیر اور شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ کی حدود نافذ کرنے کے لئے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے" (الوصیہ، رسائل ابن عربی صفحہ ۴۰۸)۔

۴۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

علموں باجھ جو فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو
سے ورہیاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بے گانہ ہو
غفلت کنوں نہ کھلیس پردے دل جاہل بت خانہ ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جنہاں ملیا یار یگانہ ہو

(کلامِ حضرت باہو صفحہ ۱۱۹)۔

یہ ہیں میرے آباء و پیشوا، کوئی مائی کا لال اِن کی مثال لا سکتا ہو تو لے آئے۔

جن چند صوفیاء کی زبان سے علم اور شریعت کے خلاف باتیں سرزد ہوئی ہیں۔ اوّل تو اُن کے پیشِ نظر ابوالفضل اور فیضی جیسے اکبر بادشاد کے پالتو مُلّا تھے، یا وہ صوفیاء مجذوب تھے، یا یہ باتیں انہوں نے کسی حال میں کہی ہیں جنہیں صوفیاء کی اصطلاح میں "شطحیات" کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حال میں "سُبحانی ما اعظم شانی" کہہ دیا مگر جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ میں دوبارہ ایسا کہوں تو مجھے قتل کر دینا۔ جب آپ نے دوبارہ اسی حال میں یہی الفاظ کہے تو آپ پر تلوار چلادی گئی، مگر تلوار جسم سے ہوا کی طرح پار ہو گئی۔ یہ ہے سچ۔

صرف زبان سے "سُبحانی" کہہ کر ہر شخص بایزید بسطامی نہیں بن سکتا۔ "انا الحق" کہہ کر ابنِ منصور نہیں بن سکتا اور گھنگرو باندھ کر بُلھے شاہ نہیں بن سکتا۔ علیہم الرحمۃ

مجذوب کا معاملہ بالکل جدا ہے، لیکن لوگوں کی اصلاح کی خاطر مسندِ ارشاد پر بیٹھنے والے سالک کے لیے ضروری ہے کہ اس نے کم از کم قرآن شریف، مشکوٰۃ شریف، قدوری اور

شرح عقائدِ نسفی کی تعلیم حاصل کر لی ہو۔علم اور فقر ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔محقق اور صاحبِ ظرف وہ ہے جو اِن دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔

یہ سب باتیں نعت خوان حضرات کے بھی کام کی ہیں۔نعت خوان دوستوں سے درخواست ہے کہ اپنی نعتیں علماءِ کرام کے پاس جا کر صحیح کرا لیا کریں۔بعض نعت خوان غلط اور خلافِ شرع بلکہ غلط عقائد پر مبنی نعتیں اور کلام پڑھ ڈالتے ہیں۔پھر لوگ ایسے کلام پر اعتراض کرتے ہیں تو علماء کو جواب دینا پڑتا ہے۔لہٰذا پہلے ہی علماء کو اپنا کلام دکھا کر درست کرا لینا اور محفلِ نعت میں کسی نہ کسی معتبر عالم سے تقریر کرانا،اس غلطی کی اصلاح کا بہترین طریقہ ہے۔

نعت پڑھنے کی قیمت طے کر لینا ناجائز ہے اور اخلاص و محبت کے بھی منافی ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد ایسی قوم پیدا ہوگی جو اپنی زبان سے اس طرح کھائے گی جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے(مسند احمد حدیث رقم:۱۶۰۲،مشکوٰۃ حدیث رقم:۴۷۹۹)۔یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب البیان والشعر میں بیان ہوئی ہے یعنی گفتگو اور شاعری کا باب۔

نعت خوانی کی اجرت کے طور پر محض کھانا کھانے سے بھی علماء نے لَاتَشْتَرُوْا بِآیَاتِیْ ثَمَناً قَلِیْلاً پڑھ کر منع فرمایا ہے(ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ حصہ دوم صفحہ ۱۷۵)۔

نعت شریف کو گانے کی طرز پر پڑھنا بھی سخت قبیح ہے اور محفلِ نعت کو تھیٹر میں تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔محبوب کریم ﷺ نے فرمایا عشقیہ طرز سے بچنا تم پر لازم ہے(شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم:۲۶۴۹،مشکوٰۃ حدیث رقم:۲۲۰۷)۔

نعت شریف کو ڈھول یا دف کے ساتھ پڑھنا بھی ناجائز ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے دف توڑ دینے کا حکم دیا ہے(مسند احمد حدیث رقم:۲۲۲۸۱،مشکوٰۃ حدیث رقم:۳۶۵۴)۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دف حرام ہے،موسیقی کے تمام آلات حرام ہیں،طبل حرام ہے اور بانسری حرام ہے(سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۲)۔ڈھول باجوں کی کثرت قیامت کی نشانیوں میں سے ہے(ترمذی حدیث رقم:۲۲۱۰،۲۲۱۱)۔

نعت خوان کا اپنے پیچھے گویوں اور سوزیوں کی ٹیم بٹھا لینا جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اسمِ گرامی بگاڑ بگاڑ کر اس کی تکرار کرتے رہتے ہیں،سخت ناجائز ہے اور اللہ کریم کا نام بگاڑنا حرام

ہے۔ دراصل یہ لوگ اللہ کے نام کے ذریعے ڈھول کی آواز پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر یا ساؤنڈ سسٹم کی گونج (Echo) اس طریقے سے کھولنا کہ ڈھول جیسا رِدھم پیدا ہو جائے، ناجائز ہے اور ڈھول ہی کے مترادف ہے۔

بعض نعت خوان اپنی نعت کے دوران لوگوں کو کبھی کھڑا ہونے کو کہتے ہیں اور کبھی بیٹھ جانے کو۔ کبھی ایک ہاتھ کھڑا کراتے ہیں اور کبھی دونوں ہاتھ۔ کبھی دونوں ہاتھ کھڑے کرا کر ہاتھ لہرانے کا حکم دیتے ہیں۔ ایسی محافل میں بعض اوقات ایک طرف عورتیں بھی بیٹھی ہوتی ہیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ مردوں کے ہمراہ اٹھا کر لہراتی ہیں تو نہایت شرمناک منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

ذکر اور نعت کے دوران جان بوجھ کر رقص کرنے لگ جانا شریعت اور طریقت دونوں کے لحاظ سے منع ہے۔ تمام علماء اور صوفیاء علیہم الرضوان کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔

اللہ کریم جل جلالہ فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا یعنی ان لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے (سورۃ اعراف: ۵۱)۔

اس غناء، دف اور رقص کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے (فتاویٰ بزازیہ بر فتاویٰ عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۳۴۹)۔ جو رقص کو جائز کہے علماء نے اسے کافر کہا ہے (درمختار جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کا کوئی ثبوت نہیں۔ اولیاء اللہ میں سے کسی ایک نے بھی اسے پسند نہیں کیا ھیچ کس از مشائخ آں را نستودہ اند۔ خرافاتی لوگ رقص کو ثابت کرنے کے لیے جتنی روایات پیش کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ کاملین ایسی گندی حرکت نہیں کر سکتے (کشف المحجوب صفحہ ۴۷۶)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کر کے سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنالیا ہے اور اسی کو اطاعت و عبادت سمجھ لیا ہے (مکتوباتِ مجدد جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۶)۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: یہ حرکتیں تو محض نفس کی اغراض ہیں نہ کہ رب تعالیٰ جل شانہ کا قرب، اگر ایسی حرکتیں کرنے والا قائد سمجھا جاتا ہو اور وہ اسے عبادت سمجھ رہا ہو تو اسکا یہ کرتوت برا ہے، اسے اطاعت سمجھنا اس کا وہم ہے، جبکہ یہ درحقیقت ایک بدترین

رعونت ہے(روح المعانی جلد۲۱صفحہ ۶۵)۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ایسی محافل میں جس قدر لوگ کثرت سے جمع کیے جائیں گے اسی قدر گناہ اور وبال صاحب محفل اور داعی پر پڑے گا۔ اگر کوئی مغلوب الحال ہونے کا دعویٰ کرے اور مان بھی لیا جائے تو ایک محفل سجانے والا مغلوب الحال سہی، یہ جو سینکڑوں ہزاروں عوام کا ہجوم وازدحام کرایا جاتا ہے کیا یہ سب بھی خدا رسیدہ مغلوب الحال ہو کر آئے ہیں یا دنیا بھر سے چھانٹ چھانٹ کر پاگل بوہرے بلائے ہوتے ہیں جن پر شرع کا قلم نہیں اور جب ایسا کچھ نہیں تو ایسا مجمع حرام ہے اور اس کا بانی گناہگار ہے اس میں اصلاً شک نہیں **فَاِنَّمَا عَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ** **و اللہ سبحانہ وتعالی اعلم** (حاصل فتاویٰ رضویہ جلد۱۰ صفحہ۲۱۲ تا ۲۱۵)۔

ان باتوں کی اصلاح ہو جائے تو نعت خوانی بلاشبہ ایک پسندیدہ امر ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ کریم جل شانہ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ نعت پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ آباد رکھے اس شخص کو جس نے دولت کمانے اور اپنی ذاتی اناء کے مقابلے پر شریعت کے قواعد کو ترجیح دی۔

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے تقاضے

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔ یہ محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی ایمان مضبوط ہوگا۔ اس ایمان کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ادب و تعظیم کی جائے اور تیسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے (**وَغَیْرُ ذَالِکَ**)۔

اِن تمام تقاضوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کا اکٹھا ذکر قرآن شریف کی سورۃ توبہ میں ہوا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ**

اِلَیۡکُمۡ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَجِہَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ یعنی (اے محبوب) آپ فرمائیں اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے (سگے) بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور رہائشی مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو زیادہ محبوب ہوں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا (التوبہ: ۲۴)۔

آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَفِیۡ الآیَۃِ دَلِیۡلٌ عَلٰی وُجُوبِ حُبِّ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ لَا خِلَافَ فِی ذٰلِکَ بَیۡنَ الۡاُمَّۃِ وَ اَنَّ ذٰلِکَ مُقَدَّمٌ عَلٰی کُلِّ مَحۡبُوۡبٍ یعنی اس آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے واجب ہونے کی دلیل موجود ہے اور اس میں پوری امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور یہ محبت ہر محبوب پر بھاری ہے (قرطبی جلد ۸ صفحہ ۸۸)۔

قاضی عیاض رحمت اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت میں جس طریقے سے نبی کریم ﷺ کی محبت پر امت کو ابھارا گیا ہے اور محبت نہ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور آیت میں جس قدر دلالت اور حجت موجود ہے، وہ آپ ﷺ کی محبت کے لازم اور فرض ہونے اور آپ ﷺ کے اس کا حقدار ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے جان و مال، اہل و عیال اور اولاد سے بڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول سے زیادہ محبت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسا نہ کرنے پر سخت ترین وعید سنائی گئی ہے۔ پھر محبت نہ کرنے والوں کو فاسق قرار دیا گیا ہے اور انہیں جتلا دیا گیا ہے کہ ایسے لوگ گمراہ ہیں اور انہیں اللہ ہدایت نہیں دے گا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۴، ۱۵)۔

حدیث شریف میں ہے:

1۔ لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ یعنی تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری حدیث رقم: ۱۵، مسلم حدیث رقم: ۱۶۹، نسائی حدیث

رقم: ۵۰۱۳،۵۰۱۴، ابن ماجۃ حدیث رقم: ٦٧)۔

2۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ، اَنْ يَّكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَّعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس بندے میں پائی جائیں اس نے ایمان کی چاشنی پا لی۔ایک یہ کہ اللہ اور اسکا رسول اسے باقی سب سے زیادہ پیارے ہوں۔دوسری یہ کہ وہ کسی بندے سے محض اللہ کی خاطر محبت کرتا ہو۔تیسری یہ کہ کفر کی طرف لوٹ جانا اسے اتنا ناپسند ہو جس طرح آگ میں گرائے جانا اسے ناپسند ہے(مسلم حدیث: ۱٦۵، بخاری ١٦، ترمذی حدیث: ۲٦۲۴)۔

3۔ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّي اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا رَوَاهُ مُسْلِم وَالْبُخَارِي وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اَنَسٌ رضی اللہ عنہ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَاَرْجُو اَنْ اَكُونَ مَعَهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِاَعْمَالِهِمْ رَوَاهُ مُسْلِم وَفِي رِوَايَةٍ فَكَاَنَّ الرَّجُلَ اِسْتَكَانَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا كَثِيْرَ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلٰكِنِّي اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ قَالَ فَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ رَوَاهُ مُسْلِم وَمِثْلُهٗ فِي مُوَطَّا الْاِمَامِ مُحَمَّدٍ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی۔آپ ﷺ نے فرمایا! تو نے اسکے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے اسکے لیے کوئی تیاری نہیں کی، سوائے اسکے کہ میں اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہوں۔فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا وہ اس بات پر خوش ہوئے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور ابوبکر اور عمر سے محبت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ انکے ساتھ رہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں (مسلم حدیث: ٦٧١٣، بخاری حدیث: ۳٦٨٨)۔ایک روایت میں ہے کہ وہ

آدمی خاموش سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا یارسول اللہ میں نے اسکے لیے نہ تو زیادہ نماز تیار کی ہے نہ روزے اور نہ ہی زکوۃ، ہاں البتہ میں اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہوگی (موطا امام محمد صفحہ ۳۹۰، مسلم حدیث: ۶۷۱۵، بخاری حدیث: ۷۱۵۳)۔

4۔ **عَنْ عَمْرِو بْنِ مُحَمَّد عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَا سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَذْكُرُ النَّبِيَّ ﷺ قَطُّ اِلَّا بَكٰى** یعنی حضرت عمرو بن محمد اپنے باپ کی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے سنا وہ ہمیشہ رونے لگتے تھے (دارمی حدیث رقم: ۸۷، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث رقم: ۲۵۲)۔

5۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے محبت کی اور ان کے باپ اور ان کی ماں سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۶)۔

6۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اب ٹھیک ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۵)۔

7۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **مَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ** یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر دنیا کا کوئی شخص محبوب نہیں تھا (مسلم حدیث رقم: ۳۲۱)۔

8۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ کے چچا ابوطالب کا مسلمان ہو جانا مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ پسند ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہی بات محبوب کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کی تھی کہ اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو یہ چیز مجھے اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے سے زیادہ پسند ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

9۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ سے کیسی محبت کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم آپ ﷺ ہمیں ہمارے مال، اولاد، باپ دادا، ہماری ماؤں اور پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۱۸)۔

10۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو جب اہل مکہ نے قتل کرنے کے لیے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا، اے زید میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں، کیا تم اس وقت یہی نہیں چاہتے کہ تمہاری جگہ پر محمد ہوں اور تمہاری جگہ انہیں قتل کیا جائے اور تو اپنے گھر والوں میں خیریت سے موجود ہو؟ حضرت زید نے فرمایا اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ محمد ﷺ کو اپنے گھر میں بیٹھے بٹھائے بھی کوئی کانٹا تک چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے آج تک کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی محمد کے اصحاب محمد سے محبت کرتے ہیں (الشفاء جلد۲ صفحہ ۱۹)۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جب انہیں سولی پر چڑھایا گیا اور چالیس کافروں نے نیزے لے کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔

11۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور کے باہر نبی کریم ﷺ کو کھڑا کیا اور خود اندر تشریف لے گئے تا کہ غار میں سے کوئی مصیبت حضور کو نہ پہنچے۔ اپنی چادر پھاڑ کر غار کے سارے سوراخ بند کر دیے۔ صرف دو سوراخ رہ گئے، ان پر اپنے پاؤں رکھ دیے اور محبوب کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اندر تشریف لے آئیں۔ آپ ﷺ انکی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر سانپ نے ڈس لیا مگر انہوں نے حرکت تک نہیں کی تا کہ حبیبِ کریم ﷺ جاگ نہ جائیں۔ انکے آنسو آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو آپ ﷺ جاگ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ابوبکر آپ کو کیا ہوا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ آپ ﷺ نے لعاب مبارک لگایا تو انکی تکلیف رفع ہوگئی (رزین، مشکوٰۃ حدیث رقم: ۶۰۳۴)۔

12۔ جنگِ احد میں ایک انصاری خاتون رضی اللہ عنہا کے والد، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ وہ میدانِ احد کی طرف جا رہی تھیں اور لوگوں سے اپنے گھر کے افراد کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضور الحمدللہ تمہاری مرضی کے مطابق خیریت سے ہیں۔ کہنے

لگیں مجھے دکھاؤ میں حضور کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب حضور پر نظر پڑی تو کہنے لگیں کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ یعنی آپ کو دیکھ لینے کے بعد ہر مصیبت آسان ہے(الشفاء جلد۲ صفحہ۱۸)۔

13۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ شریف میں اہل مکہ سے بات چیت کے لیے بھیجا۔ مکہ والوں نے انہیں کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت دی تو انہوں نے فرمایا: مَا کُنْتُ لِاَفْعَلَ حَتّٰی یَطُوْفَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یعنی میں کعبہ کا طواف ہرگز نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کرتے (الشفاء جلد۲ صفحہ۳۱)۔

14۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک غزوہ میں بلا وجہ شریک نہ ہوئے تو اللہ تعالی کی طرف سے ان پر ناراضگی آ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے توبہ قبول ہونے تک لوگوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ حضور نماز کے بعد مسجد میں صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ میں سلام عرض کرتا تو غور سے دیکھتا رہتا تھا کہ میرے سلام کے جواب میں حضور نے ہونٹ مبارک ہلائے ہیں کہ نہیں۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا تھا۔ میں نماز کے دوران آپ ﷺ کو چوری چوری دیکھتا رہتا تھا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور مجھے دیکھنے لگتے اور جب میں حضور کی طرف دیکھتا تو حضور دوسری طرف دیکھنے لگتے تھے (مسلم حدیث رقم: ۷۰۱۶، بخاری حدیث رقم: ۴۴۱۸، ابوداؤد حدیث رقم: ۲۲۰۲، نسائی حدیث رقم: ۳۴۲۳، ۳۴۲۴، ۳۴۲۵)۔

15۔ آخری دنوں میں محبوب کریم ﷺ کو تکلیف تھی جس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھاتے تھے۔ سوموار کے دن لوگ نماز میں کھڑے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ ہم سب لوگ بھی عین نماز میں نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کے ورق کی طرح تھا کَاَنَّ وَجْھَہٗ وَرَقَۃُ مُصْحَفٍ ۔ پھر آپ مسکرائے اور ہمیں خیال آنے لگا کہ کہیں ہم حضور کے دیدار کی خوشی کی وجہ سے نمازیں نہ توڑ بیٹھیں۔ ابوبکر اپنی ایڑیوں کے بل مصلۂ امامت سے پیچھے ہٹے کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز میں تشریف لانے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پردہ گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ کا وصال ہو گیا (بخاری حدیث: ۶۸۰، مسلم حدیث: ۹۴۴)۔

16۔ جب نبی کریم ﷺ کا وصال شریف ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ حضور ﷺ فوت نہیں ہو سکتے۔ آپ قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ اس وقت میری سوچ یہی تھی کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے کسی کام سے بلایا ہے اور آپ واپس تشریف لے آئیں گے۔ انہوں نے تلوار نکال لی اور فرمایا جس نے کہا کہ حضور فوت ہو گئے ہیں میں اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور خطبہ دیا جس میں مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل اور اِنَّکَ مَیِّتٌ آیات پڑھیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو محبوب کریم ﷺ کے وصال شریف کا یقین آ گیا اور حیرت جاتی رہی (بخاری حدیث رقم: ۳۶۶۸)۔

17۔ جب حبیب کریم ﷺ کی تدفین ہو رہی تھی اور آخر میں قدمین شریفین کی طرف سے قبرِ انور بند کی جانے لگی تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جان بوجھ کر اپنی انگوٹھی قبر شریف کے اندر گرا دی۔ اور کہنے لگے میری انگوٹھی اندر گر گئی ہے۔ لوگوں نے انہیں قبرِ انور کے اندر اتر کر انگوٹھی اٹھانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے اندر اتر کر اپنی انگوٹھی اٹھا لی اور محبوب کریم ﷺ کے مقدس قدمین کو ہاتھ لگا کر باہر آ گئے۔ بعد میں ساری زندگی فخر کرتے رہے کہ میں وہ واحد شخص ہوں جس نے حبیب کریم ﷺ کے قدموں کو سب سے آخر میں مس کیا ہے (سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۲۶۴)۔

18۔ ایک عورت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے لیے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کا دروازہ کھول دو۔ انہوں نے دروازہ مبارک کھول دیا۔ وہ عورت قبر انور پر اتنا روئی کہ اس کی وفات ہو گئی (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۹)۔

19۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عوام کی دیکھ بھال کے لیے رات کو گشت کر رہے تھے۔ آپ نے ایک گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھا۔ ایک بوڑھی عورت سوت کات رہی تھی اور وہ نبی کریم ﷺ کی محبت اور جدائی میں شعر پڑھ رہی تھی۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَاۃُ الْاَبْرَار   صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَار

قَدْ کُنْتَ قَوَّامًا بُکاً بِالْاَسْحَار   یَا لَیْتَ شِعْرِی وَالْمَنَایَا اَطْوَار

هَلْ تَجْمَعُنِی وَ حَبِیْبِی الدَّار

ترجمہ: محمد ﷺ پر اللہ کے پیاروں کی طرف سے درود ہو۔ آپ ﷺ پر پاک لوگوں اور نیک لوگوں کا درود ہو۔ یا رسول اللہ آپ رات کو قیام فرماتے اور سحری کے وقت رویا کرتے تھے۔ کاش میں جان لیتی کہ میں اور میرا محبوب ایک جگہ پر اکٹھے ہوں گے کہ نہیں۔ اسلئے کہ موت مختلف طریقوں سے آتی ہے اور نہ جانے میری موت کس حالت میں آئے اور مرنے کے بعد حضور سے ملاقات ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ کر رونے لگے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

20۔ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیٰ عَلَیْکَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ وَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ آپ میری آنکھوں کی کالی دھیری تھے، آپ کے جانے سے میری آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں۔ اب آپ کے بعد جس کا جی چاہے مر جائے، مجھے اگر خوف تھا تو آپ سے بچھڑنے کا خوف تھا۔

21۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم ﷺ کے بعد جب آپ کا ذکر کرتے تو ان پر کیف طاری ہو جاتا اور ان کے جسم پھڑکنے لگتے اور وہ رونا شروع کر دیتے تھے اور یہی حال بے شمار تابعین کا بھی تھا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۰)۔

22۔ حضرت عبدہ بنتِ خالد فرماتی ہیں کہ میرے والد حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ جب رات کو سونے لگتے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجرین وانصار صحابہ سے ملاقات کے شوق میں ان کا نام لے لے کر فرماتے تھے کہ یہ ہستیاں میرے اصول وفروع ہیں، میں ان سے بچھڑ گیا ہوں، میرا دل انہی کی خاطر تڑپتا ہے، میرا فراق طویل ہو چکا ہے، اے میرے اللہ میری روح قبض کر کے مجھے جلدی ان سے ملا دے۔ یہ کہتے کہتے انہیں نیند آجاتی تھی (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۷)۔

23۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی زوجہ نے کہا وَا حُـزنَـاہ یعنی ہائے غم، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وَا طَـرَبَاہ غَداً اَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّداً وَ حِزْبَہٗ یعنی واہ خوشی، میں کل اپنے

پیاروں محمد اور اس کے ساتھیوں سے جا ملوں گا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

24۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم ﷺ کا تہبند، چادر، قمیض، بال اور ناخن مبارک تھے۔ انہوں نے وصیت فرمائی کہ مجھے آپ ﷺ کی قمیض کا کفن دینا آپ ﷺ کی چادر میں لپیٹنا اور تہبند مبارک کا اِزار بنانا اور آپ ﷺ کے بال اور ناخن مبارک میرے چہرے اور سجدے کی جگہوں پر رکھ دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا (الاکمال مع المشکوۃ صفحہ ۶۱۷)۔

25۔ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے غم کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑ دیا اور شام میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ انہیں حبیب کریم ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ مدینہ میں آ کر ہمیں مل جاؤ۔ وہ صبح اٹھے تو مدینہ شریف کا رُخ کیا۔ مدینہ شریف پہنچے تو ہر طرف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہر کسی کی زبان پر تھا، بلال آ گئے بلال آ گئے۔ جب وہ مسجد نبوی شریف میں پہنچے تو دیوانہ وار کبھی حجرات میں جا کر حضور کو تلاش کرتے اور کبھی مسجد شریف میں۔ جب روضہ انور پر گئے تو اپنا سر قبر انور پر ڈال کر دھاڑیں مار کر روئے۔ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین علیہم الرضوان پاس موجود تھے۔ حضرت بلال بے ہوش ہو کر گر گئے۔ لوگوں نے جب ہوش دلایا۔ سب لوگ فرمائش کرنے لگے کہ اذان سناؤ۔ انہوں نے معذرت کی کہ میں اذان نہیں پڑھ سکتا۔ محبوب کریم ﷺ کی موجودگی میں اذان پڑھتے وقت محبوب کا چہرہ سامنے ہوتا تھا اب میں کون سے چہرے کو دیکھ کر اذان پڑھوں گا۔ لوگوں نے شہزادۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما سے سفارش کرائی۔ شہزادوں نے ہاتھوں سے پکڑ کر فرمائش کی کہ چچا جان اذان سنایئے۔ آپ اس فرمائش کو ٹال نہ سکے اور کھڑے ہو کر اذان شروع کر دی۔ اذان آگے کو بڑھ رہی تھی اور مدینہ منورہ میں کہرام برپا ہو رہا تھا۔ جب آپ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه پر پہنچے تو مدینہ کے گھروں میں سے باپردہ خواتین بھی بے قابو ہو کر باہر نکل آئیں۔ پورا مدینہ قبر انور کی طرف پرواز کر کے اُمڈ رہا تھا اور ایسے لگتا تھا کہ حضور کا وصال آج ہی ہوا ہے۔ فقیر راقم الحروف نے اس پورے واقعہ کی منظر کشی ذیل کے اشعار میں کی ہے۔ واللہ الموفق

اندازِ بلالی

بحضور عاشقِ مصطفٰے علیٰ محبوبہٖ وعلیہ التحیۃ والثناء

دنیا سے چلے جب سے وہ ذیشان گئے ۔۔۔ بلال حبشی مدینے سے چلے شام گئے
قسمت کے سکندر کو ملے خواب میں آقا ۔۔۔ اِک بار مدینے میں ہمیں آن کے مل جا
جیسے ہی مدینے کی وہ دہلیز پہ آیا ۔۔۔ ہر سمت ہوا شور مدینہ میں بلال آیا
مسجد میں تو حجرات میں جا جا کے تلاشا ۔۔۔ سرکار یہ حاضر ہے رُخِ یار کا پیاسا
ہر سمت مدینے میں تھا کہرام سا برپا ۔۔۔ آقا کی وہ جب قبر پہ سر ڈال کے رویا
بے ہوش ہوا گر کے وہ دربار نبی میں ۔۔۔ یارانِ نبی پاس تھے سرکار نبی میں
لوگوں نے کہا یادِ نبی تازہ کراؤ ۔۔۔ اِک بار ذرا پھر سے وہ آذان سناؤ
کہتا ہے مجھے معاف رکھو اہلِ مدینہ ۔۔۔ میرا یہ تہیہ ہے کہ آذان پڑھوں نہ
تھا سامنے آذان میں سرکار کا چہرہ ۔۔۔ اب کون دکھائے گا میرے یار کا چہرہ
حسنین سے لوگوں نے سفارش جو کرائی ۔۔۔ عشاق کی اس بات سے امید بر آئی
کہتے ہیں کہ چچا ہمیں آذان سنائیں ۔۔۔ پھر سوزِ بلالی سے مدینے کو سجائیں
لبیک میری مالک و مختار کے بیٹے ۔۔۔ لبیک علی حیدرِ کرار کے بیٹے
فوراً ہی بلال اٹھے گئے جائے اذاں پر ۔۔۔ آذان شروع کردی کھڑے ہو کے وہاں پر
منظر تھا عجب وہ تھی گھڑی دید کے قابل ۔۔۔ پھٹتا تھا ہر اک شخص کا سینہ و جگر دل
بڑھتی جو گئی آگے کو آذانِ بلالی ۔۔۔ ہر لفظ میں اِک آگ نئی شعلہ سَرا تھی
پہنچا جو رسالت کی گواہی پر مؤذِّن ۔۔۔ لگتا تھا کہ رخصت ہوئے سرکار اُسی دن
باپردہ خواتین نکل آئیں گھروں سے ۔۔۔ ہر سمت تھا ہنگامہ بپا آہ و فغاں سے
اے کاش مسلمان اسی نہج پہ جائے ۔۔۔ یارانِ محمد نے جو انداز سکھائے

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو اپنے تمام احوال کا حکمران اور متصرف نہیں سمجھتا اور اپنی جان کو آپ ﷺ کی ملکیت نہیں جانتا وہ آپ ﷺ کی سنت کی حلاوت

سے بے خبر ہے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (الشفاء جلد۲صفحہ۱۵)۔

محبتِ رسول ﷺ ایمان کا خلاصہ اور اِجمال ہے۔اس محبت کی تین قسمیں ہیں۔ایک محبت عقلی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے نہ چاہنے کے باوجود نفس کی مخالفت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو ہر چیز پر ترجیح دے۔

اس سے بہتر محبت ایمانی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر یا آپ ﷺ کی یاد آنے پر مسلمان کے دل میں تعظیم اور محبت کا ایک کرنٹ سا گزرے۔یہ کرنٹ جتنا زیادہ ہوگا اتنا ایمان مضبوط ہوگا۔

اس سے بھی بہتر محبت طبعی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کے دیدار کا شوق رکھے۔آپ ﷺ کے لیے اُداس ہو جایا کرے اور ماں باپ اور اولاد کی حسی محبت سے یہ محبت بڑھ جائے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد میں آنے والے بعض امتیوں کے حق میں فرمایا کہ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِی لِی حُبّاً نَاسٌ یَکُونُونَ بَعْدِی یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَورَاٰنِی بِاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ یعنی میری امت میں سے مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے،ان میں سے ایک یہ چاہے گا کہ کاش وہ اپنا مال اور اولاد قربان کر کے مجھے ایک جھلک دیکھ سکے (مسلم حدیث رقم:۷۱۴۵،ومثلہ فی البخاری حدیث رقم:۳۵۸۹،مسند احمد حدیث رقم:۹۴۱۳)۔

محبت کی اقسام میں سے کسی ایک کی چھوٹی سے چنگاری بھی اگر کسی کے دل میں موجود ہے، تو یہ عین ایمان ہے اور یہ محبت جس قدر ترقی کرتی جائے گی اتنا ہی ایمان مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

محبت کی پہچان اور علامت یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے (کنز العمال جلد۱صفحہ۴۲۵)۔

محبت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ عاشق کو محبوب میں عیب نظر نہ آئے۔حدیث شریف میں ہے کہ حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (ابوداؤد حدیث رقم:۵۱۳۰،مسند احمد حدیث رقم:

۲۱۷۵۱) یعنی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے، یعنی وہ محبوب میں عیب نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی سے اس کا عیب سن سکتا ہے۔ یہ عام محبوب کی بات ہے جس میں عیب موجود تو ہوتا ہے مگر اس کا عاشق نہ عیب دیکھ سکے نہ سن سکے۔ اور جس محبوب میں عیب ہو ہی نہیں۔ اس کے عاشق کا کیا رویہ اور کیا ایمان ویقین ہونا چاہیے؟ آپ خود اس بات کا اندازہ فرما سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ مرتبہِ الوہیت کے سواء آپ ﷺ کا ہر وصفِ کمال کسی حیل وحجت کے بغیر آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے محبوب ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ یعنی خبردار! میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں فخر نہیں کرتا (ترمذی حدیث رقم: ۳۶۱۶)۔

حضور ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور محبوب میں عیب دیکھنا اور اس کا عیب سننا محبت کے منافی ہے۔ تو پھر اللہ کریم نے اپنے محبوب میں کوئی عیب رکھا ہی کیوں ہوگا؟

لٰہذا یہ بات اچھی طرح باور کر لینی چاہیے کہ ہر وہ عقیدہ جس میں سے تنقیص رسالت کی بُو آئے اور شانِ مصطفیٰ ﷺ کو ماننے میں بخل اور تنزل کے جراثیم پائے جائیں۔ وہی محبتِ رسول ﷺ کے منافی سمجھا جائے گا۔

اور جب آپ ﷺ اللہ کے حبیب ہیں تو اس نسبت سے بھی آپ ﷺ سے محبت کرنا محبتِ الٰہی اور توحیدِ خداوندی کا تقاضا ہے۔

پھر آپ ﷺ خود اپنی پوری امت سے محبت کرتے ہیں اور ہم جیسے سیاہ کاروں کے لیے رو رو کر دعائیں فرماتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری دلی تمنا ہے کہ میں اپنے ان امتیوں سے مل سکوں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا مگر پھر بھی وہ مجھ پر ایمان لائے (مسند احمد حدیث رقم: ۱۲۵۸۶)۔

آپ ﷺ نے ہمیں توحید سکھائی، قرآن دیا، اسلام دیا اور بے شمار احسانات فرمائے۔ ایسے محسن حبیب ہماری محبت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ہر پیر، ہر عالم اور ہر خطیب پر لازم ہے کہ حبیبِ کریم ﷺ کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرے اور کوئی ایسی بات یا عقیدہ لوگوں میں نہ پھیلائے جس کے نتیجے میں حضور

کی محبت لوگوں کے دلوں میں کم ہوتی ہو۔

محبت کی تیسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے دوستوں سے بھی محبت کی جائے اور محبوب کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاءِ راشدین اور تمام صحابۂ کرام واہلِ بیتِ اطہار کی محبت ہمارا ایمان ہے۔

۲۔ تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تعظیم رسول ﷺ کا حکم قرآن میں بار بار ہوا ہے۔ فرمایا رسول کی تعظیم کرو اور توقیر کرو (الفتح: ۹)۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اللہ اور اسکے رسول سے آگے مت بڑھو۔ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔ اور آپ ﷺ کو اس طرح مت پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو (حجرات: ۱ تا ۲)۔ ان آیات کی تفسیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد عروہ بن مسعود نے قریش مکہ کو جاکر تعظیمِ رسول کا آنکھوں دیکھا منظر بتایا۔ انہوں نے بتایا کہ خدا کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں۔ میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے ہاں بھی گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے اتنی تعظیم کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی جتنی تعظیم محمد کی اُس کے صحابی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ بلغم پھینکتا ہے تو اس کے صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے مُنہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کسی کو حکم دے تو سارے بھاگ پڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتا ہے تو یہ لوگ وضو کے پانی سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ جب وہ بات کرے تو یہ سب اس کے سامنے چپ ہو جاتے ہیں۔ اس کے ادب کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرف نظر جما کر دیکھتے بھی نہیں۔ اے لوگو! وہ تمہارے پاس ہدایت کا پیغام لایا ہے اُسے قبول کرلو اور مسلمان ہو جاؤ (بخاری حدیث رقم: ۲۷۳۱)۔

حجام جب آپ ﷺ کے بال مبارک بناتا تو صحابۂ کرام اردگرد جمع ہو جاتے۔ اُنکی کوشش ہوتی کہ ایک بال بھی کٹے تو کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آئے (مسلم حدیث رقم: ۶۰۴۳)۔

نبی کریم ﷺ جب کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کے لیے سجادہ بچھاتے، آپ ﷺ کی جائے نماز، عصا مبارک، چادر مبارک، مسواک مبارک، وضو کا برتن اور نعلین مبارک اپنے پاس رکھتے تھے اور سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو صاحبِ نعلین کہا جاتا تھا یعنی حضور ﷺ کے نعلین والا (مسندِ امام اعظم صفحہ ۱۸۴، ومثلہ فی البخاری حدیث: ۳۷۶۱)۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ مسلمان ہونے سے پہلے ابوسفیان جب صلح کا معاہدہ مضبوط کرنے کے لیے مدینہ شریف گئے تو اپنی بیٹی کے پاس گئے۔ جب بستر پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میں اس بستر کے قابل نہیں ہوں یا یہ بستر میرے قابل نہیں ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے جب کہ تم ایک مشرک اور ناپاک شخص ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھو۔ ابوسفیان نے کہا اے بیٹی تم میرے بعد بہت بگڑ گئی ہو (سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۳۹۶)۔

جنگِ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر سے عین میدانِ جنگ میں ٹوپی گر گئی۔ میدانِ جنگ میں تلواروں کی چھنکار میں ٹوپی اُٹھانے کے لیے نیچے جھکنا موت کو دعوت دینا تھا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے موت کی پرواہ کیے بغیر جھک کر ٹوپی اُٹھالی۔ بعد میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایک معمولی ٹوپی کی خاطر اتنا بڑا رِسک کیوں لیا؟ آپ نے فرمایا دراصل اس ٹوپی میں نبی کریم ﷺ کا بال مبارک تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ بابرکت بال کسی مشرک کے ہاتھ لگے۔ آپ اس بال مبارک کی برکت سے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے تھے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۴۴)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چوما کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وفد بنی قیس کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان اپنی اپنی سواریوں سے چھلانگیں لگا رہے تھے اور باری باری نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہے تھے (ابوداؤد حدیث: ۵۲۲۵)۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک چومے (ابن ماجہ حدیث: ۳۷۰۴)۔ یہودیوں کے ایک وفد نے نبی کریم ﷺ سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے (ترمذی حدیث: ۲۷۳۳، ۳۱۴۴، نسائی حدیث: ۴۰۷۸، ابن ماجہ حدیث: ۳۷۰۵، مسند احمد حدیث: ۱۸۱۱۶)۔

حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ رات کو اٹھے اور

ٹھیکرے میں بول مبارک فرمایا۔ میں رات کو جاگی تو مجھے پیاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے وہ بول مبارک بے خبری میں پی لیا۔ آپ ﷺ صبح کو اٹھے تو فرمایا اے اُمِ ایمن اس ٹھیکرے کو اٹھالو اور جو کچھ اس میں ہے اسے باہر گرادو۔ میں نے عرض کیا حضور وہ تو میں نے رات کو پی لیا تھا۔ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت مبارک نظر آ گئے۔ پھر فرمایا آج کے بعد تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا (مستدرک حاکم حدیث رقم: ۷۰۶۲، الشفاء جلد۱ صفحہ۴۱، خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ۴۴۰)۔

حضرت سفینہ ﷛ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے۔ ان میں سے جو خون مبارک نکلا وہ آپ ﷺ نے مجھے دے دیا اور فرمایا کہ اسے جانوروں، پرندوں اور انسانوں سے بچا کر دفن کر دو۔ میں اسے لے کر ایک طرف ہو گیا اور چھپ کر اسے پی لیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں نے اسے پی لیا ہے۔ آپ ﷺ ہنس پڑے (شعب الایمان للبیہقی جلد۵ صفحہ۲۳۳، خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ۴۴۱)۔

جب حضرت ابوبکر صدیق ﷛ خلیفہ بنے تو وہ ادب کی وجہ سے منبر پر نبی کریم ﷺ کے قدموں والی جگہ پر بیٹھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ﷛ حضرت ابوبکر کے قدموں والی جگہ پر بیٹھتے تھے (صواعق محرقہ صفحہ۱۳)۔ اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کو روضۂ رسول ﷺ میں دفن کیا جانے لگا تو ادب کی وجہ سے ان کے قدم حضور کریم ﷺ کے قدموں سے نیچے رکھے گئے اور جب سیدنا فاروق اعظم ﷛ کو دفن کیا گیا تو ادب کی وجہ سے ان کے قدم سیدنا صدیق اکبر کے قدموں سے نیچے رکھے گئے۔

۳۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن شریف میں بار بار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اللہ کریم نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے: مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء: ۸۰)۔

گویا اللہ کی اطاعت کیلئے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کا واسطہ ضروری ہے۔ اس واسطے کو نکال کر براہِ راست اللہ کی اطاعت کا تصور محض خبط اور پاگل پن ہے۔ جو شخص شریعت کا پابند نہیں اور

سنت کا متبع نہیں اسکے دعوائے محبت کا کچھ اعتبار نہیں۔حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں۔

تَعْصِی الْحَبِیْبَ وَ اَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ　　هٰذَا لَعُمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ

لَو كَانَ حُبُّکَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ　　اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَن یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

ترجمہ: تو حبیب کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ بخدا یہ بات تعجب انگیز ہے۔اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا۔اس لیے کہ محبّ اپنے محبوب کا تابع فرمان ہوا کرتا ہے۔اطاعت کی تفصیل متعدد آیات کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۴۔اللہ کا شکر

اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔فرمایا: وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ یعنی میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری مت کرو(البقرۃ:۱۵۲)۔نبی کریم ﷺ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً یعنی یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں اپنا رسول بھیجا(آلِ عمران:۱۶۴)۔

جب ایک عام نعمت کا شکر لازم ہے تو نبی کریم ﷺ کے عطا ہونے کا شکر سب سے بڑھ کر لازم ہوگا۔صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی بچیوں کے مشہور اشعار پڑھنے کے لیے یہ مناسب موقع معلوم ہوتا ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا　　مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَیْنَا　　مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

خود نبی کریم ﷺ بھی اپنے اِس دنیا میں تشریف لانے کی خوشی میں شکرانے کے طور پر پیر کو روزہ رکھا کرتے تھے(مسلم حدیث رقم:۲۷۵۰)۔

یہ شکر پوری اُمت پر واجب ہے اور اسے محافلِ میلاد کی صورت میں بجالانا مستحب ہے۔

کرم غلام رسول پہ اُن کا بے حد ہے
اس پر دن بھر رات ترانے لازم ہیں

۵۔ کثرتِ درود وسلام

آپ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجنا ایمان اور محبت کا تقاضا بھی ہے اور آپ ﷺ کے احسانات کا شکرانہ بھی ہے۔ جَزَی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا سَیِّدَنَا مُحَمَّداً مَّا ھُوَاَھْلُہٗ۔ درود شریف پر مکمل مضمون اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۹۵ پر گزر چکا ہے۔

اسلامی عقائد کا خلاصہ

(۱)۔ مسلمان اللہ کو ایک مانتے ہیں۔

(۲)۔ مسلمان تمام رسولوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ کسی ایک نبی کے انکار یا بے ادبی کو کفر سمجھتے ہیں۔

(۳)۔ مسلمان تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اِن میں سے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور حضرت داوٗد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن ہمارے نبی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ سابقہ کتابوں کی تعلیمات کسی خاص قوم یا علاقے یا وقت تک محدود تھیں جب کہ قرآن کی تعلیمات ساری دنیا کے لیے ہیں۔ اب قرآن کے آجانے کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ کتابیں اگر چہ منسوخ ہو چکی ہیں لیکن ان کا انکار کر دینا کفر ہے۔

(۴)۔ مسلمان قیامت یعنی آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ سب لوگوں نے مرنے کے بعد اللہ کے سامنے حساب دینا ہے۔ اس عقیدے کا فائدہ یہ ہے کہ حساب کتاب کا خوف انسان کو اپنا کردار درست رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

(۵)۔ مسلمان فرشتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں جو نظر نہیں آتے۔ یہ اللہ کا حکم مانتے ہیں اور ڈیوٹی دیتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام وحی کے فرشتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام روزی کے فرشتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صُور پھونکیں گے۔ یہ چار مشہور فرشتے ہیں۔

(۶)۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوا یا ہوگا سب کچھ لوحِ محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔ خیر اور شر سب اللہ کی تقدیر سے ہے۔مگر بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی طرف منسوب کرے۔اس عقیدے کا نام عقیدۂ تقدیر ہے۔

اِن چھ باتوں پر ایمان لانے کو ایمان مفصّل کہتے ہیں۔اس کا ذکر قرآن اور حدیث میں اس طرح ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا یعنی جو اللہ اور اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اسکے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا (النساء:۱۳۶)۔

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ یعنی ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور خیر اور شر کی تقدیر پر (مسلم حدیث:۹۳، ابوداؤد حدیث:۴۶۹۵، ترمذی حدیث:۲۶۱۰، سنن النسائی حدیث:۴۹۹۱، ابن ماجۃ حدیث:۶۳)۔

اور اس سارے کچھ کا خلاصہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہاں تک اسی کلمہ طیبہ کی تشریح مکمل ہوئی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

باب سوئم

نماز

نماز کی اہمیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً یعنی بیشک وقتِ مقررہ پر نماز مومنوں پر فرض کر دی گئی ہے (النساء: ۱۰۳)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (البقرۃ: ۱۱۰)۔ یہ الفاظ قرآنِ پاک میں کئی بار استعمال ہوئے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی بیشک نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے (العنکبوت: ۴۵)۔

نمازی وضو کرنے سے لے کر نماز پڑھ چکنے تک برائی سے بالکل رُکا رہتا ہے جبکہ اسکے علاوہ وقت میں بھی اسکی طبیعت اور مزاج پر نماز اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔ اگر وہ غلط کام کرنے ہی لگے تو اُسکا ضمیر اُسے یاد دلاتا ہے کہ ابھی تو نماز پڑھ کر آئے ہو اور ابھی یہ غلط کام کرنے لگ گئے ہو؟ اگر وہ ضمیر کو بھی جھیل جائے تو دیکھنے والے لوگ اُسے اس کی نمازوں کے باوجود گناہ کرنے کا طعنہ دیتے ہیں، جس سے اسکی حیاء بیدار ہو جاتی ہے۔

اِن سب باتوں کے علاوہ ہر نماز میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے الفاظ سیدھی راہ پر چلنے اور فحاشی و برائی سے رُکنے کا حکم دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس سے نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو اسکے بدن پر کچھ میل رہ جائے گا؟ فرمایا یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اِنکے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو دھو دیتا ہے (مسلم حدیث رقم: ۱۵۲۲، بخاری حدیث رقم: ۵۲۸، ترمذی حدیث رقم: ۲۸۶۸، نسائی حدیث رقم: ۴۶۲، سنن الدارمی حدیث رقم: ۱۱۸۵، مسند احمد حدیث رقم: ۸۹۴۶)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سردی کے موسم میں جب درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لے گئے۔ ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑ کر ہلائیں تو اُنکے پتے گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! حضرت ابوذر نے عرض کیا لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ

اللّٰـه ۔آپ نے فرمایا: جب مسلمان خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نماز پڑھتا ہے تو اِسکے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں (مسند احمد حدیث:۲۱۶۱۱)۔

سیدنا علی المرتضٰی ﷛ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے اس دنیا میں اپنے آخری وقت میں فرمایا اَلصَّلٰوۃُ اَلصَّلٰوۃُ ، اِتَّقُوْا اللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز کی پابندی کرنا، نماز کی پابندی کرنا، اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا (مسند احمد حدیث:۵۸۷)۔

نماز کے قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ جیسا کوئی اندازِ نشست (آسن) نہیں۔ نماز کے اندر پڑھی جانے والی سورۃ فاتحہ، تسبیحات، درود شریف اور دعاؤں جیسا کوئی جاپ (وِرد) نہیں۔ اور نماز میں خشوع وخضوع اور یکسوئی جیسا کوئی مراقبہ نہیں۔

وقت کی پابندی، مساجد میں اجتماع اور جمعہ وعیدین کی نمازیں معاشرتی ربط واتحاد کا بہترین سبق ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ نماز اپنے روحانی واُخروی فیوض کے لحاظ سے کسی عقلی فلسفے کی نہ تو محتاج ہے اور نہ ہی عقل اس کی وسعتوں کا احاطہ کرسکتی ہے۔

نماز کے مسائل

استنجاء: ۔اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو استنجاء واجب ہے۔ پاکیزہ ڈھیلے یا پتھر سے استنجاء کرنا سنت ہے۔ ڈھیلوں کی تعداد متعین نہیں ہے۔ بعد میں پانی سے بھی دھولینا مستحب ہے۔ صرف گیس خارج ہو تو اس سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وضو: ۔وضو کے چار فرض ہیں۔

(۱)۔منہ دھونا (ماتھے کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور کانوں کی لو تک)۔

(۲)۔دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳)۔چوتھائی سر کا مسح۔

(۴)۔پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں یہ ہیں۔

نیت کرنا، بسم اللہ سے شروع کرنا، دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا، کُلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، داڑھی کا خلال کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، کانوں کا مسح کرنا، پے در پے دھونا یعنی ایک عضو سوکھنے سے پہلے دوسرا دھولینا، ترتیب سے وضو کرنا، ہر عضو کو تین بار دھونا۔

وضو کے مستحبات یہ ہیں:۔ دائیں اعضاء پہلے دھونا اور گردن کا مسح کرنا۔

وضو کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ پڑھ کے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں، پھر تین دفعہ کُلّی کریں اور مسواک کریں، پھر تین بار ناک میں پانی ڈالیں، پھر تین بار مُنہ دھوئیں اور داڑھی میں خلال کریں، پھر دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھوئیں پھر بایاں ہاتھ اسی طرح دھوئیں، پھر پورے سر کا مسح کریں، پھر کانوں کا مسح کریں، پھر گردن کا مسح کریں، پھر دایاں پاؤں ٹخنے سمیت تین بار دھوئیں، پھر بایاں پاؤں اسی طرح دھوئیں۔ وضو کے بعد کھڑے ہو کر آسمان کی طرف منہ کر کے کلمہ شہادت پڑھنا اور پھر یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ** (ترمذی حدیث رقم: ۵۵)۔

اگر بیماری کی وجہ سے کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو تو اسے چاہیے کہ صحت کی حالت میں ایک وضو سے جو کچھ کرتا تھا اب بھی ایک مرتبہ وضو کر کے وہ سب کچھ کرتا رہے خواہ وضو ٹوٹ بھی چکا ہو۔

موزے:۔ ایک بار وضو کر کے اگر موزے پہن لیے جائیں تو چوبیس گھنٹے تک اِن پر مسح کرنا جائز ہے۔ پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں۔ مسافر تین دن تک ایسا کر سکتا ہے۔ موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ بھیگے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں پاؤں کی اُنگلیوں سے پنڈلی تک کھینچیں۔

غسل:۔ غسل کے تین فرض ہیں۔

(۱)۔ حلق تک کُلّی کرنا۔ (۲)۔ ناک میں پانی چڑھانا۔ (۳)۔ پورے بدن کو دھونا۔

غسل کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، پھر اگر بدن پر غلاظت لگی ہو تو وہ دھوئی جائے، پھر وضو کیا جائے اور پھر پورے بدن پر تین بار پانی بہایا جائے۔

غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی اچھل کر شہوت کے ساتھ نکلے۔ مذّی، ودی اور بغیر تری کے احتلام میں غسل فرض نہیں ہوتا۔

جریان کی وجہ سے پیشاب کے بعد لیسدار قطرے نکلیں تو ان سے غسل فرض نہیں ہوتا۔ صرف وضو کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ قطرے بدن یا کپڑوں پر لگ جائیں تو صرف اتنی جگہ کو دھو لیا جائے۔ ننگے بدن غسل کر لینے کے بعد کپڑے پہن کر دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہی وضو کافی ہے۔

تیمّم :۔ جب نمازی پانی سے ایک میل دور ہو یا پانی استعمال کرنے سے بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو پھر تیمّم کر لے۔ وضو اور غسل کا تیمّم ایک ہی ہے۔ صرف نیت کا فرق ہے۔

تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے یا نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کرتا ہوں، پھر زمین پر یا زمین کی جنس سے کسی چیز پر جو پاک ہو دونوں ہاتھ ملے، اور اگر ہاتھوں پر مٹی زیادہ لگ جائے تو دونوں انگوٹھوں کی جڑیں آپس میں ٹکرا کر جھاڑے، پھر سارے مُنہ پر ہاتھ پھیرے۔ دوبارہ اسی طرح پاک زمین پر ہاتھ مَل کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پھیر لے۔ گویا تیمّم کے تین فرض ہوئے (۱) نیت کرنا۔ (۲) پاک مٹی والے ہاتھ منہ پر پھیرنا۔ (۳) پاک مٹی والے ہاتھ کہنیوں سمیت ہاتھوں پر پھیرنا۔ جس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے اور غسل واجب ہوتا ہے اسی سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر پانی مل جائے تو پھر بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔

اگرچہ یہ پوری کتاب ضابطۂ حیات مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ لیکن یہاں ہم عورتوں کے خصوصی مسائل ایک مستقل عنوان کے تحت الگ تحریر کر رہے ہیں۔

عورتوں کے مسائل

حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔ جو خون اس سے کم عرصے کے لیے آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدّت دس دن ہے۔ جو خون اس سے زیادہ ہو وہ بھی استحاضہ ہے۔

حیض کے دنوں میں سرخ، کالا، مٹیالا اور زرد رنگ کا خون سب حیض ہی شمار ہوتا ہے۔ البتہ خالص سفید رنگ کی رطوبت ہو تو یہ حیض نہیں ہے لیکوریا وغیرہ ہے۔

حیض کے دنوں میں عورت کو نماز معاف ہے۔ حتیٰ کہ نماز کی قضا بھی اس پر لازم نہیں۔ روزے کی حالت میں حیض آ جائے تو وہ روزہ توڑ دینا ضروری ہے۔ اور حیض کے دنوں کے روزے

بعد میں قضا کر کے رکھنا لازم ہے۔

حیض والی عورت مسجد میں نہیں جا سکتی۔ کعبہ شریف کا طواف بھی نہیں کر سکتی۔ اسلئے کہ کعبۃ اللہ مسجدِ حرام میں واقع ہے۔ حج کے باقی سارے ارکان ادا کر سکتی ہے۔ ایسی عورت کو بعد میں کسی سال موقع مل جائے تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور غفور رحیم ہے۔ نیتوں کا جاننے والا ہے۔ حالات سے آگاہ ہے اور اپنے بندوں پر اُنکی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

حیض والی عورت قرآن شریف کی تلاوت نہیں کر سکتی اور غلاف کے بغیر چھو بھی نہیں سکتی۔ اگر بچوں کو پڑھاتی ہو تو صرف ہجے کرا سکتی ہے۔ البتہ کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنا اس کے لیے جائز ہے۔ اور شکر کے طور الحمد للہ کہنا اور کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ حیض کے دنوں میں مباشرت جائز نہیں۔

حیض کے دنوں کے درمیان عورت تھوڑے وقت کے لیے اگر پاک ہو جائے تو سب حیض ہی سمجھنا چاہیے۔

تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ خون ہو تو یہ بیماری ہے۔ عورت کی عام عادت (روٹین) جتنے دنوں کی ہو، دس دنوں سے زائد خون آنے کی صورت میں وہ عادت والے دن نکال کر باقی سارے دن بیماری کے تصور کیے جائیں۔ اس بیماری (استحاضہ) کے دنوں میں نماز، روزہ ضروری ہے اور مباشرت کی بھی شرعاً اجازت ہے۔

نفاس وہ خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد آتا ہے۔ اس کی کم از کم مدّت مقرر نہیں ہے۔ یہ ایک منٹ کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدّت چالیس دن ہے۔ لہٰذا چالیس دن سے پہلے پہلے عورت جب بھی پاک ہو جائے۔ نہا کر اپنا نماز روزہ شروع کر دے۔

نفاس کے دوران مباشرت، نماز، روزہ اور مسجد میں داخل ہونا سب منع ہیں۔

اگر چالیس دن سے زیادہ نفاس رہے تو یہ استحاضہ (بیماری) ہے۔ یہ سب باتیں قدوری میں ہیں (مع التوضیح)۔

ناخن پالش لگی ہو تو وضو اور غسل نہیں ہوتے۔ البتہ مہندی لگی ہو تو ہو جاتے ہیں۔

عورتوں کا عورت کی امامت میں الگ جماعت کرانا مکروہ تحریمی ہے (قدوری صفحہ ۲۰، کنزالدقائق صفحہ ۲۸، عالم گیری جلد ۱ صفحہ ۸۵، شامی جلد ۱ صفحہ ۴۱۸ وغیرہ)۔

عورت نماز میں ہاتھ سینے پر باندھے۔ پاؤں داہنی طرف نکال کر سمٹ لپٹ کر سجدہ کرے۔ مَردوں کی طرح سجدہ نہ کرے۔ عورت پر جماعت، جمعہ، عیدین، جنازہ اور اعتکاف لازم نہیں۔ اوّل تو عورت کو چاہیے کہ جب شریعت نے یہ عبادات اس پر لازم نہیں کیں تو شریعت کی مصلحت کا احترام کرے۔ اور ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق اپنے لیے مصیبت نہ بنائے۔ بعض مساجد میں جمعہ کے دن عورتوں کے لیے پردے کا الگ انتظام ہوتا ہے۔ وہاں اگر عورت جانا ہی چاہے تو اس کے لیے پردہ، راستے کا محفوظ ہونا، مسجد تک کسی محرم کا ساتھ ہونا اور کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ نہ ہونا ضروری ہے۔ اگر عورت اعتکاف بیٹھنا ہی چاہے تو گھر میں ایک الگ جگہ مخصوص کر کے وہاں بیٹھے۔ اور اگر اعتکاف کے دوران حیض شروع ہو جائے تو فوراً اعتکاف توڑ دے۔ اسی لیے ہم نے عرض کیا ہے کہ عورت اپنے لیے امتحان نہ بنائے تو اچھا ہے۔ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ایسے معاملات میں بعض اوقات لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔

عورت پردہ کر کے محرم کے ہمراہ قبروں کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہاں جا کر واویلا اور غلط حرکت نہ کرے۔

عورت اپنے شوہر کے لیے بناؤ سنگھار (make up) کر سکتی ہے۔ نامحرموں کے لیے اور بازار میں جانے کے لیے نہیں۔

عورت پر پردہ لازم ہے۔ قرآن و حدیث میں پردے کے متعلق واضح احکام موجود ہیں (نور: ۳۱، احزاب: ۵۹)۔ تنگ، باریک اور نیم عریاں لباس پہننا، ننگے سر رہنا اور غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اُنہیں میں سے ہوگا (ابوداؤد حدیث: ۴۰۳۱، مسند احمد حدیث: ۵۱۱۳، ۵۱۱۴)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُ وْسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةُ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا یعنی میرے بعد ایسی

عورتیں ہوں گی جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا۔وہ عورتیں جولباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی ،لوگوں کواپنی طرف مائل کرتی ہوں گی اورخودلوگوں کی طرف مائل ہوتی ہوں گی،اُن کے سر کے بال اونٹ کی کوہان کی طرح اونچے ہوں گے۔وہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبوسونگھیں گی (مسلم حدیث رقم:۵۵۸۲،۱۹۴۷)۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم حاضر ہوئیں۔اُن کے سر پر باریک دوپٹہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ دوپٹہ پھاڑ ڈالا اور انہیں موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا (مؤطا امام مالک حدیث رقم:۶من کتاب اللباس)۔

عورت،مرد کے ہاتھ پر بیعت کرسکتی ہے۔نبی کریم ﷺ خود عورتوں کو بیعت فرمایا کرتے تھے۔قرآن شریف میں ہے:فَبَایِعْهُنَّ یعنی اے نبی!عورتوں کو بیعت کریں (الممتحنہ:۱۲)۔

عورت پیر یا حاکم نہیں بن سکتی۔یہ اگر جائز ہوتا تو ازواجِ مطہرات اور شہزادیٔ رسول ﷺ اس کی زیادہ حق دار تھیں۔

عورت کو صرف ایسی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے جس میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ماں باپ کو چاہیے کہ موجودہ حالات کی روشنی میں اس مسئلے پر خوب غور کرلیں۔

عورت کا میراث میں باقاعدہ حصہ موجود ہے۔بیٹی،بیوی،ماں،بہن،دادی،نانی،پوتی سب ذوالفروض میں شامل ہیں۔عورتوں کو میراث سے محروم رکھ کر علاقائی رسم ورواج نبھانا سخت گناہ ہے۔مرد یا عورت اگر خود میراث سے دستبردار ہونا چاہیں تو یہ جائز ہے۔اسے تخارج کہتے ہیں۔

سسرال والوں کی طرف سے جہیز کی شرائط عائد کرنا غلط ہے بلکہ ظلم ہے۔حق مہر زیادہ سے زیادہ مقرر کرنا مستحب ہے۔اس کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ عورت کا کھانا،پینا،لباس اور رہائش شوہر کے ذمے ہے۔

طلاق شدہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔عدت کے دوران باپردہ گھر میں رہنا ضروری ہے اور بناؤ سنگھار کی اجازت نہیں۔حاملہ عورت کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔

بعض عورتیں سسرال اور شوہر کے خلاف یا بعض سسرال والے اپنی بہو کے خلاف تعویز لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس معاملے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ غلط بیانی سے تعویز نہیں لینا چاہیے۔ بعض تعویز دینے والے بھی حرام خور یا جادوگر ہوتے ہیں۔ ایسے عاملوں کے پاس جا کر تعویز نہیں لینا چاہییں۔ بعض عورتیں ہندوؤں اور عیسائیوں کے پاس بھی تعویز لینے پہنچ جاتی ہیں۔ ایسے تعویزات کی بجائے نقصان اٹھا لینا بہتر ہے۔ جو شخص زیور دو گنا کر دے، کسی ناواقف کا نام بتا دے، کوئی چھپی ہوئی بات ظاہر کر دے، چھو کر کے آگ لگا دے، عورتیں اُس پر دل و جان سے فدا ہو جاتی ہیں۔ یہ باتیں کوئی کمال کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ یہ شعبدہ بازیاں ہیں جو ایک جوگی اور ہندو بھی کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ ہوا میں پرواز بھی کر لیتے ہیں۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک ہندو نے مقابلہ کیا۔ وہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ آپ نے اپنے جوتے کو حکم دیا کہ اسے نیچے اُتار کر لے آ۔ وہ جوتے ہوا میں پرواز کر گئے اور اس ہندو کے سر پر برسنے لگے۔ وہ نیچے اترنے پر مجبور ہو گیا۔ اصل چیز سید عالم ﷺ کا طریقہ ہے، نہ کہ کشف و کرامت یا شعبدہ بازی۔

خواب کی تعبیر اپنے مرشدِ کامل یا کسی عالم سے پوچھنی چاہیے، ہر کسی سے نہیں۔ قبلہ کی طرف یا اپنی داہنی طرف نہیں تھوکنا چاہیے۔ جمائی کے وقت لاحول اور چھینک آنے پر الحمدللہ پڑھنا چاہیے۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ اور بعد میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ماں یہ سب کچھ بلند آواز سے کرے تو اچھا ہے تاکہ اُس کے بچے سن کر سیکھ سکیں۔

بچوں کو سبق آموز کہانیاں سنانا جائز ہے۔ خواہ وہ کہانیاں فرضی اور من گھڑت ہوں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بادل کی کڑک، طوفان اور زلزلے کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ استغفار یا نفل پڑھیں تو اور بھی اچھا ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں مخصوص اوقات میں پڑھی جانے والی دعائیں یکجا لکھ دی گئی ہیں۔ انہیں یاد کر لینا چاہیے۔

میلاد، گیارہویں، معراج شریف، دسویں محرم کو پانی پلانا یا ایصالِ ثواب کرنا، شبِ برأت کو میٹھا یا چاول پکانا سب جائز ہے۔ بلکہ کسی بھی روز ایصالِ ثواب کی غرض سے کوئی بھی حلال چیز پکانا اور کوئی بھی جائز کلام (قرآن، درود شریف، ذکر) پڑھ کر بخشنا جائز ہے۔

یہ تمام باتیں قرآن و حدیث اور بے شمار کتبِ فقہ سے ماخوذ ہیں۔

خواتین کے لیے مزید تربیتی باتیں

(۱)۔ اپنا جسم اور لباس پاک صاف رکھیں۔ ہر ماں، بڑی بہن یا استانی کی ذمہ داری ہے کہ بچیوں کو پاکی پلیدی کے مسائل سمجھائے اور بچیوں کے لیے ضروری ہے کہ ان مسائل کو بڑی خواتین سے سیکھیں۔

جسم اور لباس کے بعد، کچن کے تمام برتنوں کی پاکی اور صفائی کا خیال رکھیں۔ روزمرہ میں استعمال ہونے والا ہر برتن پاک بھی ہونا چاہیے اور صاف بھی۔ کچھ دن یا کچھ دیر پہلے کا دھلا ہوا برتن استعمال کرنے لگیں تو اسے پانی کے ساتھ تازہ کرلیں۔ صرف کپڑا مار لینا کافی نہیں۔ ممکن ہے چوہے، چھپکلی، ٹڈی وغیرہ اس میں سے گزرے ہوں۔

کمروں میں ٹنگے ہوئے برتنوں، پیٹی، بکسوں اور الماریوں وغیرہ کو روزانہ جھاڑیں۔ انہیں روزانہ پاک کرنا ضروری نہیں بلکہ ان کی صرف صفائی اور جھاڑ پھونک کافی ہے۔ ہاں جب استعمال کرنے کے لیے اتاریں تو ضرور پاک بھی کرلیں۔

جھاڑ پھونک کے بعد چھتوں میں لگے ہوئے جالے اتاریں۔ یہ جالے اگر روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتے میں ایک بار ضرور اتارا کریں۔ جالے لگے ہوں تو رزق تنگ ہو جاتا ہے اور اس میں برکت نہیں رہتی۔

ہر کام بسم اللہ سے شروع کریں۔ صبح اٹھیں تو بسم اللہ، رات سوئیں تو بسم اللہ، آٹا نکالیں تو بسم اللہ، گوندھیں تو بسم اللہ، پکائیں تو بسم اللہ، کھائیں اور کھلائیں تو بسم اللہ، پانی لیں یا دیں تو بسم اللہ الغرض ہر نیک کام پر بسم اللہ پڑھنا برکتوں کا موجب ہے۔

(۲)۔ صبح اٹھیں تو گھر کا ہر فرد اپنا بستر خود طے کرے۔ چارپائی کو اس کی جگہ پر رکھے سوائے چھوٹے بچوں اور ضعیفوں کے۔ ان کے بستر دوسرے گھر والے طے کردیں۔

ہر گھر والے اپنا سامان ایک خاص سلیقے اور ترتیب سے جوڑ کر رکھتے ہیں۔ خصوصاً دلہن کا سامان بڑے ناز کے ساتھ اس کے کمرے میں جوڑا جاتا ہے۔ کوئی امیر ہو یا غریب بہرحال تھوڑا بہت سامان ہر گھر میں ہوتا ہے اور وہ کسی نہ کسی ترتیب سے ہی رکھا جاتا ہے۔ یہی انسانیت ہے۔

اب اس کے بعد گھر کے ہر فرد کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جہاں سے کوئی چیز اٹھائے، استعمال کے بعد اسے وہیں پر رکھے۔ بس! آپ کے گھر سے کبھی کوئی چیز گم نہیں ہوگی۔ خواہ کاپی پنسل کتاب ہو یا تیل کنگھی سرمہ۔

(۳)۔ غلط فہمی یا لڑائی جھگڑا ہر گھر میں ہوسکتا ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ صرف گزارش یہ ہے کہ ایک شخص جوش میں ہو تو دوسرا ہوش میں رہے۔ تھوڑی دیر بعد جوش والا بھی ہوش میں آ جائے گا اور یقیناً معافی مانگے گا اور ہوش والے کے صبر کا اعتراف کرے گا۔

غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ جب ایک شخص غصے میں ہے تو گویا اس وقت اس کی عقل کام نہیں کر رہی۔ دوسرا شخص اگر اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتا ہے تو گویا وہ پاگل سے بحث کر رہا ہے۔ ان چند لمحوں کے لیے دوسرے کو چاہیے کہ جذبات کی بجائے حکمت سے کام لے۔ خاموش ہو جائے یا ادھر اُدھر نکل جائے۔

بعض اوقات دونوں طرف غصہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں طرفین کا درود شریف پڑھنا، یا وَدُوْدُ پڑھنا، اپنی حالت بدل لینا، وضو کرنا اور لاحول پڑھنا وغیرہ اس کا علاج ہے۔ اگر غصے کو کنٹرول کرنے کا لٹریچر پہلے سے پڑھ رکھا ہو تو عین موقع پر کام دیتا ہے۔

بہو کے غصہ کرنے کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس نے ساس کو ماں نہیں سمجھا ہوتا۔ جو بات اس کی ماں اسے کہتی تھی تو اسے غصہ نہیں آتا تھا، وہی بات آج اگر ساس اسے کہتی ہے تو اسے برا لگتا ہے۔ ہر بہو کو چاہیے کہ اپنی ساس کی بات کے بارے میں اسی طرح سوچا کرے کہ یہ بات اگر میری ماں مجھے کہتی تو میرا کیا ردِ عمل ہوتا۔

مثلاً اگر ماں کہے کہ دفع ہو جا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ساس کہہ دے تو؟
اگر ماں کہے کہ جلدی کام ختم کرو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ساس کہہ دے تو؟
اگر ماں کہے کہ تم بڑی سست ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ساس کہہ دے تو؟
اگر ماں کہے کہ صبح جلدی اٹھا کرو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ساس کہہ دے تو؟
اگر ماں کہہ دے کہ تم میں غصہ بہت ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ساس کہہ دے تو؟
اگر ماں کہہ دے کہ تم بڑی بے وقوف ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر ساس کہہ دے تو؟

جو بہنیں بیٹیاں اپنا گھر بسانا چاہتی ہیں ان کے لیے یہ نکتہ ایک عظیم نعمت ہے۔

(۴)۔ گھر میں اگر میاں بیوی یا ساس بہو کے درمیان نوک جھوک چل رہی ہو اور اوپر سے کوئی مہمان آ جائے تو گھر کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ اس وقت سب خاموش ہو جائیں خواہ غلطی کسی کی بھی ہو۔ سب لوگ بسم اللہ بسم اللہ کہنے لگ جائیں اور مہمان کو محسوس تک نہ ہو۔ مہمان اگر ساس کے پاس جا بیٹھا ہے تو بہو بھی وہاں پہنچ جائے اور مہمان نوازی کرے۔ اور اگر مہمان بہو کے پاس گیا ہے تو ساس بھی وہاں چلی جائے اور اس کی آؤ بھگت کرے۔ یہ باعزت اور باوقار لوگوں کا طریقہ ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ راضی ہیں۔ اسی میں مہمان خوش ہے اور اسی میں ہر گھر کی عزت ہے۔

(۵)۔ اپنے بچوں کا معاملہ ہو یا آنے جانے والے لوگوں سے سلوک ہو۔ گلی محلے کا مسئلہ ہو یا رشتہ داروں اور دوست احباب کا باہمی معاملہ ہو، کوئی ایسی بات ہرگز نہ کریں جس سے ان کے درمیان پھوٹ پڑے۔ بلکہ انہیں آپس میں ملا کر رکھنے والا طریقہ اختیار کریں۔ لوگوں میں تفرقہ ڈالنے والی تین چیزیں بہت بڑی آفت ہیں چغلی، غیبت، بہتان۔ چھوٹا بچہ بھی اگر کسی کی چغلی کرے تو اسے منع کریں کہ بیٹا شکایت نہیں لگاتے۔

بعض بڑی عمر کے لوگ بھی ادھر کی بات اُدھر پہنچا کر اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر بعد میں ثبوت فراہم کرنا پڑتے ہیں اور قسمیں کھانا پڑتی ہیں مگر مسئلہ پھر بھی حل نہیں ہوتا بلکہ فساد بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے چہ جائے کہ فساد ڈالنے کے لیے جھوٹ بولا جائے۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ**

شیطان سب سے زیادہ اپنے اس چیلے پر خوش ہوتا ہے جو دو مسلمانوں میں یا میاں بیوی میں لڑائی ڈلواتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے صلح کی کوشش کریں اور جانبداری سے گریز کریں۔ اگر صلح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں اور کسی ایک کا ساتھ دینا ہی پڑے تو ہمیشہ حق کا ساتھ دیں۔ خواہ حق کسی غیر کی جانب ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی لوگوں کو ''دانا'' کہا جاتا ہے۔ صرف خانہ داری اچھی کر لینا دانائی نہیں بلکہ خانہ داری میں ماہر عورت کو سگھڑ کہا جاتا ہے۔ سگھڑ اور دانا میں بہت فرق ہے۔

(۶)۔ پیسے کے زور پر خانہ داری کر لینا اور دسترخوان سجا لینا آسان ہے۔

گھی سنوارے ھنڈیا اور بہو بڑی کا نام

عورت وہ سمجھدار ہے جو غربت اور تنگ دستی میں بھی اپنی مہارت کے جوہر دکھائے۔
ایک ھنڈیا میں سے تین قسم کا سالن نکال کر دکھا دے، ایک دیگچی میں سے کئی قسم کی چائے پیش کر سکے اور پیاز ٹماٹر ہری مرچ دہی سے کئی قسم کی چٹنی تیار کر کے دکھا دے۔ گھر میں کچھ نہ ہو تو چاول، گندم، روٹی، چھلکوں وغیرہ سے بھی لذیذ سالن تیار کر کے دکھا دے۔

نوٹ: ۔عورتوں کے مسائل کے موضوع پر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''جنتی زیور'' نہایت معقول کتاب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علامہ مفتی خلیل احمد صاحب برکاتی کی کتاب ''سنی بہشتی زیور'' ایک بہترین کاوش ہے۔

وسیلۂ دارین وسیّدالمرسلین ﷺ کے نعلِ اقدس کا نقشہ تبرک کے طور پر اگلے صفحے پر دیا جا رہا ہے۔ اسے گھر میں لٹکانا خیر و برکت کا موجب ہے اور چوروں سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں فیوض و برکات کا منبع ہے۔ اس کا ادب و احترام سخت ضروری ہے۔ تازہ غسل اور وضو کر کے اسے سامنے رکھ کر اس کا واسطہ دے کر دعا کرنا اور گھر میں لٹکانا بے شمار برکات کا موجب ہے۔

قطعہ

اُس کے حلقے میں اماموں کے امام آتے ہیں
جو رہا لازمِ قدمینِ رسولِ اکرم

ابنِ مسعود مبارک ہو وفا سفر و حضر کی
مرحبا صاحبِ نعلینِ رسولِ اکرم

(غلام رسول قاسمی)

اس صفحے پر نعلین پاک سکین کر کے لگانی ہے

اوقاتِ نماز

صبح کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔ظہر کا وقت زوال کے بعد سے لے کر اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایۂ اصلی کے علاوہ دوگنا ہو جائے (یعنی دوگنا سایہ جمع سایۂ اصلی)۔زوال کے وقت کے سایہ کو سایۂ اصلی کہتے ہیں۔

عصر کا وقت ظہر کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔

مغرب کا وقت سورج ڈوبنے سے لے کر مشرق کی طرف سے سفیدی کے ختم ہونے تک ہے۔ مغرب کا وقت تقریباً سوا سے ڈیڑھ گھنٹہ تک ہوتا ہے۔عشاء کا وقت مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور صبح تک باقی رہتا ہے۔

صبح کی نماز اُجیالے میں پڑھنا، گرمیوں میں ظہر کی نماز دیر سے پڑھنا، اور عشاء کی نماز تہائی رات تک لیٹ پڑھنا مستحب ہے۔

طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ آفتاب کے وقت، فرض، سنت، نفل، سجدۂ تلاوت، نمازِ جنازہ سب منع ہیں۔صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک نفل پڑھنا منع ہے، البتہ اس وقت قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ سب جائز ہیں۔طلوعِ فجر کے بعد صبح کی نماز سے پہلے صرف دو سنت جائز ہیں، نفل جائز نہیں۔مغرب کی اذان کے بعد فرضوں سے پہلے بھی نفل جائز نہیں (کنز الدقائق صفحہ ۱۸)۔

اذان

فرض نمازوں کے لیے اذان کہنا سنتِ مؤکدہ ہے۔گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لیے محلے کی مسجد کی اذان کافی ہے۔اذان سے پہلے اور بعد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔اسلئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔جس چیز سے منع نہ کیا گیا ہو وہ جائز ہوتی ہے۔نیز ہر وقت درود شریف پڑھنا ویسے بھی اچھی بات ہے۔اس طرح درود شریف اذان کا حصہ نہیں بن جاتا۔ہر کوئی پہچانتا ہے کہ یہ اذان ہے اور یہ درود ہے۔نیز اذان اور درود شریف کا لہجہ بھی الگ الگ ہوتا ہے۔اذان کے بعد درود پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں صاف موجود ہے (مسلم حدیث:۸۴۹، ابوداؤد حدیث:۵۱۹)۔

اذان میں نبی کریم ﷺ کا اسم پاک سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسے شخص کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ اس حدیث کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے روایت کیا ہے اور فضائل کے معاملے میں ایسی احادیث پر عمل جائز ہوتا ہے (طحطاوی صفحہ ۲۰۵)۔ علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ: مستحب یہ ہے کہ رسالت کی پہلی شہادت سن کر صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہا جائے اور دوسری شہادت کے وقت کہا جائے کہ قُرَّتُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، اَللّٰهُم مَّتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ یعنی یا رسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ کی وجہ سے ہے، اے اللہ مجھے سننے اور دیکھنے کی قوت سے مالا مال فرما۔ یہ دعا اپنے انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ عمل کرنے والے شخص کی نبی کریم ﷺ جنت تک قیادت فرمائیں گے (طحطاوی صفحہ ۲۰۵، شامی جلد ا صفحہ ۲۹۳)۔
نیز اس عمل سے کہیں منع بھی نہیں کیا گیا۔ جس کام سے منع نہ کیا گیا ہو وہ جائز ہوتا ہے۔

شرائطِ نماز

نماز کی چھ شرائط ہیں۔

(۱)۔ بدن اور کپڑے پاک ہونا۔ (۲)۔ جگہ کا پاک ہونا۔ (۳)۔ ستر چھپا ہوا ہونا۔ مرد کے لیے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک اور عورت کے لیے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کے علاوہ سارا بدن۔ (۴)۔ نماز کا وقت ہونا۔ (۵)۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ (۶)۔ نیت کرنا۔

نماز کے فرائض

نماز کے سات فرض ہیں۔

(۱)۔ تکبیرِ تحریمہ۔ (۲)۔ قیام۔ (۳)۔ قرأت۔ (۴)۔ رکوع۔ (۵)۔ سجود۔ (۶)۔ آخری قعدہ۔ (۷)۔ جان بوجھ کر نماز ختم کرنا۔

نماز کے واجبات

نماز کے دس واجبات ہیں۔

(۱)۔سورۃ فاتحہ پڑھنا۔(۲)۔فرض کی پہلی دو رکعتوں، وتر کی تینوں رکعتوں اور سنت و نفل کی تمام رکعتوں میں فاتحہ کے بعد ایک چھوٹی سورۃ یا کم از کم تین آیات یا تین آیات کے برابر ایک بڑی آیت ملانا۔ (۳)۔ ترتیب قائم رکھنا۔ (۴)۔ تعدیلِ ارکان۔ (۵)۔ پہلا قعدہ۔ (۶)۔تشہد۔(۷)۔لفظ السّلام۔(۸)۔وتر میں قنوت پڑھنا۔(۹)۔عیدین کی تکبیرات۔(۱۰)۔ آہستہ پڑھی جانے والی قرأت کو آہستہ پڑھنا اور بلند پڑھی جانے والی قرأت کو بلند پڑھنا۔

نماز کی سنتیں

تکبیرِ تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھانا، اُنگلیاں کھلی رکھنا۔امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا۔ثناء۔ تعوذ۔تسمیہ۔آمین آہستہ کہنا، اُلٹے ہاتھ پر سیدھا ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، رکوع کی تکبیر اور اس کی تین بار تسبیح اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پکڑنا اور اُنگلیاں کھلی رکھنا۔سجود کی تکبیر اور اس کی تین بار تسبیح، سجدے میں ہاتھ اور گھٹنے ٹیکنا، قعدے میں اُلٹے پیر کو بچھانا اور سیدھے کو کھڑا رکھنا۔قومہ، جلسہ اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا اور دُعا پڑھنا۔

نماز کے آداب

نماز کے آداب یہ ہیں۔

سجدے کی جگہ پر نظر رکھنا، جمائی کے وقت منہ دبائے رکھنا، تکبیر کہتے وقت ہاتھ چادر سے باہر نکالنا، حتی الوسع کھانسی کو روکنا، حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا۔یہ سب مسائل کنز الدقائق میں مذکور ہیں۔

نماز کے ہونے اور نہ ہونے کا دارومدار چونکہ فرائض اور واجبات پر ہے اس لیے اِن کو اچھی طرح یاد کر لیں۔

سجدۂ سہو

سجدۂ سہو کا اصول اچھی طرح سمجھ لیں۔

(۱)۔ اگر فرض رہ جائے تو نماز ہوتی ہی نہیں دوبارہ پڑھنا پڑے گی۔

(۲)۔ اگر واجب رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا بھول گئے یا وتر میں دعائے قنوت بھول گئے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

(۳)۔ اگر فرض یا واجب میں تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ مثلاً چار رکعت والی نماز میں پہلے قعدہ میں عبدہ ورسولہ تک پڑھنا ہوتا ہے لیکن اگر آپ نے اس سے آگے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک پڑھ لیا (یعنی ایک جملہ) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر کر دی جو کہ فرض تھا۔ اس فرض میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

(۴)۔ واجب چھوٹ جائے تو پھر بھی سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ مثلاً سورۃ فاتحہ، فرضوں کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورۃ ملانا، پہلا قعدہ اور دعائے قنوت بھول جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ اس لیے یہ سب چیزیں واجب ہیں۔

(۵)۔ امام کے پیچھے اگر مقتدی سے غلطی ہو جائے تو اسے سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں۔

امام پر واجب ہے کہ ظہر اور عصر میں قراءت آہستہ اور صبح، مغرب اور عشاء میں اونچی کرے۔ اگر ایسا نہ کیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

(۶)۔ ایک سے زیادہ غلطیاں ہو جائیں جن سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے تو ان سب کے ازالے کے لیے ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہے۔

اگر نمازی پہلا قعدہ بھول جائے اور بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے لگے تو یاد آ جائے۔ تو ایسا آدمی اگر بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو واپس آ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے۔ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کھڑا ہونے کے زیادہ قریب ہے تو کھڑا ہی ہو جائے۔ اپنی نماز اسی طرح مکمل کر کے بعد میں سجدۂ سہو کرے۔

اگر آخری قعدہ کرنا بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے واپس آ جائے۔ پانچویں رکعت جتنی بھی پڑھی اُسے فضول سمجھ کر سجدۂ سہو کر لے۔ اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب اس کی فرض نماز باطل ہو گئی۔ سب نفل بن گئی۔ اب وہ ایک رکعت مزید پڑھ کر کل چھ نفل مکمل کر لے۔

اگر آخری قعدہ کرنے کے بعد اسے پہلا قعدہ سمجھ کر کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پہلے واپس آ جائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کر لے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو پھر ایک رکعت مزید ملا کر چھ پوری کر لے۔ پہلے چار فرض ہو گئے اور آخری دو نفل ہو گئے۔

اگر کوئی نمازی بھول جائے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار۔ اگر اس کے ساتھ پہلی بار ایسا ہوا ہے تو نماز نئے سرے سے پڑھے۔ اگر اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے تو پھر غالب گمان پر عمل کرے۔ اگر گمان غالب کسی طرف کا نہ ہو تو یقین پر عمل کرے یعنی تھوڑے عدد پر اعتماد کرے۔ مثلاً بھول گیا کہ رکعتیں تین ہوئیں یا چار تو تین تصور کرے اور چوتھی رکعت پڑھ لے۔

امام کے پیچھے قرأۃ نہ کریں

اکیلے نمازی پر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ لیکن امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ فاتحہ اور سورۃ خود نہ پڑھے بلکہ امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خود چپ رہو (اعراف: ۲۰۴)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا یعنی جب امام پڑھے تو تم چپ رہو (ابوداؤد حدیث رقم: ۶۰۴، نسائی حدیث رقم: ۹۲۲، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۸۴۶، مسند احمد حدیث رقم: ۹۴۴۵، المصنف لابن ابی شیبۃ ۱/۴۱۴، سنن الدار قطنی حدیث رقم: ۱۲۲۹)۔

نیز فرمایا فَاِنَّ قِرَأَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَءَةٌ یعنی امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (مسند امام اعظم صفحہ ۶۱، موطا امام محمد صفحہ ۹۸، سنن الدار قطنی حدیث رقم: ۱۲۵۰، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۸۵۰)۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہ حدیث اکیلے آدمی کے لیے ہے۔ حضرت سفیان ﷫ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اکیلے آدمی کے لیے ہے (ابوداؤد حدیث رقم: ۸۲۲)۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اکیلے آدمی کے لیے ہے (ترمذی حدیث رقم: ۲۴۷)۔

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اس سے خلجان اور گڑ بڑ پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے قرأت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ بَعْضَکُمْ خَالِجُنِیْھَا یعنی تم میں سے بعض لوگ خود قرآن پڑھ کر میری قرأت میں خلل ڈال رہے ہیں (نسائی حدیث رقم: ۹۱۷، ۹۱۸)۔

رفع یدین نہ کریں

شروع میں نبی کریم ﷺ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے (بخاری حدیث رقم: ۷۳۹، ابوداؤد حدیث رقم: ۷۴۱)۔

ایک حدیث میں ہے کہ دو رکعت کے بعد اُٹھتے تو پھر رفع یدین فرماتے (بخاری حدیث رقم: ۷۳۹)۔ لیکن بعد میں آپ ﷺ نے رفع یدین کرنے سے منع فرما دیا۔ یعنی یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح پہلے مسجدِ اقصیٰ قبلہ تھا۔ بعد میں کعبہ شریف کو قبلہ بنا دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو میں تمہیں نبی کریم ﷺ والی نماز پڑھ کے دکھاؤں؟ لوگوں نے کہا ضرور دکھائیں۔ آپ نے نماز پڑھ کے دکھائی۔ تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور اس کے بعد پوری نماز میں کہیں رفع یدین نہیں کیا۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ یعنی شروع کرتے ہوئے ہاتھ اُٹھائے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کیا (ترمذی حدیث رقم: ۲۵۷، ابو داؤد حدیث رقم: ۷۴۸، نسائی حدیث رقم: ۱۰۲۶، ۱۰۵۸، جزء رفع الیدین حدیث رقم: ۳۲، مسند احمد حدیث رقم: ۴۲۱۰)۔

بلکہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے نماز میں اسطرح رفع یدین کر رہے ہو جس طرح بنو شمس کے گھوڑے دُم ہلاتے ہیں، نماز میں سکون سے رہا کرو اُسْکُنُوْا فِیْ الصَّلٰوۃِ (مسلم حدیث: ۹۶۸)۔

قرآن شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ موجود ہے۔ فرمایا قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ یعنی اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو (بقرہ: ۲۳۸)۔

آمین آہستہ کہیں

جب امام وَلَا الضَّآلِّیْن کہے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ آمین آہستہ کہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْیَةً یعنی اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو (اعراف: ۵۵)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کے موافق ہو گئی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے (مسلم حدیث: ۹۲۰، بخاری حدیث: ۷۸۲، ابو داؤد حدیث: ۹۳۵، ترمذی حدیث: ۲۵۰، نسائی حدیث: ۹۲۷، ابن ماجۃ حدیث: ۸۵۱، ۸۵۲، سنن الدارمی حدیث: ۱۲۴۷، ابن حبان حدیث: ۱۸۵۴)۔

فرشتوں کی آمین کسی کو سنائی نہیں دیتی۔ ہماری آمین فرشتوں کے موافق ہونی چاہیے۔ یعنی اسی وقت میں بھی ہو اور آہستہ بھی ہو تا کہ موافقت کامل ہو جائے۔

اس حدیث میں بلند آواز کا کوئی ذکر نہیں بلکہ فرشتوں کی موافقت کا حکم ہے۔ آمین کے بارے میں وارد ہونے والی باقی احادیث کا مکمل نقشہ اس طرح ہے کہ

خَفَضَ بِهٖ صَوْتَهٗ یعنی نبی کریم ﷺ نے آواز آہستہ رکھی (ترمذی حدیث رقم: ۲۴۸، ابو داؤد حدیث رقم: ۹۳۲، مسند احمد حدیث رقم: ۱۸۸۶۶)۔

مَدَّ بِهٖ صَوْتَهٗ یعنی آواز کو کھینچا (یعنی آہستہ تھی مگر اسے لمبا کیا) (ترمذی حدیث: ۲۴۸)۔

رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ یعنی آواز کو بلند کیا (ابو داؤد حدیث رقم: ۹۳۲)۔

آواز بلند کرنے کی وضاحت اس حدیث میں موجود ہے۔

قَالَ آمِیْنَ ، حَتّٰی یَسْمَعَ مَنْ یَّلِیْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ یعنی آپ ﷺ نے آمین کہی حتیٰ کہ پہلی صف میں آپ کے قریب والے لوگوں نے اسے سُن لیا (ابو داؤد حدیث: ۹۳۴)۔

بات واضح ہو گئی کہ یہ آواز کا بلند کرنا دل میں ہی تھا جسے مشکل سے پہلی صف والے سن سکے۔ پوری صف بھی نہ سن سکی بلکہ صرف قریب کھڑے لوگ سن سکے۔ چیخ کر آمین نہ فرمائی۔

ہاں شروع شروع میں تعلیم دینے کے لیے آمین بلند آواز سے کہی جاتی تھی۔ بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں لوگوں نے آمین چھوڑ دی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی

آمین پہلی صف والے سنتے تھے پھر مسجد گونج اٹھتی تھی (ابن ماجہ حدیث رقم: ۸۵۳ اسنادہ ضعیف)۔

اس حدیث کے یہ الفاظ کہ "لوگوں نے آمین چھوڑ دی" اس چیز کا واضح ثبوت ہے کہ تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اونچی آواز میں آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ اونچی آواز میں آمین کے منسوخ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے پاس اونچی آواز سے آمین چھوڑ دینے کا کیا ثبوت تھا؟ ثبوت یہی تھا کہ خَفِضَ بِهِ صَوْتَهُ یعنی نبی کریم ﷺ نے آمین آہستہ کہی (ترمذی حدیث: ۲۴۸، ابوداؤد حدیث: ۹۳۲، مسند احمد حدیث: ۱۸۸۶۶)۔

ان موضوعات پر حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب "جاء الحق" نہایت لاجواب چیز ہے۔ فقیر راقم الحروف نے بھی ان موضوعات پر مستقل رسالہ "سبیل المومنین" کے نام سے تحریر کیا ہے اور ان موضوعات پر تمام احادیث کو "المستند" میں یکجا کر دیا ہے۔

امامت

باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ امام فاسق نہ ہو اور اسکی داڑھی ایک مٹھی سے کم نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے (بخاری حدیث رقم: ۵۸۹۲، مسلم حدیث رقم: ۶۰۲)۔

اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کی تاکید موجود ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل یہ تھا کہ مٹھی بھر داڑھی رکھتے اور مٹھی سے فالتو کاٹ دیتے تھے (بخاری حدیث رقم: ۵۸۹۲، مسلم حدیث رقم: ۶۰۲، ابوداؤد حدیث رقم: ۴۱۹۹، نسائی حدیث رقم: ۵۲۲۶، مسند احمد حدیث رقم: ۵۱۳۴)۔

حدیث پر اس کے راوی نے عمل کر کے دکھا دیا۔ نبی کریم ﷺ کی اپنی داڑھی مبارک اتنی تھی کہ آپ کے سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۳۸)۔

ظاہر ہے کہ مٹھی سے کم داڑھی سے سینہ نہیں بھرتا خواہ سینے کا اوپر کا حصہ مراد ہو۔ تمام علماء کرام نے داڑھی کو کم از کم سنت لکھا ہے۔ سنت سے مراد اس کا فردِ کامل یعنی سنتِ مؤکدہ ہے۔

مثلاً مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ (مرقاۃ جلد ۸ صفحہ ۲۹۱) اور علامہ مرغینانی علیہ الرحمۃ (ہدایہ

جلداصفحہ۲۲۱) وغیرہ وغیرہ۔بعض علماء کا قبضہ کو واجب کہنا اسکے تاکد پر واضح قرینہ ہےاور بعض کا قبضہ سے کم پر وعید سنانا بھی تاکید پر قرینہ ہے۔

بالکل چھوڑی ہوئی لمبی داڑھی جو مٹھی سے بہت زیادہ ہو اور دیکھنے میں بے ڈھنگی لگے، ایسی لمبی داڑھی رکھنا ناپسندیدہ ہے۔اسکا فالتو حصہ کتر دینا مستحب ہے(شرح مسند لعلی القاری صفحہ ۲۱۰)۔

امام کا لاؤڈ سپیکر میں جماعت کرانا جائز ہے اسلئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اس کی معافی ہے(ترمذی حدیث رقم:۱۷۲۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۳۶۷)۔

نماز میں بے وضو ہو جانا

نماز کے دوران اگر وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نماز چھوڑ دیں۔اگر باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں تو جدھر سے بھی راستہ ملے باہر نکل جائیں۔دوبارہ وضو کریں۔اب نماز جہاں سے چھوڑی تھی وہیں سے شروع کریں۔لیکن وہیں سے شروع کرنے کا مسئلہ تھوڑا مشکل ہے۔اگر اس کی سمجھ نہ آئے تو آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ نماز نئے سرے سے پڑھیں۔

قرأۃ کے مسائل

فرض نماز کی پہلی رکعت میں نسبتاً لمبی اور دوسری رکعت میں نسبتاً چھوٹی سورۃ پڑھنا چاہیے۔اگر ایسا نہ کیا تو نماز بہرحال ہو جائے گی مگر یہ مکروہ ہے۔

پہلی رکعت میں جو سورۃ پڑھی، دوسری رکعت میں ایک سورت چھوڑ کر اس سے اگلی سورۃ پڑھنا مکروہ ہے۔یہ حکم چھوٹی سورتوں کا ہے اگر لمبی سورۃ ہو تو جائز ہے۔

پہلی رکعت میں بعد والی سورۃ اور دوسری رکعت میں پہلی سورۃ جان بوجھ کر پڑھنا(یعنی سورتوں کی ترتیب بدل دینا) مکروہ تحریمی ہے۔لیکن اگر بھول کر پڑھا جائے تو معاف ہے، سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں۔

امام جہاں بھی غلطی کرے مقتدی اُسے لقمہ دے سکتا ہے۔

پانچ نمازوں میں فرض، وتر، سنت اور نفل کی تعداد

صبح کی نماز میں دوسنتِ مؤکدہ اور دوفرض ہیں۔ظہر کی نماز میں چار سنتِ مؤکدہ، چار فرض، دوسنتِ مؤکدہ اور دونفل ہیں۔عصر کی نماز میں چار سنتِ غیر مؤکدہ اور چار فرض ہیں۔مغرب کی نماز میں تین فرض، دوسنتِ مؤکدہ اور دونفل ہیں۔عشاء کی نماز میں چار سنتِ غیر مؤکدہ، چار فرض، دوسنتِ مؤکدہ، دونفل، تین وتر اور دونفل ہیں۔جمعہ کی نماز میں چار سنتِ مؤکدہ، دوفرض، چار سنتِ مؤکدہ پھر دوسنتِ غیر مؤکدہ اور دونفل ہیں۔

بیس رکعات تراویح

رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح باجماعت ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔نبی کریم ﷺ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔اور وِتر الگ پڑھتے تھے(ابنِ ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۲۸۶)۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا(مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۲۸۵)۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے(موطا امام مالک صفحہ۹۸)۔اسی طرح کی کئی احادیث موطا امام مالک، مصنف ابنِ ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔

قاری پہلی آٹھ رکعتوں کو لمبا پڑھاتا اور باقی بارہ رکعات مختصر پڑھاتا تھا(موطا امام مالک صفحہ۹۹)۔

بخاری شریف کی جس حدیث میں آٹھ رکعتوں کا ذکر ہے وہاں تہجد کی نماز مراد ہے۔اسی لیے اس حدیث میں ''رمضان اور غیرِ رمضان'' کے الفاظ موجود ہیں اور یہ حدیث بخاری شریف کی کتاب التہجد میں بیان ہوئی ہے۔نیز اسی حدیث میں محبوب کریم ﷺ کا تین رکعات وِتر پڑھنا بھی بیان ہوا ہے(بخاری شریف کتاب التہجد حدیث رقم:۱۱۴۷)۔

اس پر پوری اُمت کا اجماع و اتفاق ہے کہ تراویح کی تعداد بیس ہے اور آج تک مکہ شریف اور مدینہ شریف میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

جو شخص فرض نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکا ہو وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا

ہے۔اسی طرح وہ وتر کی جماعت میں بھی شامل ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ وتر کی جماعت فرض کی جماعت کے ماتحت نہیں ہے بلکہ رمضان کے ماتحت ہے۔

چند اہم نوافل

تہجد کے نوافل رات سو کر اٹھنے کے بعد صبح کی اذان سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت۔ان میں کوئی خاص سورتیں متعین نہیں ہیں۔

اشراق کے نفل صبح سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ بعد پڑھے جاتے ہیں۔یہ صرف دو نفل ہوتے ہیں۔

چاشت کے نفل اشراق کے بعد زوال کے وقت سے پہلے پڑھے جاتے ہیں یہ دو سے لے کر بارہ تک ہوتے ہیں۔

اوّابین کے نفل مغرب کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کی چھ رکعتیں ہوتی ہیں۔

نماز تسبیح کی چار رکعتیں ہوتی ہیں۔پہلی رکعت میں ثناء کے بعد پندرہ بار تیسرا کلمہ پڑھا جاتا ہے۔پھر فاتحہ اور سورۃ پڑھ چکنے کے بعد دس بار، پھر رکوع میں تسبیحات کے بعد دس بار، پھر رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد دس بار، پھر پہلے سجدے میں دس بار، پھر دو سجدوں کے درمیان دس بار، پھر دوسرے سجدے میں دس بار۔یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوا۔پھر دوسری رکعت میں فاتحہ سے پہلے پندرہ بار اور باقی پہلی رکعت کی طرح پڑھا جاتا ہے۔دونوں قعدوں کے دوران تیسرا کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔اگر سجدۂ سہو کرنا پڑ جائے تو سہو کے سجدوں میں بھی تیسرا کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔حدیث شریف میں ہے کہ اس نماز سے تین سو گناہِ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت

قرآنِ پاک میں سجدے کی آیات کی تعداد چودہ ہے۔انہیں پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ سجدے کا ارادہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلے جائیں اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھا لیں۔تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھانے، تشہد پڑھنے اور سلام پھیرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ایک آدمی کی تلاوت کا سجدہ دوسرا آدمی ادا نہیں کر سکتا۔

استخارہ

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو استخارہ اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مباح کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو تو دو رکعت نفل پڑھیں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھیں۔ پھر یہ دُعا سات بار پڑھیں اور اس کے بعد جدھر کو شرح صدر ہو، اُدھر کو چل دیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ (بخاری حدیث: ۶۳۸۲، ترمذی حدیث: ۴۸۰، ابوداؤد حدیث: ۱۵۳۸، نسائی حدیث: ۳۲۵۳، ابن ماجہ حدیث: ۱۳۸۳)۔

مریض کی نماز

مریض اپنے مرض کی شدت کے مطابق بیٹھ کر، لیٹ کر یا اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

مسافر کی نماز

جو آدمی اپنی بستی سے ۹۸ کلومیٹر کے سفر کے ارادہ سے نکلے وہ مسافر ہے (بمطابق شامی جلد اصفحہ ۵۸۰)۔ اب وہ چار فرضوں کی بجائے دو پڑھے گا۔ دو فرضوں کو دو اور تین کو تین ہی پڑھے گا۔ سنت اور وتر بھی پورے ہی پڑھے گا۔ جس شہر میں گیا ہے وہاں اگر پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت ہے تو قصر پڑھے گا۔ اگر اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہے تو اب وہ مسافر نہیں رہا۔ پوری نماز پڑھے گا۔

اگر کسی نے بھول کر دو کی بجائے چار رکعت پڑھ لیں تو اگر اس نے درمیانی قعدہ کیا ہے تو

پہلی دو رکعت فرض اور آخری دو رکعت نفل ہو گئیں۔ اگر مقامی امام کے پیچھے مسافر نے نماز پڑھی تو پوری پڑھے گا۔ اگر مسافر امامت کرائے تو دو پڑھے اور مقامی لوگ بعد میں اپنی نماز مکمل کر لیں۔ مگر وہ بقیہ نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ اندازاً فاتحہ جتنی دیر خاموش کھڑے رہیں۔

مسافر مسافر ہی ہے خواہ وہ سفر جہاز کے ذریعے کر رہا ہو۔ مسافری اپنی بستی سے نکلتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ عارضی رہائش اور مستقل رہائش کے درمیان اگر فاصلہ ۹۸ کلومیٹر کا ہو تو صرف راستے میں مسافر ہوگا۔ ایسے ملازم جو ہر ہفتے گھر کا چکر لگاتے ہیں، اپنی ملازمت والی جگہ پر مسافر ہی شمار ہوں گے۔ مسافر پندرہ دن سے کم سفر میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر بعد میں چند دن مزید ٹھہرنا پڑ جائے، اور جب ارادے میں یہ تبدیلی آئی تو اس دن کے بعد مزید قیام پندرہ دن سے کم ہی بن رہا ہو تو ایسا شخص مسافر ہی شمار ہوگا خواہ اس طرح کرتے کرتے کئی سال گزر جائیں۔

بیوی کے ذاتی گھر اور اپنے ماں باپ کے گھر میں انسان مسافر نہیں ہوتا۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔

کشتی، بحری جہاز، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ مسافر ایک مرتبہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کر دے بعد میں اگر سواری کا رخ بدل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نماز جائز ہے۔ سفر میں آخری وقت کا اعتبار ہوتا ہے یعنی نماز کے آخر وقت میں اگر آپ مسافر ہو گئے تو نماز قصر پڑھیں گے۔ اور اگر آخری وقت میں مقیم ہو گئے تو پوری نماز پڑھیں گے۔ قصر کی قضا بھی قصر ہی پڑھی جائے گی۔

جمعہ کی نماز

نمازِ جمعہ وہاں فرض ہے جہاں ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیاء میسر ہوں اور شرعی فیصلے ہوتے ہوں۔ امام کے علاوہ کم از کم دو آدمی ہوں۔ ظہر کا وقت ہو اور نماز سے پہلے خطبہ دیا جائے۔ اور جماعت کرائی جائے۔ مسافر اور عورت، بچے اور بیمار پر جمعہ فرض نہیں۔ اگر کوئی مسافر یا مریض جمعہ میں شامل ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ خطبہ ادب سے سننا چاہیے۔ پہلے خطبے کے دوران ہاتھ باندھ لینا اور دوسرے کے دوران ہاتھ کھول دینا کوئی ضروری نہیں۔ یہ پابندی کہیں سے ثابت

نہیں لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو اس پر سختی نہ کی جائے۔

جو شخص جمعہ کی نماز کے قعدے میں شامل ہو گیا حتیٰ کہ اگر سجدۂ سہو کے بعد والے قعدے میں بھی شامل ہو گیا تو اسے جمعہ کی نماز مل گئی (کنز الدقائق صفحہ ۴۵، وتفصیلہ فی الشروح مثل فتح القدیر والبحر الرائق)۔

عید کی نماز

عید کی نماز بھی جمعہ کی طرح ہے۔ فرق یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے جب کہ عید میں خطبہ سنت ہے۔ اور عید کا خطبہ بعد میں ہوتا ہے۔ عید کی نماز دو رکعت ہوتی ہے۔ اس میں چھ زائد تکبیرات ہوتی ہیں۔ تین تکبیریں پہلی رکعت میں فاتحہ سے پہلے اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔ تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑنا ہوتے ہیں۔

جنازہ کے مسائل

قریب المرگ کا سر شمال کی طرف اور پاؤں جنوب کی طرف کر کے اس کے سر کو قبلہ کی طرف خم دیں۔ اس کے پاس کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھیں۔ جب موت واقع ہو جائے تو اس کے جبڑے باندھ دیں اور آنکھیں بند کر دیں۔

غسلِ میّت

سب سے پہلے بیری کے پتے ڈال کر گرم پانی تیار کریں۔ غسل کا تختہ اچھی طرح صاف کریں۔ اسے تین مرتبہ عود یا لوبان کی دھونی دیں۔ یعنی تختے کے ارد گرد اس دھونی کو گھمائیں۔

غسل دینے والا میّت کا قریب ترین رشتہ دار ہو تو بہتر ہے ورنہ کوئی بھی نیک آدمی غسل دے سکتا ہے۔ غسل دینے والے کا بدن پاک ہو۔ اگر باوضو ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

میّت کو تختے پر اس طرح لٹائیں کہ سر شمال کو اور پاؤں جنوب کو رہیں۔ ناف سے گھٹنوں تک کپڑا ڈال کر باقی کپڑے اُتار دیں۔ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر یا تھیلی چڑھا کر ستر کے کپڑے کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر استنجا کرائے۔

منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالیں اور باقی وضو کرائیں۔ البتہ روئی یا کپڑا بھگو کر دانت، منہ اور ناک صاف کر دیں۔ وضو کے بعد میّت کی ناک، مُنہ اور کان میں روئی دے دیں تاکہ پانی اندر نہ جائے۔

سر اور داڑھی کو خطمی یا پاک صابن سے دھوئیں۔ پہلے بائیں کروٹ دے کر پانی نیچے تک بہائیں اور پھر دائیں کروٹ دے کر پانی نیچے تک بہائیں۔ پھر سہارا دے کر بٹھا دیں اور پیٹ کو آہستہ آہستہ ملیں۔ جو کچھ باہر نکلے اُسے دھو دیں۔ دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں۔ بدن کپڑے سے خشک کر دیں۔ اب میّت کو تختے سے اُٹھا کر کفن پر رکھیں اور اس کے مُنہ، ناک اور کان سے روئی نکال دیں۔

اس کے سر، داڑھی اور سجدے کے اعضاء پر خوشبو لگائیں۔ بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کریں اور نہ ہی اس کے بال اور ناخن کاٹیں۔

کفن میّت

میّت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے۔ کفن سفید رنگ کا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سفید لباس پہنا کرو۔ یہ سب سے بہتر لباس ہے اور اسی کا اپنے مردوں کو کفن دیا کرو (مسند احمد حدیث: ۲۰۱۷۵، ترمذی حدیث: ۲۸۱۰، نسائی حدیث: ۱۸۹۶، ابن ماجۃ حدیث: ۳۵۶۷)۔

مرد کے لیے تین چیزیں سنت ہیں۔ ازار (چادر)، قمیض (کفنی) اور لفافہ۔ عورت کے لیے ان تین کے علاوہ دو اور بھی سنتیں ہیں۔ اوڑھنی (ایک طرح کا دوپٹہ) اور سینہ بند۔

لفافہ میّت کے قد سے اتنا زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھا جا سکے۔ ازار میّت کی چوٹی سے قدم تک لمبا ہو اور قمیض گردن سے لے کر گھٹنوں تک لمبی ہو۔ قمیض آگے اور پیچھے دونوں طرف برابر لمبی ہو۔ قمیض میں چاک اور آستینیں نہ ہوں۔ مرد کی قمیض اور عورت کی قمیض میں فرق یہ ہے کہ مرد کی قمیض کو کندھے پر سے چیرا جائے اور عورت کی قمیض کو سینے کی طرف چیرا جائے۔

عورت کی اوڑھنی ڈیڑھ گز (تین ہاتھ) لمبی اور ایک بالشت چوڑی ہو اور سینہ بند پستان سے ران تک ہو۔

مرد کے لیے پہلے لفافہ پھر اس کے اوپر ازار بچھایا جائے، پھر اس پر میّت کو لٹا کر قمیض

پہنائی جائے۔ پھر میّت کے سر، داڑھی اور بدن پر خوشبو لگائی جائے۔ وضو کے اعضاء پر کافور لگایا جائے۔ پھر ازار پہلے بائیں طرف سے اور پھر دائیں طرف سے لپیٹا جائے۔ پھر اس کے بعد لفافہ بھی پہلے بائیں اور پھر دائیں طرف سے لپیٹا جائے۔ لفافہ کو سر اور پاؤں کی جانب سے پٹی سے باندھ دیا جائے۔ ایک پٹی کمر کے نیچے بھی باندھ دی جائے تاکہ کفن ہوا سے نہ اُڑے۔

عورت کے لیے بھی لفافہ اور ازار مرد کی طرح بچھائے جائیں۔ پھر میّت کو ازار کے اوپر رکھا جائے۔ پھر اسے قمیض پہنائی جائے۔ پھر اس کے بالوں کی دو لٹیں کر کے اس کے سینے پر قمیض کے اوپر رکھ دیے جائیں۔ پھر اس کے سر اور بالوں پر اوڑھنی کرا دی جائے۔ پھر ازار اور لفافہ مرد کی طرح لپیٹ دیے جائیں اور آخر میں سینہ بند باندھ دیا جائے۔ سینہ بند کو قمیض کے اوپر یا ازار کے اوپر باندھنا بھی جائز ہے۔

میّت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کے لیے مستحب ہے کہ خود بھی غسل کر لے۔ اگر غسل نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں۔

نمازِ جنازہ

جو بچہ پیدا ہوتے ہی آواز نکالے اور پھر مر جائے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔
ڈاکو جو مقابلے میں مارا جائے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ خودکشی بہت بڑا گناہ ہے مگر خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یہ کھڑے کھڑے پڑھی جائے۔ امام میّت کے سینے کے سامنے کھڑا ہو اور چار تکبیریں کہی جائیں۔ ثناء، درود اور میّت کے لیے دعا کرنا جنازے کی سنتیں ہیں۔ نمازِ جنازہ میں ثناء، درود شریف اور دعا کے مخصوص اور مروّج الفاظ مستحب ہیں۔ یہ نہ آتے ہوں تو نماز والی ثناء، نماز والا درود اور نماز والی دعا پڑھ لینا جائز ہے۔ عام طور پر ایک ہی قسم کے الفاظ عوام کو یاد کرائے جاتے ہیں تاکہ انہیں سہولت رہے۔ لہٰذا ان الفاظ کو یاد کر لینا ہی اچھی بات ہے۔ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

جنازہ کی نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار اسلامی حکومت کا سربراہ ہے۔ اس کے بعد شرعی

قاضی، اس کے بعد محلے کا امام، اس کے بعد میّت کے وارث درجہ بدرجہ۔ اگر وارث نے نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو اس کی خاطر دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھانا جائز ہے اور اگر وارث نے نمازِ جنازہ پڑھ لی ہو تو نمازِ جنازہ کی تکرار مکروہ تحریمی ہے۔

اگر کسی مسلمان کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر تین دن تک نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے اس کے بعد نہیں۔

شوہر اپنی بیوی کی میّت کو کندھا دے سکتا ہے۔ اس کا منہ دیکھ سکتا ہے۔ اسے قبر میں اتار سکتا ہے۔ مگر اسے بلا حائل چھو نہیں سکتا۔ بیوی بھی اپنے شوہر کا منہ دیکھ سکتی ہے۔

سنت یہ ہے کہ قبر میں لحد بنالی جائے لیکن علاقے کی مٹی اگر کچی ہو تو سیدھی قبر بنالی جائے۔ قبر اتنی گہری ہو کہ کم از کم میّت کے آدھے قد کے برابر ہو۔ سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر بھی درست ہے۔ عام طور پر سینے کے برابر زیادہ مناسب رہتی ہے۔ گہری قبر کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بو نہیں آتی اور میّت جانوروں سے محفوظ رہتا ہے۔

میّت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اُتارا جائے اور یہ پڑھا جائے: **بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ** (مسند احمد: ۴۸۱۱، ابوداؤد: ۳۲۱۳، ترمذی: ۱۰۴۶، ابن ماجۃ: ۱۵۵۰)۔ قبلہ کی طرف مُنہ کر دیا جائے اور بند کھول دیے جائیں۔ قبر کو کچی اینٹوں یا بانس وغیرہ سے بند کر دیا جائے۔ اگر زمین گیلی ہو تو لکڑی کے تابوت میں دفن کرنا بھی درست ہے۔ اور قبر پر لکڑی کے تختے لگانا بھی درست ہے پھر اوپر سے مٹی ڈال دی جائے۔ عورت کو پردے میں دفن کیا جائے۔

قبر اندر سے کچی اور باہر سے پختہ ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر زمین ایسی نرم ہو کہ کچی اینٹ کے ناکام ہونے کا واضح اندیشہ ہو تو پکی اینٹ بھی لگا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

مشائخ علماء اور سادات کی قبور پر عمارت (روضہ) بنانا جائز ہے۔ یہ سب مسائل دُرِّ مختار اور شامی جلد ا صفحہ ۶۴۱ تا جلد ا صفحہ ۶۶۲ پر موجود ہیں۔

جنازہ کے تمام مسائل متون، ہدایہ، جوہرہ نیرہ، شامی اور عالمگیری سے لیے گئے ہیں (مع التوضیح)۔

جنازے کے بعد دُعا

جنازے کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میّت پر نمازِ جنازہ پڑھ چکو تو اس کیلئے خصوصی دعا کیا کرو(ابو داؤد حدیث رقم:۳۱۹۹ ، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۴۹۷)۔عام طور پر جنازے میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا والی دعا پڑھی جاتی ہے۔اس دعا میں سب زندہ اور مردہ مسلمانوں کیلئے مغفرت طلب کی جاتی ہے اور حاضر میّت کیلئے خصوصی الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے۔اس کمی کو پورا کرنے کیلئے رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے اس حدیث میں حاضر میّت کے لیے خصوصی دعا کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے اور حبیبِ کریم ﷺ ان کے جنازہ میں شامل نہ ہو سکے۔آپ ﷺ ان کی قبر پر تشریف لے گئے ،لوگوں نے صفیں بنائیں اور بعد میں آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَلْقِ طَلْحَۃَ یَضْحَکُ اِلَیْکَ وَتَضْحَکُ اِلَیْہِ یعنی اے اللہ طلحہ تیرے پاس ہنستا ہوا جائے اور تو ہنس کر اس کا استقبال فرما(المعجم الکبیر للطبرانی حدیث : ۳۴۷۳ ،مجمع الزوائد حدیث : ۴۱۹۴)۔ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم کسی کی نمازِ جنازہ سے بچھڑ گئے تو انہوں نے بعد میں میّت پر حاضر ہو کر اس کے لیے استغفار فرمایا۔حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق کی نمازِ جنازہ سے بچھڑ گئے۔جب پہنچے تو آواز لگائی کہ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ لَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَآءِ لَہٗ یعنی تم لوگوں نے مجھ سے پہلے نمازِ جنازہ پڑھ لی ہے تو کم از کم مجھے دعا میں تو شامل کرلو(المبسوط جلد۲ صفحہ ۶۷)۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

جنازہ کے بعد بلا وجہ تاخیر کرنا منع ہے۔لیکن جنازے کے بعد دعا پر صرف ہونے والے چند منٹ ممنوع تاخیر کا سبب نہیں بنتے بلکہ اس دعا سے میّت کا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔اور حدیث شریف میں ہے کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَنْفَعَ اَخَاہُ فَلْیَنْفَعْہُ یعنی جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو ضرور پہنچائے (مسلم حدیث رقم: ۵۷۲۷)۔

غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یعنی اے محبوب آپ اپنے غلاموں پر نماز پڑھا کریں آپکی نماز ان کیلئے سکون کا باعث ہے (التوبۃ: ۱۰۳)۔ اس آیت کے الفاظ کا عموم دعا اور جنازہ دونوں کو شامل ہے بلکہ امام ابن ہمام رحمت اللہ علیہ نے یہاں شرعی معنی یعنی نمازِ جنازہ مراد لینے کو ترجیح دی ہے (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰)۔

اللہ کریم کے اِس حکم کے علاوہ خود محبوب کریم ﷺ بھی اپنے غلاموں کیلئے حریص اور ان کی بخشش کے لیے فکرمند ہیں حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ آپ ﷺ نے اعلان کر رکھا تھا کہ لَايَمُوْتَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اِلَّا اٰذَنْتُمُوْنِيْ بِهٖ فَاِنَّ صَلَاتِيْ عَلَيْهِ رَحْمَةٌ لَهٗ جب بھی کوئی مسلمان فوت ہو تو مجھے جنازہ کیلئے اطلاع دیا کرو، میری نماز، میّت کیلئے رحمت ہے (مسند احمد حدیث رقم: ۱۹۳۷۱، ابنِ ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۷۵، نسائی جلد ۴ صفحہ ۸۴۔۸۵، ابنِ ماجہ حدیث: ۱۵۲۸، حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۹۱، ابنِ حبان حدیث: ۳۰۸۷، بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۵، کمافی حاشیہ فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۱۲۲)۔ حتیٰ کہ اگر آپ ﷺ کو اطلاع دیے بغیر کسی صحابی کو دفن کر دیا جاتا تو آپ ﷺ اسکی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ ادا فرماتے۔ احادیث میں اسکی کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔ آپ ﷺ کا میّت کو سامنے رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا اور جنازے سے رہ جانے کی صورت میں قبر پر جانے کا تکلف فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے۔ ایسی ہی احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ میّت کا سامنے موجود ہونا نمازِ جنازہ کی شرائط میں سے ہے۔

حبشہ کی سرزمین پر، بے شمار غزوات میں اور دور دراز کے علاقوں میں بے شمار صحابہ علیہم الرضوان فوت ہوئے، اِن میں بیر معونہ کے قاری حضرات بھی فوت ہوئے جو نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ پیارے تھے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ رحمت کے غلبے، شفقت اور دلجوئی کے تقاضے کے باوجود آپ ﷺ کا اِن حضرات کی غائبانہ جنازہ نہ پڑھنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں اباحتِ اصلیہ کا قاعدہ چسپاں نہیں ہوتا اور غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں، ورنہ غائبانہ نمازِ جنازہ کثرت سے منقول ہوتی۔

نیز اگر غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو اس دنیا سے ایسی ایسی ہستیاں جا چکی ہیں کہ قیامت تک ان پر غائبانہ نمازِ جنازہ جاری رہتی۔خصوصاً حبیبِ کریم ﷺ کی غائبانہ نمازِ جنازہ کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوتا اور قیامت تک پیدا ہونے والے غلام اس سعادت سے محروم نہ رہتے خواہ اس کا طریقہ مخصوص ہی ہوتا۔

آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے مگر احادیث میں تصریح موجود ہے کہ معجزہ کے طور پر ان کا جنازہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا (مسند احمد حدیث: ۲۰۰۲۷، صحیح ابن حبان حدیث: ۳۱۰۲)۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے اور نجاشی کی نمازِ جنازہ اسی پر محمول ہے۔کسی اور کے لیے غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں اَلصَّلوٰۃُ عَلَی الْغَائِبِ مِنْ خَصَائِصِہٖ ﷺ (الخصائص الکبریٰ جلد۲ صفحہ۴۱۷)۔

ساری صورتِ حال کو مدنظر رکھنے کے بعد بڑے بڑے علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں (فتح القدیر جلد۱ صفحہ۱۲۱، مرقاۃ جلد۴ صفحہ۴۶)۔

ہاں البتہ اگر کوئی شخص اپنے کسی پیارے کے لیے ارمان پورے کرنا چاہے تو اس کے حق میں استغفار، دعا، صدقہ وخیرات اور قرآن کے ایصالِ ثواب کے دروازے کھلے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی نمازِ جنازہ

حبیبِ کریم ﷺ کی نمازِ جنازہ مخصوص طریقے سے ادا کی گئی تھی۔نہ کوئی امام تھا اور نہ ہی عام جنازے والی دعا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا پڑھی گئی بلکہ دس دس آدمیوں کی ٹولیاں اندر جا کر درود شریف اور حضور کریم ﷺ کی شان کے لائق دعا پڑھتی تھیں اور یہی طریقہ تین دن تک جاری رہا۔ان میں سے ایک دعا اس طرح ہے جو حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے پڑھی۔

اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم تک تیرا سارا پیغام پہنچا دیا جو ان پر نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ نے اپنی اُمت کی خیرخواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا حتیٰ کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا اور اسکا وعدہ پورا ہوا۔اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جو اس کلام کے پیروکار ہوئے جو تو نے اپنے رسول پر نازل فرمایا اور قیامت کے روز ہمیں حضور کی سنگت عطا فرما

حتیٰ کہ غلام کی حیثیت سے ہم انکی شناخت ہوں اور آقا کی حیثیت سے وہ ہماری شناخت ہوں کیونکہ حضور ﷺ مومنین پر رؤف اور رحیم تھے۔ ہم حضور ﷺ پر ایمان لانے کا کچھ بدلہ نہیں مانگتے اور نہ ہی اس کے بدلے میں کوئی سودا کریں گے۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما یہ دعا مانگ رہے تھے اور لوگ آمین آمین کہہ رہے تھے (سیرتِ حلبیہ جلد۳ صفحہ۴۷۸)۔

آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ تمام اہلِ مدینہ واطرافِ مدینہ اور مہاجرین وانصار نے فوج در فوج ادا کی اور تین دن تک دس دس کی ٹولیوں میں نماز ادا کرتے رہے (جلاء العیون صفحہ ۳۶)۔ تمام اہلِ مدینہ وعوالی نے شرکت کی (اصولِ کافی جلد۱ صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ ایران/قم)۔

حضرت عمر فاروق ﷺ نے باری باری جنازہ پڑھنے والوں کو کنٹرول کیا حتیٰ کہ تمام مسلمانوں نے فوج در فوج نمازِ جنازہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی حتیٰ کہ مردوں کے بعد عورتیں بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئیں (الوفا صفحہ ۷۹۶)۔

دفن کے بعد

قبر میں ہر میّت پر تین سوال ہوتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور یہ ہستی کون ہے جسے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ (ابوداؤد حدیث رقم: ۴۷۵۳، مسند احمد حدیث رقم: ۱۸۵۶۱)۔ واضح رہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی کے بارے قبر میں سوال نہیں ہوتا تھا، یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے (الخصائص الکبریٰ جلد۲ صفحہ ۳۲۵)۔

نبی کریم ﷺ جب میّت کو دفن کرنے کے بعد فارغ ہو جاتے تو وہاں ٹھہر جاتے۔ اور لوگوں کو فرماتے کہ اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو پھر اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کرو۔ اس پر اب سوال ہو رہے ہیں (ابوداؤد حدیث: ۳۲۲۱، متدرک حاکم حدیث: ۱۴۰۳ الحدیث صحیح)۔

حضرت عمرو بن عاص ﷺ وفات کے وقت دیوار کی طرف منہ کر کے رو رہے تھے۔ آپکے بیٹے نے عرض کیا اے ابا جان کیا آپ کو نبی کریم ﷺ نے خوشخبریاں نہیں دی تھیں؟ آپ نے فرمایا سب سے اچھی گواہی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی ہے۔ مجھ پر تین دور گزرے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے شدید بغض رکھتا تھا۔ اس وقت اگر میں مرجاتا تو سیدھا دوزخی تھا۔ پھر جب مجھے اللہ نے اسلام کی ہدایت دی تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، میں نے عرض

کیا اپنا ہاتھ آگے کریں میں بیعت کروں گا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ فرمایا عمرو تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا میری ایک شرط ہے فرمایا وہ کیا؟ میں نے عرض کیا ''میری بخشش ہو جائے'' فرمایا اسلام قبول کرنا، ہجرت کرنا اور حج کرنا پہلے والے تمام گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ اسکے بعد نبی کریم ﷺ جتنا محبوب مجھے دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ میں آپکی طرف ادب کی وجہ سے آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہ تھا۔ اگر کوئی مجھے کہتا کہ حضور کے نقش بیان کرو تو میں نہ کر سکتا کیونکہ میں نے کبھی آنکھ جما کر آپکی طرف دیکھا ہی نہ تھا۔ اگر میں اس حال میں مر جاتا تو امید ہے کہ میں جنتی ہوتا۔ اس کے بعد ہمیں کچھ ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ اب مجھے کچھ معلوم نہیں میرا کیا انجام ہوگا۔ تم لوگ میری موت کے بعد میرے جنازے کے ساتھ نہ تو بین کرنے والیاں بلانا اور نہ آگ ساتھ لے جانا۔ جب مجھے دفن کر چکو تو مٹی ڈالنے کے بعد میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کر کے اسکا گوشت بانٹا جا سکے۔ تاکہ میں آپ لوگوں سے اُنس حاصل کر سکوں اور مجھے پتہ چلے کہ میں فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں (مسلم حدیث رقم: ۳۲۱)۔

میّت پر رونا جائز ہے۔ میّت پر رحم کی وجہ سے رونا آتا ہے اور میّت سے بچھڑنے پر بشری تقاضوں سے بھی رونا آجاتا ہے۔ مگر نوحہ یا ماتم کرنا حرام ہے کہ یہ بے صبری کا مظاہرہ ہے اور قرآن وسنت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

قبر پر اذان

قبر پر اذان پڑھنا جائز ہے، اس لیے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا اور بذاتِ خود اذان ایک اچھی چیز ہے۔ نیز اس سے میّت کا دل بہلتا ہے، رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، اذان کی آواز سن کر شیطان بھاگتا ہے اور فرشتوں کے سوالات کے صحیح جواب دینے میں میّت کو مدد ملتی ہے۔ علماء نے نومولود بچے کے کان میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے دفن کے بعد اذان کو بھی پسند فرمایا ہے (فتاویٰ شامی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳)۔

ایصالِ ثواب

قرآن شریف، درود شریف، استغفار، کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر میّت کو ایصالِ ثواب کرنا

جائز ہے۔محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں، مگر اسے تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔صدقۂ جاریہ یا اس کا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے(مسلم حدیث رقم: ۴۲۲۳، ترمذی حدیث رقم: ۱۳۷۶، نسائی حدیث رقم: ۳۶۵۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والا قبر میں ڈوبنے والے شخص کی طرح ہوتا ہے، اسے اپنے ماں باپ، بھائی اور دوست کی طرف سے دعا کا انتظار رہتا ہے۔جب اس تک کسی کی دعا پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبروں والوں کو پہاڑوں کے برابر ثواب پہنچاتا ہے اور زندہ لوگوں کا مرے ہوئے لوگوں کے لیے بہترین تحفہ استغفار ہے(شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم: ۹۲۹۵)۔

سیدالانبیاء ﷺ نے فرمایا : مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ یعنی جو قبرستان میں سے گزرا اور گیارہ مرتبہ قل ھواللہ شریف پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو ہدیہ کر دیا، اُسے مردوں کی تعداد کے برابر اَجر ملے گا(فتاویٰ شامی جلد۲ صفحہ ۲۵۷)۔

اسکے علاوہ میّت کی طرف سے کھانے پینے کی اشیاء کی خیرات جائز ہے۔خود نبی کریم ﷺ نے دو قربانیاں دیں اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو آپ نے حکم دیا کہ ہر سال دو قربانیاں دینا۔ایک اپنی طرف سے اور ایک میری طرف سے(ترمذی حدیث: ۱۴۹۵، ابوداؤد حدیث: ۲۷۹۰)۔

حضرت سعد بن عبادہ ﷺ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھایا رسول اللہ میں اپنی ماں کی طرف سے کون سا صدقہ دوں۔آپ ﷺ نے فرمایا پانی۔انہوں نے کنواں کھدوایا اور اسکا نام ''بِیـرِ اُمِّ سعد ''رکھا۔یعنی''سعد کی ماں کا کنواں''(امسند احمد حدیث: ۲۲۵۲۰، ابوداؤد حدیث: ۱۶۸۱، نسائی حدیث: ۳۶۶۴، ابن ماجۃ حدیث: ۳۶۸۴)۔

حضرت سعد نے نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر پھلوں کا باغ والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا (مؤطا امام مالک، کتاب الاقضیة ، باب صدقة الحی عن المیت حدیث: ۵۲، سنن النسائی حدیث: ۳۶۵۰، ترمذی حدیث: ۶۶۹، ابوداؤد حدیث: ۲۸۸۲، بخاری حدیث: ۲۷۵۶)۔

زیارتِ قبور

قبروں کی زیارت کرنا سنت ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا کُنتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ یعنی میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا مگر اب اس کی اجازت ہے، اس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی یاد آتی ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۵۷۱، مسلم حدیث رقم: ۲۲۶۰)۔ اس حدیث کے عموم میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں بشرطیکہ عورت پردہ کر کے اپنے کسی محرم کے ہمراہ جائے اور وہاں جا کر واویلا نہ کرے (حاصلِ عبارتِ مشکوٰۃ حدیث رقم: ۱۷۶۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے حجرے میں دفن ہوئے تو میں پردہ کیے بغیر سادہ کپڑوں میں قبرِ انور پر چلی جاتی تھی۔ اور میں کہتی تھی کہ یہاں میرے شوہر اور میرے والد ہی تو ہیں، پردے کی کیا ضرورت۔ مگر جب عمر اُن کے ساتھ دفن ہوئے تو میں عمر سے حیا کرتے ہوئے پردہ کر کے جاتی تھی (مسند احمد حدیث: ۲۵۷۱۶)۔ بے پردہ جانے والی اور واویلا کرنے والی عورتوں کے لیے حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (ترمذی حدیث: ۱۰۵۶، ابن ماجۃ حدیث: ۱۵۷۶، مسند احمد حدیث: ۱۵۶۶۳)۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہر جمعہ کو اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی تو اسکی بخشش ہوگئی اور وہ نیک لوگوں میں لکھ دیا گیا (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۷۹۰۱، المعجم الصغیر للطبرانی حدیث: ۹۵۵)۔ نبی کریم ﷺ اُحد کے شہداء کی قبروں پر ہر سال کے آغاز میں جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ یعنی آپکے صبر کے بدلے میں آپ پر سلامتی ہو اور آخرت بہترین گھر ہے۔ ابوبکر، عمر اور عثمان بھی ایسا ہی کرتے تھے (المصنف لعبد الرزاق حدیث: ۶۷۱۶، ابن جریر حدیث: ۱۵۴۴۳)۔

قبرستان میں جا کر یوں کہنا چاہیے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ یعنی اے قبروں والو تم پر سلام ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے، تم ہم سے پہلے آ گئے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں (ترمذی حدیث

رقم: ۱۰۵۳)۔مسلمان کی قبر کی بے حرمتی حرام ہے۔

دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا

نبی کریم ﷺ کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ جب بھی دعا فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک اُٹھا کر دعا فرماتے تھے۔حدیث شریف میں ہے کہ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَرفَعُ يَدَيهِ فِي الدُّعَاءِ حَتّىٰ يُرىٰ بيَاضَ اِبطَيهِ یعنی رسول اللہ ﷺ دعا کے وقت ہمیشہ ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی (مسلم حدیث رقم: ۲۰۷۴، بخاری حدیث رقم: ۱۰۳۰، ۴۳۶۱، السنن الکبریٰ للنسائی حدیث رقم: ۱۴۳۷، صحیح ابن حبان حدیث رقم: ۸۷۷)۔

بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۸ اور ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ پر باب رفع الایدی فی الدعا موجود ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ :اِنَّ رَبَّكُمُ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَستَحيِى مِن عَبدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيهِ اِلَيهِ اَن يَرُدَّهُمَا صِفراً یعنی تمہارا رب حیاء والا مہربان ہے جب اُس کا کوئی بندہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اُسے اُن ہاتھوں کو خالی واپس لوٹاتے وقت حیا آتی ہے (ابوداؤد حدیث رقم: ۱۴۸۸، ترمذی حدیث رقم: ۳۵۵۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۸۶۵)۔

اس حدیث سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا اُٹھانا دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔لہٰذا ہر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا ہی احسن ہے خواہ کسی موقع پر بالخصوص ہاتھ اُٹھانے کی تصریح قرآن وسنت میں موجود نہ بھی ہو (فتاویٰ علماء الحرمین صفحہ ۱۷۰۲)۔ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی قبر پر حبیبِ کبریاء ﷺ تشریف لے گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی رَفَعَ يَدَيهِ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث رقم: ۳۴۷۳، مجمع الزوائد حدیث رقم: ۴۱۹۴)۔

مُردے سنتے ہیں

قبروں والے، باہر والوں کی آواز سنتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میّت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والے واپس آنے لگتے ہیں تو وہ ان کے پیروں کی آواز کو بھی سنتا ہے۔پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو اس ہستی محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ (اُس وقت حضور ﷺ اُس کے سامنے موجود ہوتے

ہیں: بخاری حدیث رقم: ۱۳۳۸، مسلم حدیث رقم: ۷۲۱۶، ابوداؤد حدیث رقم: ۳۲۳۱، نسائی حدیث رقم: ۲۰۵۰)۔ بخاری شریف کے جس باب میں یہ حدیث موجود ہے اس باب کا نام ہے "اَلْمَیِّتُ یَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ" یعنی میت پاؤں کی آواز سنتا ہے۔

جنگِ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کافروں کی نعشیں بدر کے کنویں میں پھینکوا کر ان مُردوں سے فرمایا کہ جو کچھ میں کہتا تھا کیا تم نے اسے حق پایا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ سن سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اِن سے زیادہ نہیں سنتے مگر یہ جواب نہیں دے سکتے (بخاری حدیث رقم: ۳۹۷۶، مسلم حدیث رقم: ۷۲۲۲، نسائی حدیث رقم: ۲۰۷۳)۔ اس سے پہلے حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات والی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں۔

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتیٰ میں کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور سماعِ قبول کی نفی کی گئی ہے۔ مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا حقیقی ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْیَوْمَ نَنْسٰھُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِھِمْ ھٰذَا (اعراف: ۵۱) یہاں کفار کا نسیان مشبہ بہ ہے اور اگر ان کا نسیان حقیقی مان لیا جائے تو وہ سارے بے گناہ اور معذور ثابت ہو جائیں گے۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ یہاں ستاروں میں ہدایت نہ حقیقی ہے اور نہ اقویٰ بلکہ اگر حقیقی مان لی جائے تو اس سے شرک لازم آئے گا۔

سماعِ موتی کے موضوع پر حضرت علامہ شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی کی کتاب "جلاء الصدور" نہایت مدلل اور جامع کتاب ہے۔

میراث کے مسائل

میّت کے ترکہ میں سب سے پہلے کفن دفن کا خرچ نکالا جائے۔ بیوی کا شوہر اگر زندہ ہو تو اس کا کفن شوہر پر واجب ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص فی سبیل اللہ کفن دفن کا خرچ دینا چاہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن یہ ضروری سمجھنا کہ داماد اور بیٹی کا کفن بیٹی کے میکے کے ذمے ہے یا نواسے نواسی کا کفن ننہال کے ذمے ہے۔ یہ محض بے اصل چیز ہے اور اسے شرعی حیثیت دینا تو اور بھی قبیح ہے۔

تعزیت کرنے والوں پر چائے پانی اور روٹی کا خرچ اور میّت کے ایصالِ ثواب کے

لیے جو کچھ خرچ ہو وہ یا تو ورثاء اپنی جیب سے خرچ کریں یا اگر میّت کے ترکہ میں سے خرچ کرنا ہے تو تمام وارثوں سے اس کی اجازت لی جائے۔

کفن دفن کے بعد میّت کے ترکہ میں سے اسکا قرض ادا کیا جائے۔قرض خواہ اگر چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی روح قرض کی وجہ سے لٹکی رہتی ہے(ترمذی حدیث:۱۰۷۸،۱۰۷۹،ابن ماجہ حدیث: ۲۴۱۳،دارمی حدیث: ۲۵۹۴،مسند احمد حدیث: ۹۶۹۲)۔

جو مال کفن دفن اور قرض کی ادائیگی سے بچ جائے اس میں سے میّت کی وصیت پوری کی جائے۔کفن دفن اور قرض سے بچے ہوئے مال کے تیسرے حصہ(1/3) تک وصیت کرنا جائز ہے (ترمذی حدیث رقم: ۲۱۱۶، مسلم حدیث رقم: ۴۲۰۹، بخاری حدیث رقم: ۱۲۹۵، ۴۴۰۹، ۵۶۶۸، ۶۳۷۳، ۶۷۳۳، ابوداؤد ۲۸۶۴،نسائی حدیث رقم: ۳۶۲۸،ابن ماجہ حدیث رقم: ۲۷۰۸)۔

اولاد کو عاق کرنے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں (ترمذی حدیث: ۲۱۲۰،ابوداؤد حدیث: ۲۸۷۰، ۳۵۶۵،ابن ماجہ حدیث: ۲۷۱۳)۔خلافِ شرع کام کی وصیت بھی جائز نہیں۔ بعد والے اس پر عمل نہ کریں۔وصیت کرنے والے کا عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے ورنہ وصیت جاری نہ ہوگی۔اگر مَرنے والے کو معلوم ہو کہ اسکے مرنے کے بعد لوگ خلافِ شرع حرکتیں کریں گے تو اِن حرکتوں سے باز رہنے کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے۔

اب کفن، دفن، قرض اور وصیت بالترتیب ادا کرنے کے بعد میّت کی میراث اس کے وارثوں میں اسلامی قانونِ میراث کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔تمام وارثوں کی صحیح صحیح تعداد اور میّت سے ان کا رشتہ اپنے علاقے کے کسی جیّد عالم کو جا کر بتایا جائے اور میراث کی تقسیم کا طریقہ معلوم کیا جائے۔

بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھنا (جیسا کہ پنجاب میں رواج ہے) حرام ہے۔ بیٹی کا حصہ سورۃ النسآء میں صاف صاف بیان ہوا ہے۔

فقیر نے میراث کے موضوع پر نظم الفرائض کے نام سے شعروں میں کتاب لکھی ہے۔ اس کے اشعار پنجابی زبان میں ہیں۔ان کے ذریعے اہم رشتے اور حصے یاد کرنا آسان ہے۔

ریاضی، سائنس اور جغرافیہ کی دینی اہمیت

ریاضی

آدھے سے زیادہ اسلام کو سمجھنے کے لیے علمِ ریاضی کی شدید ضرورت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ میراث کا علم آدھا علم ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۷۱۹)۔

میراث کے مسائل میں ریاضی کا مکمل عمل دخل ہے۔ اسکے علاوہ زکوٰۃ کی ضروریات اور بیت المال کی آمدنی اور خرچ، شرکت اور مضاربت (بینکاری) وغیرہ شماریات کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔ قرآن شریف میں گنتی کے تمام اعداد، جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، نسبت، تناسب اور حساب کے پیچیدہ ترین مسائل حل کر کے دکھائے گئے ہیں۔ سورۃ النساء میں وارثوں کے یہ حصے بیان ہوئے ہیں۔

۱/۲ ، ۱/۴ ، ۱/۸ ، ۱/۶ ، ۱/۳ اور ۲/۳

مثلاً اولاد کی موجودگی میں بیوی ۱/۸ لے گی اور اگر اولاد نہ ہو تو ۱/۴ لے گی۔ اولاد ہو تو شوہر ۱/۴ اور نہ ہو تو ۱/۲ لے گا۔ اکیلی لڑکی ۱/۲ لے گی۔ ایک سے زائد لڑکیاں ۲/۳ کو آپس میں بانٹ لیں گی۔ بیٹے کی موجودگی میں ایک بیٹے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔

اگر مرنے والے کی ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ بیوی ۱/۸ حصہ لے گی۔ باقی ۷/۸ بچے گا۔ اس میں سے لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہوگا۔ تینوں کے حصے اس طرح ہوں گے۔

ماں	بیٹا	بیٹی
۱/۸	۷/۸ x ۲/۳	۷/۸ x ۱/۳

ذواضعافِ اقل ۲۴ ہوگا۔

۳ ، ۱۴ ، ۷

۲۴

کل جائیداد کے ۲۴ حصے کر کے ان میں سے تین ماں کو، ۱۴ بیٹے کو اور سات بیٹی کو

دیے جائیں گے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان مسائل میں اتنی زبردست مہارت حاصل تھی کہ زبانی ہر سوال کو حل کر لیتے تھے۔حضرت سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے تقریر کے دوران کسی نے اچانک سوال پوچھ لیا کہ اگر ایک بیوی، دولڑکیاں، ماں اور باپ وارث ہوں تو بیوی کو کتنا حصہ ملے گا۔اب یہ مسئلہ اچھا خاصا مشکل تھا۔آپ نے فوراً فرمایا بیوی کو 1/9 ملے گا۔یہ جواب آپ نے منبر پر بیٹھے بیٹھے دیا تھا۔اس لیے یہ مسئلہ منبریہ کے نام سے مشہور ہے۔

میراث کے موضوع پر سراجی بڑی مشہور کتاب ہے۔اس کی ایک شرح حضرت میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ نے لکھی ہے جس کا نام شریفیہ ہے۔آج تقریباً ہر عالم کے پاس یہ دونوں کتابیں ضرور موجود ہوتی ہیں۔شریفیہ کی شرح قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہٗ نے لکھی ہے جس کا نام معلم الفرائض ہے۔یہ سندھی زبان میں ہے۔

سائنس

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے جس تیزی سے اس مسئلے کا حل بتایا اتنا تیز آج کا کمپیوٹر بھی نہیں ہوسکتا۔کمپیوٹر کو ایک صحیح خادم العلوم کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے۔بلکہ انسان کی جائز سہولیات کے لیے سائنس کو جس قدر ترقی دی جائے درست ہے۔اسلام میں طے زمانی، طے مکانی اور طے لسانی وغیرہ بطور معجزہ و کرامت صادر ہو چکے ہیں۔آج برق کی رفتار اگر ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے تو کیا ہوا؟ ہمارے ہاں صدیوں پہلے براق کی رفتار کو آزمایا جا چکا ہے۔

طبی سائنس کے معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ کا اعلان فرما کر مسلم اطباء کو تحقیق کے بے کنار میدان میں اتار دیا ہے۔

ایک مشورہ یہ ہے کہ طلباء اسلام کے لیے طب کا ایک تخصّص بنایا جائے۔جیسا کہ طب کا نصاب مشہور ہے۔اور مسلم ڈاکٹروں کے تعاون سے اس میں جدّت پیدا کر دی جائے۔

فقیر راقم الحروف نے طبِ جدید کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھ دی ہے جس کا نام دستور الطبیب ہے۔یہ کتاب حکماء کو نصاب میں پڑھائی جارہی ہے۔

جنگی لحاظ سے وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ (انفال:۶۰) فرما کر ہر قسم کے بمب، راکٹ، میزائل وغیرہ کو تیار کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔

آئندہ زمانے میں سائنس اس سے بھی بہت آگے جاسکتی ہے اور ایسی ایسی ایجادات کا واضح امکان موجود ہے جس کا قبل از وقت اظہار کر کے ہم اس کتاب کو تماشا نہیں بنانا چاہتے۔

فقیر کے پاس ایک غیر مسلم مفکر کی لکھی ہوئی کتاب The Bible,The Quran and science. موجود ہے۔ مصنف کا نام Maurice Bucaille ہے۔

اس نے قرآنی سائنس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ سنا ہے کہ اب وہ شخص مسلمان ہو چکا ہے۔

ایک مشورہ یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں براہِ راست کمپیوٹر پڑھانے کے علاوہ بعض طلباء کو پہلے ایٹم کا مرکز اور مدار، الیکٹران کا انتقال اور برقی رو کا اجراء سمجھایا جائے۔ پھر بنیادی پرزے (Basic devices) اور مختلف سرکٹ بتائے جائیں۔ پھر موٹر اور جنریٹر پڑھایا جائے۔ یہ پہلا سمسٹر ہوا۔

دوسرے سمسٹر میں ابتدائی ترسیل (primary transmission) اور تیسرے سمسٹر میں ثانوی ترسیل (Secondary transmission) اور چوتھے سمسٹر میں کمپیوٹر پڑھایا جائے۔ اور جدید ترین ٹیکنالوجی پڑھائی جائے اور حکومت خود اس کام میں دلچسپی لے اور سہولیات فراہم کرے۔ غیر مسلموں کی ٹیکنالوجی ہائی جیک کر لینا جائز ہے۔ وہ اس سے پہلے ہمارے بے شمار علوم کو ہائی جیک کر چکے ہیں۔

اس علم کا ایک تخصص (speciality) قائم کر دیا جائے اور اِن علماء کو سائنس کے شعبوں میں ملازمتیں دلوائی جائیں۔ موجودہ سائنسدانوں کے دلوں میں دینی حوالے سے تحقیق کا جذبہ اُجاگر ہو اور وہ اس تخصص کے لیے اپنے شاگردوں کو تیار کریں۔ اور تعلیمی اداروں سے پاس ہو کر آنے والے اِن (specialists) کی راہنمائی کریں۔ اس تجویز میں ماہرین اپنی صوابدید کے مطابق ردّ و بدل کر سکتے ہیں۔

جغرافیہ

نمازوں اور افطار کیلئے سورج کے طلوع، غروب اور استواء کو جاننا واجب ہے۔ ناپ کے لحاظ سے اِس مسئلے کا تعلق ریاضی سے ہے اور خطوطِ ارضیہ کے لحاظ سے اسکا تعلق جغرافیہ سے ہے۔

قبلہ کی سمت کو جاننا، اس کا تعیّن کرنا اور اس کے لیے ستاروں کے علم (Astronomy) کو ضرورت کی حد تک جاننا واجب ہے۔ اس کے علاوہ جنگی نقطۂ نظر سے پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں وغیرہ کے محل وقوع کا علم اور ان کا مکمل جائزہ لے کر حملے کے امکانات کے مکمل زاویے معلوم کر کے ان کی جوابی کارروائی کے لیے اقدامات کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے جغرافیہ کے ماہر ترین کمانڈروں کی ضرورت ہے۔

عبرت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا اور اقوامِ گزشتہ کے احوال معلوم کرنا، روحانی ترقی کا زبردست ذریعہ ہے۔ حکم یہ ہے کہ زمین میں سیر کرو اور جھٹلانے والوں کا حشر معلوم کرو (آلِ عمران: ۱۳۷)۔

سیدنا غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے سیاحت کو تصوف میں بہت بڑی اساس قرار دیا ہے۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ نے کشف الاسرار میں اسے بہت اہم قرار دیا ہے۔ اور یہ جغرافیہ جانے بغیر مشکل ہے یا پھر اس کے بعد جغرافیہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

معاشی نقطہ نظر سے جغرافیہ بہت اہم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یعنی زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (جمعہ: ۱۰)۔

مختلف علاقوں اور ملکوں میں اشیاء کی طلب اور رسد کو جان کر وہاں پر معاشی تعلق اسی صورت میں مضبوط ہو سکے گا کہ ہمیں اس علاقے کی سمت، جغرافیہ اور فصلوں وغیرہ کا مکمل علم ہو۔

اس کے علاوہ حج کی ادائیگی کے لیے سفر کا اور وہاں پہنچ کر بیت اللہ، منیٰ، مزدلفہ وغیرہ کا جغرافیہ جاننا ضروری ہے۔ خواہ نقشے میں سمجھ لیا جائے یا وہاں جا کر کسی سے پوچھ لیا جائے۔

خطبات

جمعہ کا پہلا خطبہ

اَلْـحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجاً وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِیْکَ لَـهٗ وَنَشْهَـدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ خَیْرُ الْـوَرٰی اَمَّـا بَـعْـدُ فَـاِنَّ الـدُّنْیَا خُضْرَةٌ وَّحُلْوَةٌ وَاِنِّیْ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَـعْـمَـلُـوْنَ . فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ. وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جمعہ کا دوسرا خطبہ

اَلْـحَـمْدُ لِلّٰهِ .اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَـلَیْـهِ وَنَشْهَـدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّااللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَـهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُـوْلُهٗ. اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْـلِیْـمـاً. اَلـلّٰهُـمَّ صَـلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ عَدَدَ مَعْلُوْمٰتِکَ وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْـحَابِـهٖ وَاَزْوَاجِـهٖ اَجْـمَـعِیـنَ خُـصُـوْصـاً عَـلٰی اَفْضَلِ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ اَبِیْ بَـکْـرِنِـالصِّدِّیْقِ وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ وَعُثْمَانَ ذِی النُّوْرَیْنِ وَعَلِیِّ نِالْمُرْتَضٰی وَالْحَسَنَیْنِ وَعَـلٰـی سَیِّـدَةِ الـنِّسَآءِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ وَعَلٰی عَمَّیْهِ الْمُکَرَّمَیْنِ الْـحَمْزَةَ وَالْعَبَّاسِ وَعَـلٰـی کُلِّ مَنِ اخْتَارَهُ اللّٰهُ بِصُحْبَةِ نَبِیِّهِمْ بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلاً لِّلَّذِیْنَ اٰمَـنُـوْا رَبَّـنَـآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْـمٌ . عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَکُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَـانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَجَلُّ وَاَعَزُّ وَاَتَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَکْبَرُ۔

جمعہ کا پہلا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَآ لِمُحَمَّدٖ
اَعْطیٰ کَمَالاً کَامِلاً فِی الْاَنْبِیَآ لِمُحَمَّدٖ

لَوْلَاکَ قَالَ خِطَابُهٗ اُمُّ الْکِتَابِ کِتَابُهٗ
خَیْرُ الْمَاٰبِ مَاٰبُهٗ سَعْدُ الْعُلیٰ لِمُحَمَّدٖ

اَسْریٰ لِعِزَّةِ شَانِهٖ وَحْیٌ بِنُطْقِ لِسَانِهٖ
قَوْسَیْنِ حَدُّ قِرَانِهٖ قُرْبُ الدَّنیٰ لِمُحَمَّدٖ

وَالشَّمْسِ فِیْ تَوْصِیْفِهٖ وَاللَّیْلُ فِیْ تَعْرِیْفِهٖ
یٰسِیْن فِیْ تَشْرِیْفِهٖ نَزَلَ الضُّحیٰ لِمُحَمَّدٖ

وَیَدٌ سَخِیٌّ بَازِلٌ قَلْبٌ عَلِیْمٌ شَاغِلٌ
وَحْیٌ یُّرِیْدُ نَازِلٌ صَدْرُ الصَّفَا لِمُحَمَّدٖ

یَمُّ الْعِنَایَةِ وَالْکَرَمْ نُوْرُ الْهِدَایَةِ وَالنِّعَمْ
اِذْنُ الشَّفَاعَةِ لِلْاُمَمْ یَوْمَ الْجَزَا لِمُحَمَّدٖ

اَعْلَی الْمَدَارِجِ فِی الْجُمَلْ خَتْمُ النُّبُوَّةِ فِیْ الرُّسُلْ
وَالْاَمْرُ فِی الْقُرْاٰنِ قُلْ یَا اَیُّهَا لِمُحَمَّدٖ

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الْحَشَمْ رَأْسٌ رَفِیْعٌ فِی الْخَدَمْ
لَیْنُ الْحِجَارَةِ فِی الْقَدَمْ فَتْحُ الْغُریٰ لِمُحَمَّدٖ

صِدِّیْقٌ فِیْ تَصْدِیْقِهٖ فَارُوْقٌ فِیْ تَوْفِیْقِهٖ
عُثْمَان فِیْ تَرْفِیْقِهٖ حَیْدَرُ فَتیٰ لِمُحَمَّدٖ

سِبْطَاهُ فِیْ غُفْرَانِهٖ عَمَّاهُ فِیْ رِضْوَانِهٖ
وَبَنَاتُهٗ فِیْ جَنَابِهٖ خُلُقُ الصَّفَا لِمُحَمَّدٖ

بَارَکَ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَنَفَعَنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیَاتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ
اِنَّهٗ تَعَالیٰ جَوَادٌ کَرِیْمٌ قَدِیْمٌ مَلِکٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

جمعہ کا دوسرا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَدْ عَمَّنَا نُعَمَائُہٗ
وَتَحِیَّۃُ الْمَوْلٰی عَلٰی مَنْ صَادِقٌ اَنْبَائُہٗ
وَاُرٰی وَاَشْھَدُ اَنَّہٗ فَرْدٌ وَّاَحْمَدَ عَبْدُہٗ
وَرَسُوْلُہٗ صَلّٰی عَلَیْہِ اللّٰہُ جَلَّ ثَنَائُہٗ
وَعَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَفَارُوْقَ وَعُثْمَانَ الزَّکِیْ
وَالْمُرْتَضٰی وَعَلٰی کِلَا الْحَسَنَیْنِ ھُمْ خُلَفَائُہٗ
وَعَلَی الْبَتُوْلِ الْفَاطِمَۃُ وَعَلٰی کِلاَ الْعَمَّیْنِ لَہٗ
وَعَلَی الصَّحَابَۃِ کُلِّھِمْ رِضْوَانُہٗ وَرِضَائُہٗ
فَاغْفِرْلَنَا یَا رَبَّنَا وَانْصُرْ بِفَضْلِکَ دَائِمَا
وَانْشُرْ عَلَیْنَا رَحْمَتَکَ لَازَالَ اِسْتِعْلَآئُہٗ
وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَکْبَرُ

عیدالفطر کا پہلا خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ. لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ. وِلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْاَکْبَرُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْمَجِیْدِ. اَلْوَلِیِّ الْحَمِیْدِ. ذِی اللُّطْفِ وَالْجُوْدِ فِی الْقَدِیْمِ وَالْجَدِیْدِ اَشْھَدُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَھُوَ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ. وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِیْدُ. سُبْحَانَ الَّذِیْ اَعَزَّنَا بِشَھْرِ رَمَضَانَ شَھْرِ الرَّحْمَۃِ وَالْغُفْرَانِ شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ مَنْ صَامَ وَقَامَ فِیْ اَیَّامِہٖ وَلَیَالِہٖ اِسْتَحَقَّ الثَّوَابَ الْمَزِیْدَ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ. اَللّٰہُ

اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِيْدُ. سُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمَ شَانَهٗ وَعَدَ لِلصَّائِمِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ النَّجَاةَ مِنْ مَّهَالِكِ يَوْمِ الْوَعِيْد. قَائِلاً وَّلَدَيْنَا مَزِيْد. كَيْفَ اَشْكُرُهٗ وَكَيْفَ لَا اَشْكُرُهٗ عَلٰى مَا اَعَادَ عَلَيْنَا عَوَائِدَ الْاِحْسَانِ وَاَظَلَّ عَلَيْنَا يَوْمَ الْعِيْدِ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُوَالتَّمْجِيْدُ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِىْ هَدَى الْخَلْقَ اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْم. وَاَخْرَجَهُمْ مِنْ شَفَاحُفْرَةِ النَّارِ اِلٰى دَارِ النَّعِيْمِ. وَتَكَفَّلَ لِشَفَاعَةِ الْعُصَاةِ يَوْمَ الْوَعِيْد. صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ صَلٰوةً دَائِمَةً لَا تَنْقَطِعُ وَلَا تَبِيْدُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِيْدُ. وَبَعْدُ فَيَا اَيُّهَا الْاَكْيَاسُ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. قَدْ اَظَلَّكُمْ يَوْمُ الْعِيْدِ. يَوْمُ الْفِطْرِ مِنَ الصِّيَامِ. وَالتَّوْبَةِ مِنَ الْاٰثَامِ. يَوْمُ السُّرُوْرِ وَالْفَرْحَةِ وَالْاِ نَابَةِ. تَتَنَزَّلُ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ مِنَ السَّمٰوٰتِ لِمُعَايَنَةِ عِبَادَاتِ الْعَبِيْدِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاجْتَهِدُوْا فِى الْعِبَادَةِ طَلَباً لِّلْحُسْنٰى وَالزِّيَادَةِ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ قَدِيْمٍ وَّجَدِيْدٍ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُوَالتَّمْجِيْدُ. وَاعْلَمُوْا لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ نَسِىَ الْعُقْبٰى وَاٰثَرَ الدُّنْيَا وَاشْتَغَلَ بِاَسْبَابِ الْمُسَرَّةِ الْمُضِلَّةِ كَاِشْتِغَالِ فِرْعَوْنَ وَالْوَلِيْدِ. اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ هَجَرَ مَا نَهٰى عَنْهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ فِى اللّٰهِ عِزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفاً مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِهٖ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ التَّوَّابُ الْحَمِيْد. بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِى الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

عیدالاضحیٰ کا پہلا خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ.

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ. وَجَعَلَ

الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِّلنَّاسِ وَجَعَلَ الْحَرَمَ اٰمِناً لِّلنَّاسِ مِنْ كُلِّ شَرٍّ وَّطُغْيَانٍ. سُبْحَانَ الَّذِىْ جَعَلَ الْحَجَّ مُطَهِّراً عَنِ الذُّنُوْبِ وَدَافِعاً لِّلْكُرُوْبِ وَوَعَدَ لِلْحُجَّاجِ وَالْمُعْتَمِرِيْنَ بِدَارِ الْجِنَانِ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ. سُبْحَانَهٗ مَآ اَعْظَمَ شَانَهٗ وَضَعَ لِلنَّاسِ اَوَّلَ بَيْتٍ وَجَعَلَهٗ مُبَارَكاً وَجَعَلَ الْاَفْئِدَةَ تَهْوِىْ اِلَيْهِ فِىْ كُلِّ زَمَانٍ. اَحْمَدُهٗ حَمْداً جَمِيْلاً وَاَشْكُرُهٗ شُكْراً جَلِيْلاً عَلٰٓى اَنْ اَظَلَّ عَلَيْنَا اَيَّاماً مُتَبَرَّكَةً ذَوِى الرُّتْبَةِ وَالْقَدْرِ. اَيَّامُ الْعَشْرِ. خِتَامُهَا يَوْمُ النَّحْرِ. وَهِىَ الَّتِىْ اَقْسَمَ اللّٰهُ بِهَا فِى الْقُرْاٰنِ. كَيْفَ اَحْمَدُهٗ وَكَيْفَ لَآ اَحْمَدُهٗ عَلٰٓى اَنْ اَعَادَ عَلَيْنَا عَوَآئِدَ الْاِحْسَانِ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر. اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ. اَشْهَدُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهُ الرَّحْمٰنِ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَيِّدُ اَهْلِ الْبَوَادِىْ وَالْعُمْرَانِ. صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ. وَعَلٰى سَآئِرِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ لَا سِيَّمَا سَيِّدِنَا اِسْمٰعِيْلَ ذَبِيْحِ اللّٰهِ وَسَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر. اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ. اَمَّا بَعْدُ مَعَاشِرَ الْاَخْوَانِ وَالْخُلَّانِ اُشْكُرُوا اللّٰهَ عَلٰى نَعْمَآئِهِ السَّآئِلَةِ وَاٰلَائِهِ الْكَامِلَةِ فِىْ كُلِّ زَمَانٍ. وَاذْكُرُوْهُ صَبَاحاً وَّمَسَآءً فَاِنَّ ذِكْرَهٗ اَمَانٌ اَىُّ اَمَانٍ. وَتَحَسَّرُوْا عَلٰى مَا فَاتَ مِنْكُمْ مِنَ الْحُضُوْرِ حَضْرَةَ بَيْتِ الرَّحْمٰنِ. طُوْبٰى لِلَّذِيْنَ قَطَعُوْا الْقِفَارَ. وَرَكِبُوْا الطَّيَّارَاتَ عَلَى الْمَطَارِ. وَتَرَكُوْا الْاَوْلَادَ وَالْاَحْبَابَ. وَالْاَحْفَادَ وَالْاَصْحَابَ وَالْاَوْطَانَ شَوْقاً اِلٰى كَعْبَةِ الرَّحْمَنِ. فَطَافُوْا بِهَا طَوَافاً عُتِقُوْا بِهٖ مِنَ النِّيْرَانِ. وَحَصَلَتْ لَهُمُ الْمُنٰى. بِالْوُصُوْلِ اِلٰى مِنٰى. وَنَالُوْ الدَّرَجَاتِ. بِوُقُوْفِ عَرَفَاتٍ. وَبَاهٰى بِهِمْ رَبُّهُمْ فَرَضُوْا عَنْهُ وَرَضِىَ عَنْهُمْ وَاَسْبَلَ عَلَيْهِمْ سَجَالَ الْغُفْرَانِ وَحِيْنَ اَتَمُّوا الْمَنَاسِكَ غُفِرَتْ ذُنُوْبُهُمْ وَسُتِرَتْ عُيُوْبُهُمْ وَحُطَّتْ عَنْهُمْ تَبْعَاتُهُمْ وَرُفِعَتْ دَرَجَاتُهُمْ وَكُتِبَتْ لَهُمُ النَّجَاةُ مِنَ النِّيْرَانِ. اَيُّهَا الْمُتَخَلِّفُوْنَ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ حَلِيْمٌ كَرِيْمٌ رَحِيْمٌ مَنَّانٌ فَتُوْبُوْآ اِلَيْهِ

وَاسْتَغْفِرُوْهُ مِنْ كُلِّ عِصْيَانٍ. وَبَادِرُوْا فِيْ اَدَآءِ مَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ مِنْ اَدَآءِ رَكْعَتَيْنِ مَعَ سِتِّ تَكْبِيْرَاتٍ زَوَائِدَ ثُمَّ تَضْحِيَةِ الْحَيَوَانِ وَهٰذِهٖ سُنَّةُ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ. عَلٰى مَا تَلٰى عَلَيْنَا رَبُّنَا قِصَّتَهٗ فِي الْقُرْاٰنِ. فَاِنَّ اِبْنَهٗ لَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنْ اَهْلِ الصَّبْرِ وَالْاِذْعَانِ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ. تَزَلْزَلَتْ سُكَّانُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ. وَضَجَّتِ الْمَلَآئِكَةُ بِالدُّعَاءِ حَضْرَةَ الرَّحْمٰنِ فَنَادٰى خَلِيْلَهٗ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَاءَ وَفَدٰى اِبْنَهٗ بِكَبْشٍ عَظِيْمٍ ذِيْ رُتْبَةٍ عُلْيَا. فَصَارَ ذٰلِكَ سُنَّةً مِنْ عَهْدِهٖ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الْاِحْسَانِ. وَقَدْ وَرَدَ فِي الْخَبْرِ عَنْ سَيِّدِ بَنِيْ عَدْنَانَ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ كُلَّهَا بِاَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِ الْحَيَوَانِ فَسَمِّنُوْا ضَحَايَاكُمْ فَاِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ وَمُوْصِلَةٌ اِلٰى دَارِ الْجِنَانِ. وَعَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَاِنَّهَا اَرْبَحُ بِضَاعَةٍ وَهِيَ الْمُنْجِيَةُ مِنْ كُلِّ نُقْصَانٍ وَّخُسْرَانٍ وَادْعُوا اللّٰهَ بِخُلُوْصِ الْجَنَانِ قَآئِلِيْنَ اَللّٰهُمَّ يَا مَنَّانُ يَا رَحْمٰنُ. يَاحَنَّانُ. يَا دَيَّانُ. اِرْحَمْنَا وَعَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَنَجِّنَا مِنْ عَذَابِ النِّيْرَانِ. بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ. وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا دوسرا خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ.اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ.اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْاَكْبَرُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْخَلْقَ وَدَبَّرَ. وَاَحْكَمَ نَظْمَ الْعَالَمِ وَقَدَّرَ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَبِاَحْسَنِ الصُّوَرِ صَوَّرَ. وَجَعَلَهٗ اَشْرَفَ الْمَخْلُوْقَاتِ فِي الدُّنْيَا وَالْمَحْشَرِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَشْهَدُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ شَهَادَةً تُنَجِّيْنَا مِنْ حَسَرَاتِ يَوْمِ الْاَرْضِ الْاَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ

وَرَسُوْلُهٗ صَاحِبُ الْفَضْلِ الْاَبْهَرِ وَالْعِزِّ الْاَنْوَرِ. صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ. وَمَلَائِكَةِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ صَلوٰةً دَائِمَةً بِدَوَامِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ. اَمَّا بَعْدُ فَيَآ اَيُّهَا الْحَاضِرُوْنَ مِنَ الْجِنِّ وَالْبَشَرِ. اُشْكُرُوْا اللّٰهَ عَلٰى نِعَمِهٖ الْفَآئِضَةِ وَمِنَنِهٖ السَّابِغَةِ حَيْثُ اَعَادَ عَلَيْكُمْ عَوَائِدَ اللُّطْفِ وَالْمِنَّةِ وَاَظَلَّ عَلَيْكُمْ هٰذَا الْيَوْمَ الْاَزْهَرَ. يَوْمٌ تُغْفَرُ فِيْهِ الذُّنُوْبُ. وَتُكْشَفُ فِيْهِ الْكُرُوْبُ وَتُقْبَلُ فِيْهِ الْعِبَادَاتُ. وَتُحَطُّ فِيْهِ السَّيِّئَاتُ. فَيَا لَهٗ مِنْ فَضْلٍ اَنْوَرِ. فَاَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنَ الطَّاعَةِ وَالْاِنَابَةِ وَاجْتَهِدُوْا فِيْهِ فِى الْعِبَادَةِ وَالْاِصَابَةِ. لِتَفُوْزُوْا بِالْعِزِّ وَالْقَدْرِ. وَاَكْثِرُوْا فِيْهِ الصَّلوٰةَ وَالسَّلَامَ عَلٰى سَيِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِهِ الْاَطْهَرِ. فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيْهِ وَمَقْبُوْلَةٌ لَّدَيْهِ وَشَافِعَةٌ فِى الْمَحْشَرِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَاَنْعِمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى جَمِيْعِ الْمَلَآئِكَةِ وَالْاَنْبِيَاءِ ذَوِى الْمَقَامِ الْاَشْهَرِ وَعَلٰٓى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ وَانْقَادَ الشَّرْعَ الْاَطْهَرَ. لَاسَيِّماً عَلٰى رَفِيْقِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ فِى الْغَارِ وَصَاحِبِهٖ فِى الْاَسْفَارِ سَيِّدِنَا اَبِىْ بَكْرٍ عَبْدِاللّٰهِ الصِّدِّيْقِ الْاَكْبَرِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ فِى الْمَحْشَرِ وَعَلٰى قَامِعِ اَسَاسِ الْكُفْرِ وَالْاِلْحَادِ. قَالِعِ بُنْيَانِ الشِّرْكِ وَالْفَسَادِ سَيِّدِنَا عُمَرَ فَازَ بِالْحَظِّ الْاَوْفَرِ. وَعَلٰى جَامِعِ الْقُرْاٰنِ رَفِيْعِ الْمَكَانِ صَاحِبِ الْحَيَآءِ الَّذِىْ هُوَ شَعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ سَيِّدِنَا عُثْمَانِ ابْنِ عَفَّانَ ذِى النُّوْرِ الْاَنْوَرِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَخَذَلَ اَعْدَآءَهٗ فِى الْمَحْضَرِ. وَعَلٰى بَابِ مَدِيْنَةِ الْعِلْمِ النَّبَوِىِّ ذِى الْفَضْلِ الْجَلِىِّ وَالْخَفِىِّ سِيِّدِنَا عَلِيِّنِ الْحَيْدَرِ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَطَهَّرَ وَعَلَى السِّبْطَيْنِ النَّيِّرَيْنِ السَّعِيْدَيْنِ الشَّهِيْدَيْنِ. سَيِّدِنَا الْحَسَنِ وَسَيِّدِنَا الْحُسَيْنِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا الْعَلِىُّ الْاَكْبَرُ. وَعَلٰٓى اُمِّهِمَا السَّيِّدَةِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ فِى الدُّنْيَا وَالْمَحْشَرِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا وَاَسْكَنَهَا فِى الْبَيْتِ الْاَنْوَرِ وَعَلٰى سَآئِرِ اَزْوَاجِ النَّبِىِّ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَبَنَاتِهٖ وَاَبْنَآئِهِ الطَّاهِرِيْنَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَخَصَّهُمْ بِمَزِيْدِ اللُّطْفِ وَالْقَدْرِ وَعَلٰى عَمَّيْهِ الْمُعَظَّمَيْنِ عِنْدَ الْجِنِّ وَالْبَشَرِ سَيِّدِنَا حَمْزَةَ وَسَيِّدِنَا الْعَبَّاسِ الْمُطَهَّرَيْنِ مِنَ الدَّنَسِ وَالْاَرْجَاسِ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمَا الۡوَلِیُّ الۡاَکۡبَرُ. وَعَلٰی سَآئِرِ الۡمُہَاجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَاَصۡحَابِہٖ الۡاَخۡیَارِ. وَعَلٰی مَنۡ تَبِعَہُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰی یَوۡمِ الۡعَرۡضِ الۡاَکۡبَرِ. اَللّٰہُمَّ اغۡفِرۡ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ وَالۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمَاتِ الۡاَحۡیَاءِ مِنۡہُمۡ وَالۡاَمۡوَاتِ الۡاَکۡبَرِ مِنۡہُمۡ وَالۡاَصۡغَرِ اَللّٰہُمَّ انۡصُرۡ مَنۡ نَصَرَ دِیۡنَ الۡاِسۡلَامِ الۡاَنۡوَرِ. وَاخۡذُلۡ مَنۡ خَذَلَ الدِّیۡنَ الۡمُنَوَّرَ. اُذۡکُرُوۡا اللّٰہَ یَذۡکُرۡکُمۡ وَادۡعُوۡہُ یَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَوۡلٰی وَاَعۡلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَہَمُّ وَاَقۡوٰی وَاَکۡبَرُ۔

(شعری خطبہ اور عیدین کے خطبے خطباتِ غفاریہ سے لیے گئے ہیں۔انہیں رئیس الاتقیاء حضرت پیر سائیں عبدالغفار صاحب نقشبندی قدس سرہ رحمت پور شریف لاڑکانہ والوں نے تحریر فرمایا ہے)

خطبۂ نکاح

خطبے سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو کم از کم پہلا کلمہ طیبہ پڑھا لیا جائے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُسۡلِمُوۡنَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡھَا زَوۡجَھَا وَبَثَّ مِنۡھَا رِجَالاً کَثِیۡراً وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَاءَ لُوۡنَ بِہٖ وَالۡاَرۡحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡباً یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰہَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلاً سَدِیۡداً یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزاً عَظِیۡماً وَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِیۡ فَلَیۡسَ مِنِّیۡ. وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

خطبے کے بعد ایجاب وقبول کرائیں اور اسکے بعد میاں بیوی کے لیے دعا کریں۔

تقریر کرنے کا طریقہ

سب سے پہلے خطبہ پڑھیں (وہی نکاح والا خطبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تک) اسکے بعد اپنے موضوع کے مطابق آیتِ مبارکہ پڑھیں۔ آیت کے بعد صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم پڑھیں پھر تین مرتبہ رَبِّ شْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ پوری آیت پڑھیں۔ پھر اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ پوری آیت پڑھ کر درود شریف پڑھیں اور نہایت اطمینان سے تقریر شروع کریں۔

معزز بزرگو! بھائیو! عزیزو! یا بھائیو اور بہنو! یا حسبِ موقع۔ اپنی قدرتی رفتار سے کم رفتار میں بولیں۔ صاف صاف الفاظ ادا کریں۔ تقریر میں جلدی نہ کریں۔ کچی اور غلط بات زبان پر نہ لائیں۔ آخر میں وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ دیں۔

رحم کی اپیل

علم کے بغیر وعظ کرنا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ علم والے کم ہوں گے اور خطیب کثرت سے ہوں گے (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث:۳۰۴۱)۔ آج ان پڑھ لوگ علماء کی مخالفت کر رہے ہیں اور محض کسی سنتِ زائدہ کے ترک پر علماء کو بے عمل کہنے لگے ہیں۔ حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: ثَلٰثَۃٌ لَا یَسْتَخِفُّ بِھِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ذُوالشَّیْبَۃِ فِی الْاِسْلَامِ وَ ذُوالْعِلْمِ وَاِمَامٌ مُقْسِطٌ یعنی تین آدمیوں کی بے حرمتی صرف منافق ہی کرتا ہے۔ بوڑھا مسلمان، عالمِ دین اور عادل حکمران (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔ یہ لوگ عوام میں تشدد پھیلا رہے ہیں اور ہر کسی کو اپنے ہی مشائخ اور اساتذہ کا پابند دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ نیم حکیم اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں تو مریض خود بخود شفا پا جائے گا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان جاہل مبلغین کو مساجد سے نکال دیا کرتے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ جب بصرہ میں تشریف لائے تو آپ نے بصرہ کے تمام خطیبوں کا امتحان لیا اور نتیجے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا تمام مبلغین کو تبلیغ سے روک دیا۔ اور ان کے منبر توڑ کر پھینک دینے کا حکم دیا (تذکرۃ الاولیا صفحہ ۱۴)۔

لہٰذا اس نازک کام کو ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا ضروری ہے۔

باب چہارم

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی اہمیت

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (البقرہ:۱۱۰)۔

۲۔ وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے (الزاریات:۱۹)۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے: مَنْ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالاً فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَہٗ مُثِّلَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شُجَاعاً اَقْرَعَ لَہٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثُمَّ یَاخُذُ بِلِھْزِمَتَیْہِ یَعْنِیْ شِدْقَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْراً لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یعنی جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو، قیامت کے دن اس کا مال ایک خوفناک اژدھا کی شکل میں اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس کی باچھوں سے پکڑ کر اسے کہے گا میں تمہارا مال اور دولت ہوں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں وہ اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے۔ جس میں یہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے گلے میں ڈالا جائے گا (بخاری حدیث:۱۴۰۳، ۴۵۶۵)۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں باہمی ہمدردی اور اخوت کا اظہار ہے۔ اور یہ امیر اور غریب میں فاصلہ کم کر کے معاشی توازن قائم کرنے کا معقول ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ کے مسائل

7½ تولے سونا یا 52½ تولے چاندی یا اِن میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامانِ تجارت یا نقد رقم جس کے پاس موجود ہو اور وہ قرض سے فالتو ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

گھریلو استعمال کے برتن، کپڑے، رہائشی مکان، کرائے پر دیا ہوا مکان، فیکٹری یا

گھریلو مشین، فریج، ٹی وی، کار، سائیکل وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

گھر میں بندھے ہوئے قیمتی چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ صرف ان جانوروں پر زکوٰۃ ہے جو باہر چرتے ہوں۔ کم از کم پانچ اونٹوں، تیس بھینس، تیس گائے اور چالیس بکریوں پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔

اگر سونا اور چاندی دونوں موجود ہوں تو آج کے دور میں سونے کی قیمت کو چاندی کی قیمت میں تبدیل کیا جائے گا اور چاندی کو زکوٰۃ کے لیے بنیاد بنایا جائے گا۔ مثلاً دو تولے سونا اور تیس تولے چاندی ہو تو ہم معلوم کریں گے کہ دو تولے سونا کتنی چاندی کے برابر ہے۔ سونے کی چاندی بنا کر پھر تیس تولے چاندی اس میں جمع کریں گے، پھر دیکھیں گے کہ کیا یہ 52½ تولے چاندی بنتی ہے یا نہیں۔ اگر بن جائے تو زکوٰۃ دینا پڑے گی ورنہ نہیں۔

زمین کی فصل پر عُشر دینا پڑتا ہے۔ اگر زمین قدرتی پانی اور بارش سے سیراب ہوتی ہو تو عشر یعنی دسواں حصہ اور اگر پانی قیمتاً دیا جاتا ہے تو نصف عُشر یعنی بیسواں حصہ دینا پڑتا ہے۔

فصل خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ بہر حال عُشر یا نصف عُشر دینا پڑے گا اور وہ کل پیداوار پر لاگو ہوگا یعنی اس میں سے کھیت کا خرچ، بیج کا خرچ، مزدوری وغیرہ نہیں نکالی جائے گی۔

زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر پر نہیں لگائی جا سکتی۔ زکوٰۃ دینے کے لیے ضروری ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جائے اسے زکوٰۃ کی رقم یا چیز کا مالک بنا دیا جائے۔ ماں، باپ، اولاد، میاں اور بیوی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ بھائی، بہنیں اور داماد اگر غریب ہوں تو انہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

صدقۂ فطر

گھر کے تمام بالغ اور نابالغ افراد حتیٰ کہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کی طرف سے بھی اسکے والدین پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ فطرانہ کی مقدار دو سیر تین چھٹانک چھ ماشے گندم ہے۔ جو تقریباً دو کلوگرام بنتی ہے۔ فطرانہ نمازِ عید سے پہلے پہلے دے دینا چاہیے۔

فطرانہ اس شخص پر واجب ہے جو صاحبِ نصاب ہو یعنی زکوٰۃ دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال ایک سال تک جمع رہے۔ مگر فطرانے

پرسال گزرنا ضروری نہیں۔اگر آپ عید کے دن صبح مالدار ہوئے ہیں تو فطرانہ واجب ہو جائے گا۔

صدقات کی اقسام

صدقہ چار قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ فرض جیسے زکوٰۃ۔مالدار پر زکوٰۃ فرض ہے۔یہ صرف غریب اور حقدار آدمی لے سکتا ہے۔

۲۔ واجب جیسے صدقۂ فطر اور منّت۔یہ بھی صرف غریب اور مستحق ہی لے سکتا ہے۔

۳۔ نفلی صدقہ، یہ صدقہ عام طور پر لوگ مشکل کے وقت اور بلا کو ٹالنے کے لیے دیا کرتے ہیں۔یہ بھی صرف غریبوں کا حق ہے۔

۴۔ خیرات، یہ دوسرے صدقات سے جُدا چیز ہے۔جیسے محافل ختمِ قرآن میں، تراویح میں ختمِ قرآن کے بعد، محفلِ میلاد اور گیارہویں شریف میں خیرات بانٹنا۔اسے امیر غریب سب کھا سکتے ہیں۔حتیٰ کہ خود خیرات دینے والا بھی کھا سکتا ہے۔عقیقہ اور قربانی کا گوشت بھی امیر غریب سب کھا سکتے ہیں اور دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے۔

اسلام کا معاشی ضابطہ

انفرادی سطح پر

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ دولت کمانے سے پہلے تین اُصولوں کو مدِّنظر رکھے۔

۱۔ انسان کی پیدائش کا مقصد دولت کمانا نہیں اور نہ ہی انسان ایک معاشی کیڑا ہے بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت و معرفت ہے۔اور وہ ملکِ آخرت کا مسافر ہے۔جو لوگ اس اصول کو مدِّنظر نہیں رکھتے وہ کھرب پتی ہونے کے باوجود بھی لالچی اور دل کے غریب ہی رہتے ہیں۔اور اُن کی آنکھ سے بھوک کبھی نہیں مرتی۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا انسان دولت سے امیر نہیں ہوتا بلکہ امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے(مسلم حدیث رقم: ۲۴۲۰، بخاری حدیث رقم: ۶۴۴۶، ترمذی حدیث رقم: ۲۳۷۳، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۴۱۳۷)۔

نیز فرمایا کہ امیر لوگ قیامت کے دن غریب ہوں گے(بخاری حدیث رقم: ۶۴۴۳)۔

۲۔ جو بھی رزق کمایا جائے حلال طریقے سے کمایا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ (النساء:۲۹)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کا کھانا پینا لباس اور غذا حرام ہے وہ لمبا سفر کر کے آئے اور بکھرے ہوئے گرد و غبار والے بال ہوں۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب کہہ کر دعا کرتا رہے اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوگی (مسلم حدیث رقم:۲۳۴۶، ترمذی حدیث رقم:۲۹۸۹، سنن الدارمی حدیث رقم:۲۷۱۹، مسند احمد حدیث رقم:۸۳۶۹)۔

۳۔ انسان کو چاہیے کہ اس مال و دولت کا اصلی مالک اللہ کریم جل شانہٗ کو سمجھے اور اپنے پاس اسے اللہ کی امانت سمجھے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ یعنی اے اللہ تو ہی مالک الملک ہے (آلِ عمران:۲۶)۔

دولت کی پیدائش اور تقسیم

دولت کی پیدائش کے وہی چند ذرائع ہیں جو ہر معاشی نظریے میں تسلیم شدہ ہیں۔ یعنی حیوانات، نباتات، جمادات، معدنیات، مصنوعات اور محنت۔

اصل مسئلہ دولت کی تقسیم اور گردش کا ہے۔ اسلام نے دولت کے ارتکاز اور چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کا مکمل سدِّ باب کیا ہے۔ تقسیمِ دولت کے اسلامی اصولوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ زکوٰۃ:۔ زکوٰۃ امیروں سے حاصل کی جائے اور غرباء میں تقسیم کر دی جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ امیروں سے لو اور غریبوں کو دے دو (بخاری حدیث رقم:۲۳۷۲)۔

قرآن شریف میں اس کی حکمت یوں بیان ہوئی ہے۔

كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ یعنی تا کہ دولت صرف امیروں کے ہاتھوں میں گردش نہ کرتی رہے (حشر:۷)۔

۲۔ سود کی ممانعت:۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِي الصَّدَقٰتِ یعنی اللہ سُود کو برباد کرتا ہے اور صدقات کو قوت دیتا ہے (بقرہ:۲۷۶)۔

جو شخص پہلے ہی قرض لینے پر مجبور ہے اسے سُود کے بوجھ تلے دبانا ظلم ہے۔ لہٰذا اسلام نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے۔

۳۔ اجارہ داری کی ممانعت:۔ اجارہ داروں کا طریقہ واردات جھوٹی اشتہار بازی (Advertisement) ہے۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے: لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ یعنی لوگوں کو انکی چیزیں گھٹا کر مت دو (ھود:۸۵)۔

ناپ اور تول میں کمی یا گھٹیا چیز کو اعلیٰ بتا کر بیچنا سب اس کے عموم میں شامل ہیں۔ اجارہ داروں کا دوسرا حربہ ارزانی کے وقت ذخیرہ اندوزی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَلۡجَالِبُ مَرۡزُوۡقٌ وَالۡمُحۡتَكِرُ مَلۡعُوۡنٌ یعنی مال کھولنے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ کرنے والے پر لعنت ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۱۵۳، سنن الدارمی حدیث رقم: ۲۵۴۷)۔

اجارہ داروں کا تیسرا اور آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اجارہ داری کو قائم رکھنے کیلئے مال کو ضائع تک کر دیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ یعنی فسادی آدمی اس کوشش میں رہتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصل اور جانوروں کو تلف کرے۔ حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا (البقرہ:۲۰۵)۔

۴۔ سٹہ کی ممانعت:۔ غائب مال کی سوداگری کو سٹہ کہتے ہیں۔ کھڑی فصل کا پکنے سے پہلے سودا یا منڈی میں پہنچنے سے پہلے پہلے مال راستے میں ہی جا کر خرید لینا اور پھر منڈی میں لا کر مہنگا بیچنا۔ ان طریقوں سے مال کئی ہاتھوں میں سے گزرنے کی وجہ سے مہنگا ہو جاتا ہے۔ اسلام میں اس

طریقہ کومنع کر دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَایَحِلُّ بَیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدَکَ یعنی جو چیز تیرے ہاتھ میں نہیں اس کی کوئی خرید وفروخت نہیں (ابن ماجہ حدیث رقم:۲۱۸۸)۔

لہٰذا محض بینک بیلنس کے بل بوتے پر اور صرف ٹیلیفون کے ذریعے گھر بیٹھے بٹھائے کاروبار کر لینا ممنوع ہے۔

۵۔ فضول خرچی کی ممانعت: ۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی مت کرو (اعراف:۳۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَلْاِقْتِصَادُ فِیْ النَّفْقَۃِ نِصْفُ الْمَعِیْشَۃِ یعنی خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے (شعب الایمان للبیہقی حدیث رقم:۶۵۶۸)۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معاشی حکمتِ عملی کی وہ خیرات بانٹی ہے کہ دنیا کے تمام معاشی مریضوں کے درد کا درماں کر چھوڑا ہے۔ اگر مغرب کے تمام معاشی کیڑے اپنے آباء واجداد کی تفکرات کا مغز نکال لائیں تو اس چادر اوڑھنے والے کے اس سادہ سے جملے کی نظیر نہ لاسکیں گے۔

اس کے علاوہ اسلام کا قانونِ وراثت، صدقات، اُجرت، منافع، ماعون (استعمال کے لیے کوئی چیز ادھار دینا)، میزبانی، وصیّت (مرنے والا اپنی میراث میں سے 1/3 حصہ تک کے بارے میں وصیّت کر سکتا ہے۔) نذر، کفارہ، مزارعت، مضاربت (کسی کی رقم سے کاروبار کرنا اور منافع آپس میں تقسیم کر لینا۔ اسلامی ضابطے کے مطابق بینک کا نظام زیادہ تر مضاربت ہی سے چلتا ہے۔)، لگان اور کرایہ تقسیم دولت کے ذرائع ہیں۔

سرکاری سطح پر

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی مندرجہ ذیل ہیں۔ زکوٰۃ، عُشر، لگان، خراج، جزیہ، خمس (مالِ غنیمت یا دفینہ۔ کسی آدمی کی زمین میں سے اگر کوئی کان یا تیل وغیرہ نکلے تو اس کا پانچواں حصہ حکومت لے گی۔)، عشور (بیرونی ممالک سے آنے والے مال پر کسٹم ڈیوٹی)، ضرائب (ہنگامی ٹیکس)، بیت المال کی زمین کی آمدنی، محصول چونگی، ضبط شدہ مال (مثلاً مرتد کا مال،

لاوارث کا مال ، ناجائز کمائی کا مال۔) ، ذرائع مواصلات کی آمدنی ، بجلی کی آمدنی ، سیاحت وزیارت کی آمدنی،صنعت کی آمدنی،تجارت کی آمدنی،صدقات کی آمدنی اوراوقاف کی آمدنی۔

اسلامی حکومت کے مال میں سے زکوٰۃ ان چیزوں پرخرچ ہوتی ہے۔فقراء،مساکین، عملے کی تنخواہیں ،مؤلفۃ القلوب(اسلام کی تبلیغ) ،غلاموں کی آزادی ،مقروض ،مسافر اور جہاد۔ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف قرآن شریف کی سورۃ توبہ آیت نمبر۶۰ میں بیان ہوئے ہیں۔

اگرعوام کی بنیادی ضروریات زکوٰۃ میں سے پوری نہ ہوتی ہوں تو بیت المال کے باقی فنڈ میں سے ان ضروریات کو ترجیحی بنیادوں پر پورا کیا جاتا ہے۔ملک میں ایک شخص بھی بنیادی ضرورت سے محروم نہیں رہتا حتیٰ کہ ایک غیر مسلم بھی روٹی، کپڑا اور رہائش کی بنیادی ضرورت حاصل کرلیتا ہے۔ یہ سب اخراجات بیت المال کے ذمے ہوتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ رہنے کیلئے گھر، پہننے کیلئے کپڑے،کھانے کیلئے روٹی اور پانی انسان کے بنیادی حقوق ہیں(ترمذی حدیث رقم:۲۳۴۱، مسنداحمد حدیث رقم: ۴۴۲)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی بھوکا مرگیا تو مجھے ڈر ہے کہ خدا مجھے اسکے بارے پوچھ گچھ کرے گا (طبقات ابنِ سعد جلد۳ صفحہ۳۰۵)۔

بیت المال کی جوآمدنی بنیادی ضروریات سے بچ جائے اسے رفاع عامہ،سڑکوں، پلوں کی تعمیر،بجلی، پانی اورسوئی گیس کی فراہمی پرخرچ کیا جاسکتا ہے۔ملکی اورعوامی اصلاح وترقی کے لیے ہروہ کام جائز ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔

سرکاری آمدنی و اخراجات کی اس تفصیل کو مغربی اصطلاح میں مالیاتِ عامہ (Public Finance) کہتے ہیں۔

مالیاتی پالیسی (Fiscal Policy)

۱۔ طلب اوررسد کے توازن سے قیمت مقرر کرنے میں یہ خامی ہے کہ اگر طلب زیادہ ہوتو مہنگائی بڑھ جاتی ہے اوراگر رسد زیادہ ہوتو ذخیرہ اندوزی شروع ہوجاتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام قیمتوں کا تعین لاگت پر مناسب منافع لگا کرکرتا ہے۔اگرکوئی شخص

کثیر منافع خوری سے باز نہ آئے تو دوسرے تاجر اسے اپنے ریٹ کے ذریعے کم منافع لینے پر مجبور کر دیں گے۔اور اگر تمام تاجر کثیر منافع خوری پر متفق ہو جائیں اور اجارہ داری قائم ہونے لگے تو حکومت اخلاقی طریقہ سے بڑھ کر ڈنڈا بھی استعمال کر سکتی ہے۔البتہ اگر مہنگائی مصنوعی اسباب کی بجائے قدرتی وجوہات سے پیدا ہو جائے مثلاً قحط پڑ جائے یا پیدائش پر خرچ زیادہ آ رہا ہو تو ایسی صورت میں تاجروں پر پابندی لگانا اور ریٹ مقرر کرنا ظلم ہے۔

ایک مرتبہ قحط پڑا تو نبی کریم ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ چیزوں کے ریٹ مقرر فرما دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ایسے کام کے بارے میں مجھ سے پوچھے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہیں دیا اور میں اسے اپنی طرف سے رائج کر دوں۔تم لوگ اللہ سے قحط ختم کرنے کی دعا مانگو (کنز العمال حدیث:۴۶۳۱)۔

۲۔ اسلامی ضابطے میں زکوٰۃ اور ٹیکس دونوں بلا واسطہ(Directly) وصول کیے جاتے ہیں تا کہ اس کا اثر قیمتوں پر نہ پڑے۔اسلامی نظام میں معیاری قیمت اور بازاری قیمت میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے کہ گھر، کپڑا، روٹی اور پانی انسان کی بنیادی ضروریات ہیں (ترمذی حدیث رقم:۲۳۴۱،مسند احمد حدیث رقم:۴۴۲)۔

ان بنیادی ضروریات کے ہر کسی کو مل جانے کے بعد ملک کا ہر فرد معاشی دوڑ میں مکمل حصہ لے سکتا ہے۔جائز اور حلال طریقے سے جتنا چاہے کما لے۔

بنیادی ضروریات کی فراہمی اور غریب پروری کے ان اقدامات کے بعد بے روزگاری کی شکایت بھی باقی نہیں رہتی۔روزگار ملتا ہے تو کما لے اگر نہیں ملتا تو گھر بیٹھا روٹی کھاتا رہے۔بنیادی ضرورت تو حکومت کے ذمے ہے ہی۔

ملازم اور مزدور کے مسائل (Labour Policy)

محنت کشوں کے سلسلے میں اسلام کی بنیادی ہدایات کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تمہارے ماتحت تمہارے بھائی ہیں۔اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے۔جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ خود کھائے اسی میں سے اسے بھی کھلائے۔جو کچھ خود پہنے اسی میں سے اس کو بھی پہنائے۔ان کی برداشت سے زیادہ ان سے کام نہ لے۔اگر کام زیادہ ہو تو اس کا ہاتھ بٹائے (مسلم حدیث: ۴۳۱۳، بخاری حدیث: ۳۰-۲۵۴۵، ابوداؤد حدیث: ۵۱۵۷۔ ۵۱۵۸، ترمذی حدیث: ۱۹۴۵، ابن ماجۃ حدیث: ۳۶۹۰)۔

اس حدیث شریف میں مزدور کے متعلق چار بنیادی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔

''تمہارے ماتحت تمہارے بھائی ہیں'' ان الفاظ سے مزدور کی عزتِ نفس اور معاشرے میں اس کے باعزت مقام کو تسلیم کرایا گیا ہے۔

''جو کچھ خود کھائے اسی میں سے اسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے اسی میں سے اسے بھی پہنائے''۔ان الفاظ سے بنیادی ضروریات میں امیر اور غریب کی برابری کا استحباب بیان فرما کر انتہا پسندانہ طبقاتی امتیاز کو ختم کر دیا گیا ہے۔

بنیادی ضروریات مل جانے کے بعد فاضل دولت کمانا اور اس میدان میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا جائز اور درست ہے۔بنیادی ضروریات کی فراہمی مساوات کا تقاضا ہے۔اور فاضل دولت کمانے کی اجازت معاشی آزادی کا تقاضا ہے۔

''ان کی برداشت سے زیادہ ان سے کام مت لے''۔ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ فیکٹریوں کے مالک مزدور سے زیادہ کام نہ لیں۔اگر زیادہ کام لیں تو فاضل تنخواہ (Over time) دیں۔پیداوار میں کمی ہو یا پیداوار کی قیمت گر جائے تو اس کی سزا مزدور کو نہیں ملنی چاہیے جس نے اپنا کام مکمل تندہی سے سرانجام دیا تھا۔

''اگر کام زیادہ ہو تو ان کا ہاتھ بٹائے''۔ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایک آدھ مزدور سے زیادہ کام لینا پڑے تو اسکی خود مدد کرو۔لیکن اگر سینکڑوں مزدوروں کی مدد کرنی پڑے تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟

اس کا طریقہ یقیناً یہی ممکن ہے کہ مزدور زیادہ بھرتی کیے جائیں تا کہ محنت کا بوجھ تقسیم ہو

جائے (بنفسہ اوبغیرہ شرح نو وی جلد ۲ صفحہ ۵۲)۔

صرف اس ایک حدیث نے مزدور کے تمام اصولی مسائل کو حل کر کے دکھا دیا ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجُفَّ عَرَقُهٗ یعنی مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو (ابن ماجۃ حدیث: ۲۴۴۳)۔

۳۔ اسلام کا اخلاقی اور معاشرتی نظام مزدور کو احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہونے دیتا اور مِل مالک یا افسر کو احساسِ برتری نہیں ہونے دیتا۔ یہ دونوں اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ معاشی اُونچ نیچ ایک قدرتی نظام ہے۔ اللہ کریم کسی کو رزق دے کر آزماتا ہے اور کسی سے رزق چھین کر آزماتا ہے۔

۴۔ اسلام کا نظامِ عدل وانصاف ایسا عظیم اور شفاف ہے کہ ایک مزدور، بادشاہِ وقت کے خلاف بھی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ فیصلہ جلد اور منصفانہ ہوتا ہے۔ اس سے مزدور کی مشکلات بہت کم ہوجاتی ہیں اور مزدور انجمنوں اور تنظیموں کے ذریعے ہڑتالوں اور نعرہ بازیوں کی نوبت نہیں آتی۔

اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام (capitalism) میں زکوٰۃ، صدقہ اور رحم وکرم نام کی کوئی چیز بلکہ شرافت نام کی بھی کوئی چیز نہیں۔ کاروباری آدمی صرف اور صرف سُود کی زبان میں بات کرتا ہے۔ سٹہ کا کاروبار مکمل طور پر جائز ہوتا ہے۔ اِن وجوہات کی بنا پر امیر اور غریب کا درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ یہ نظام اس وقت امریکہ میں رائج ہے۔ اسلام زکوٰۃ وصدقات کو نافذ کرتا ہے۔ سُود سے منع کرتا ہے اور سٹہ کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ جس سے امیر اور غریب کا درمیانی فاصلہ کم ہوجاتا ہے۔

اسلام اور اشتراکیت

سرمایہ دارانہ نظام کی ضد اشتراکیت ہے۔ امیر اور غریب کا امتیاز ختم کرنے کے لیے مادہ پرستانہ دماغ نے یہ سوچ لڑائی کہ ذاتی ملکیت کو ختم کر کے پوری معیشت سرکاری تحویل میں لے لی جائے اور سب لوگوں میں مساوات قائم کر دی جائے۔ ایک انتہا کا جواب دوسری انتہا سے دیا گیا۔

اس کے برعکس اسلام ذاتی ملکیت کواللہ کی تقسیمِ رزق کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ یعنی لوگوں میں معیشت ہم نے تقسیم کی ہے(زخرف:۳۲)۔

ایک اور جگہ فرمایا: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ یعنی اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت دی(النحل:۷۱)۔

معلوم ہوا کہ اشتراکیت کی بھونڈی مساوات اس کائنات کے نظام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو نہ سمجھنے کی بناپر اختیار کی گئی ہے۔اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔اس کے علاوہ زکوٰۃ، حج،قربانی،فطرانہ،تقسیمِ میراث وغیرہ کے مسائل سب کے سب ذاتی ملکیت پر موقوف ہیں لہٰذا اشتراکیت کا بطلان بالکل واضح ہے۔

بھیک مانگنا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا صرف تین آدمیوں کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔پہلا وہ شخص جو دیت وغیرہ کے بوجھ تلے دب جائے۔وہ اپنی ضرورت پوری ہونے تک سوال کرسکتا ہے۔جب ضرورت پوری ہوجائے تو مانگنا فوراً بند کردے۔دوسرا وہ شخص جسے کوئی ناگہانی آفت آپڑے اور وہ اُجڑ جائے۔یہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے تک سوال کرسکتا ہے۔تیسرا وہ شخص جس کے حالات ایسے ہوجائیں کہ فاقوں کی نوبت آجائے اور اس کے حالات جاننے والے تین بندے اس کی تنگدستی کی گواہی دیں۔یہ بھی اپنی ضرورت پوری ہونے تک سوال کرسکتا ہے۔ان تینوں کے علاوہ جو بھیک مانگتا ہے وہ حرام کھاتا ہے(مسلم حدیث رقم:۲۴۰۴،ابوداؤد حدیث رقم:۱۶۴۰،نسائی حدیث رقم:۲۵۷۹،۲۵۸۰،۲۵۹۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔اور اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے اور نیچے والے ہاتھ سے مراد مانگنے والا ہے(مسلم حدیث رقم:۲۳۸۵، بخاری حدیث رقم:۱۴۲۹،ابوداؤد حدیث رقم:۱۶۴۸،نسائی حدیث رقم:۲۵۳۳،موطا مالک حدیث رقم:۸من کتاب الصدقۃ،مسند احمد حدیث رقم:۵۳۴۳)۔

یہ باتیں بھیک مانگنے والوں کے پڑھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔اسکے برعکس بھیک دینے

والوں کو یہ حکم ہے کہ وہ حسن ظن سے کام لیں۔اگر کچھ پاس ہوتو دے دیں اگر نہ ہوتو معذرت کرلیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اے آدم کے بیٹے خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا(مسلم حدیث: ۲۳۰۸، بخاری حدیث: ۴۶۸۴)۔نیز فرمایا کہ مانگنے والے کا تجھ پر حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو(ابوداؤد حدیث: ۱۶۶۵،مؤطا مالک حدیث: ۳،من کتاب الصدقۃ،مسند احمد حدیث: ۱۷۳۵)۔اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی کے حالات کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔لہٰذا خواہ مخواہ باتیں سنانا غلط ہے۔

بلکہ اہلِ طریقت تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ’’جو حق دار ہے اس پر بھی خرچ کر اور جو حق دار نہیں ہے اس پر بھی خرچ کر،تا کہ تجھے وہ کچھ بھی عطا ہو جس کا تو حق دار ہے اور وہ بھی عطا ہو جس کا تو حق دار نہیں ہے(جلاء الخواطر،ملفوظات حضور سیدنا قطب الاقطاب والغوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)۔

مصنوعی غربت

عام طور پر انسان کے لیے دو وقت کی روٹی،کپڑوں کے ایک یا دو سوٹ،ایک جوتا اور رہنے کے لیے چھوٹا سا ہوادار گھر کافی ہوتا ہے۔آج ہم نے تین وقت کا کھانا،تینوں ٹائم سالن کا استعمال،کپڑوں کے کئی کئی سُوٹ اور کئی کئی جوتے،رہائش کے لیے اُونچی اُونچی عمارتیں،فریج اور ٹی وی کو اپنا بنیادی حق سمجھ کر نہ صرف اپنے اوپر مصنوعی غربت طاری کر لی ہے بلکہ بسیار خوری،سالن بازی اور ٹھنڈے پانی کے ذریعے اپنی صحت بھی برباد کیے بیٹھے ہیں۔ٹی وی دیکھ دیکھ کر اکثر بچوں کی نظر خراب ہو رہی ہے اور بعض کا کردار تباہ ہو رہا ہے۔

جن لوگوں نے دین سمجھ کر سادگی اور شرافت کو اختیار نہیں کیا،آج وہ حالات کے ہاتھوں پریشان ہو کر سادگی اور شرافت کی طرف پلٹنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

بیمہ پالیسی

بیمہ پالیسی کا موجودہ طریقہ کار ناجائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کاروبار سُودی ہے۔اور سُود سیدھا سیدھا حرام ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمہ کرانے والے کی موت کے بعد اس کی رقم اس کے وارثوں میں اسلامی میراث کے اصولوں کے مطابق تقسیم نہیں ہوتی بلکہ فردِ واحد کو اس کا

مالک بنا دیا جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص چند قسطیں جمع کرانے کے بعد پالیسی چھوڑ دے اس کی جمع شدہ رقم غصب کر لی جاتی ہے۔ یہ صاف ظلم اور زیادتی ہے۔

چند اہم مسائل کا حل

۱۔ انعامی بانڈ خریدنا جائز ہے۔ اس میں نہ سُود ہے اور نہ جواء۔

۲۔ نقد کی نسبت قسطوں کی چیز مہنگی بیچنا جائز ہے۔

۳۔ مزارع کو زمین اس طرح بٹائی پر دینا جائز ہے کہ فصل مالک اور مزارع میں طے شدہ طریقے سے بانٹی جائے اور اگر یہ طے کر لیا جائے کہ زمین کا یہ ٹکڑا تیرا ہے اور یہ میرا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۴۔ غیر سُودی کھاتے (مضاربت یعنی PLS) میں پیسہ جمع کرانا جائز ہے۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بینک اندر خانہ سُودی کاروبار کرتا ہے۔ تو وہاں پیسہ جمع کرانا ناجائز ہے۔

۵۔ اگر سُود کی رقم ہاتھ آ جائے تو اس سے جان چھڑانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایسے قحط زدگان تک پہنچا دیا جائے جو بھوک کے مارے حرام اور خنزیر کھانے پر مجبور ہیں۔ یا دینی مدارس اور خانقاہوں میں دے دیا جائے تاکہ اس سے مدارس کے ٹائلٹ وغیرہ بنا دیے جائیں۔

۶۔ غیر مسلموں کی امداد سے مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں۔ اس کی بہت سی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غیر مسلم سادہ لوح مسلمانوں میں اپنی آبرو بنا لیتے ہیں۔ عام لوگ اِن باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔

اسلامی معاشیات کے موضوع پر حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ'' ایک اچھی کتاب ہے۔

☆......☆......☆

باب پنجم

روزہ

روزے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ (البقرہ: ۱۸۳)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ یعنی تم میں سے جو بھی اس مہینے (رمضان) کو پالے اُسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے (البقرہ: ۱۸۵)۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَةِ الشَّيٰطِيْنُ یعنی جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ دیا جاتا ہے (مسلم حدیث رقم: ۲۴۹۵، بخاری حدیث رقم: ۳۲۷۷، نسائی حدیث رقم: ۲۰۹۹)۔

۲۔ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ یعنی جو بری بات اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے اس کے محض بھوکا پیاسا رہنے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں (بخاری حدیث: ۱۹۰۳، ۶۰۵۷، ابوداؤد حدیث: ۲۳۶۲، ابن ماجۃ حدیث: ۱۶۸۹)۔

۳۔ كُلُّ عَمَلِ ابنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشَرِ اَمثَالِهَا اِلٰى سَبعِمِائَةِ ضِعفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّومَ ، فَاِنَّهٗ لِي وَاَنَا اَجزِى بِهٖ يَدَعُ شَهوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِن اَجَلِي، لِلصَّائِمِ فَرحَتَانِ ، فَرحَةٌ عِندَ فِطرِهٖ وَفَرحَةٌ عِندَ لِقَآءِ رَبِّهٖ ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطيَبُ عِندَ اللّٰهِ مِن رِيحِ المِسكِ ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَومُ صَومِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرفُثُ وَلَا يَصخَبُ فَاِنْ سَآبَّهٗ اَحَدٌ اَو قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّي امْرَءٌ صَائِمٌ یعنی ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہے لیکن اللہ فرماتا ہے روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور

میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ میری خاطر شہوت اور کھانا چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملتے وقت۔ روزہ دار کے مُنہ کی بُو اللہ کو کستوری سے بھی زیادہ پسند ہے۔ روزے ڈھال ہیں۔ روزہ دار کو چاہیے کہ گندی بات اور ہذیان نہ بکے۔ اگر اُسے کوئی گالی دے تو یہ کہے کہ میرا روزہ ہے (مسلم حدیث:۲۷۰۶، بخاری حدیث:۱۹۰۴، ابن ماجۃ حدیث:۱۶۳۸، سنن الدارمی حدیث:۱۷۷۵، مسند احمد حدیث:۷۶۲۵)۔

۴۔ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَجوَدُ النَّاسِ بِالخَيرِ وَكَانَ اَجوَدُ مَا يَكُونُ فِي شَهرِ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنسَلِخَ ، فَيَأْتِيهِ جِبرِيْلُ فَيَعرُضُ عَلَيْهِ الْقُرآنَ ، فَإذَا لَقِيَهُ جِبرِيْلُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَجوَدَ بِالخَيرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرسَلَةِ یعنی رسول اللہ ﷺ خیرات کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور رمضان شریف میں آپ کی سخاوت زیادہ عروج پر ہوتی تھی حتیٰ کہ پورا رمضان سخاوت میں گزر جاتا تھا۔ حضرت جبریل آپ کے پاس حاضر ہوتے اور قرآن کا دور کراتے تھے۔ جب جبریل آنا شروع ہو جاتے تو آپ ﷺ کی سخاوت بادل برسانے والی تیز ہوا کی طرح ہوتی تھی (مسلم حدیث:۶۰۰۹، بخاری حدیث:۱۹۰۲، نسائی حدیث:۲۰۹۵)۔

۵۔ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إذَا دَخَلَ شَهرُ رَمَضَانَ اَطلَقَ كُلَّ اَسِيرٍ وَاَعطٰى كُلَّ سَائِلٍ یعنی جب رمضان کا مہینہ آجاتا تو رسول اللہ ﷺ ہر جنگی قیدی کو آزاد کر دیتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے تھے (شعب الایمان للبیہقی حدیث:۳۶۲۹)۔

روزے کا مقصد حصولِ تقویٰ اور برائی کا ترک ہے۔ بھوکا اور پیاسا رہنے سے غریبوں کی بھوک اور مجبوروں کی پیاس کا اندازہ ہوتا ہے۔ روزے سے شہوت مغلوب ہوتی ہے اور معدے کو آرام ملتا ہے۔ روزہ ترکِ دُنیا اور اللہ سے جُڑنے کا سالانہ تربیتی کورس ہے۔ سالانہ اعتکاف میں بیٹھنا رہبانیت اور دنیا پرستی کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے۔

روزے کے مسائل

رمضان شریف کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کیلئے سنتِ مؤکدہ ہے۔ اپنے ملک کی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان پر روزہ رکھنا اور عید کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص رمضان

کا چاند دیکھ لے تو لوگ اسکی بات مانیں یا نہ مانیں، وہ خود روزہ ضرور رکھے (کنز الدقائق صفحہ ٦٧، قدوری صفحہ ٤٥)۔

روزے کا وقت طلوعِ فجر ثانی سے لے کر سورج غروب ہو جانے تک ہے۔ سحری کا وقت ختم ہوتے ہی روزہ رکھ لینا چاہیے۔ سحری آخری وقت میں کھانا اور افطار کا وقت ہوتے ہی فوراً افطار کر دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

سُرمہ لگانے، تیل لگانے، خوشبو لگانے، تھوک نگلنے، بیوی کو بوسہ دینے، ٹیکہ لگوانے (خواہ گوشت میں ہو یا رگ میں) اور سطحی زخم پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کسی چیز کا صرف ذائقہ چکھ کر تھوک دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر قدرتی طور پر خود بخود قے آ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ نہاتے وقت کان میں پانی پڑ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ سگریٹ، حقّہ، بیڑی، نسوار، ہر قسم کے مشروب (دودھ، پانی، جوس وغیرہ)، طعام اور کسی بھی چیز کے حلق کے اندر چلے جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بیوی سے صحبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جس نے جان بوجھ کر قے کر دی اور منہ بھر کر ہوئی تو روزہ ٹوٹ گیا، مگر اس پر کفّارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا صرف ایک روزہ قضا کر کے رکھنا پڑے گا۔ مسافر اگر روزہ رکھ سکے تو اچھی بات ہے ورنہ اسے بعد میں قضا کر کے رکھنے کی اجازت ہے۔ ایسا ضعیف یا بیمار آدمی جو فی الحال بھی روزہ نہیں رکھ سکتا اور آئندہ اس کے صحت یاب ہونے کی توقع بھی نہیں، اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین آدمی کو صبح و شام کا کھانا بطور فدیہ کے کھلانا چاہیے۔ عام صحت مند یا وقتی طور پر مجبور آدمی ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو ساٹھ روزے مسلسل رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ایک غلام آزاد کرے۔

افطار کا وقت

سورج کی ٹکیہ کے غائب ہونے کے فوراً بعد افطار کا وقت بلا تاخیر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ

بات احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں ہے کہ حِیْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ یعنی جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو جائے (بخاری کتاب الصوم، باب متیٰ یحل فطر الصائم صفحہ ۳۸۹)۔

مسلم شریف میں ہے کہ وَغَابَتِ الشَّمْسِ یعنی سورج غائب ہو جائے تو افطار کا وقت ہو گیا (مسلم حدیث :۲۵۵۸، بخاری حدیث :۱۹۵۴، ابو داؤد حدیث :۲۳۵۱، ترمذی حدیث :۶۹۸، سنن الدارمی حدیث:۱۷۰۶)۔ اور احکام القرآن میں ہے کہ اِذَا سَقَطَ الْقُرْصُ اَفْطَرَ وَلَا خِلَافَ فِیْ اَنَّهٗ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اِنْقَضیٰ وَقْتُ الصَّوْمِ یعنی جب ٹکیہ گر جائے تو افطار ہو گیا اور اس پر اجماع ہے کہ جب سورج غائب ہو جائے تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے (احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)۔

افطار کا یہ وقت ستارے نکلنے سے پہلے پہلے تک بلا کراہت جاری رہتا ہے کُلُّ ذَالِکَ لَا بَأْسَ بِہٖ یعنی اس سارے وقت میں کوئی حرج نہیں (موطا امام محمد صفحہ ۱۸۸)۔ البتہ جلدی روزہ کھول دینا مستحب ہے اور سورج کی ٹکیہ کے غائب ہونے کے بعد جتنی جلدی کی جائے گی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔

اعتکاف

آخری عشرے کا اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ بیس رمضان کو عصر اور مغرب کے درمیان اعتکاف شروع کرنا چاہیے اور عید کا چاند نظر آنے پر ختم کرنا چاہیے۔ اعتکاف کے دوران شرعی باتیں کرنا، دینی کتب کا مطالعہ کرنا، تقریر کرنا، مسجد میں کھانا پینا سونا سب جائز ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کرایا جاتا تھا لیکن جس سال آپ کا وصال شریف ہوا اس سال دو مرتبہ دور کرایا گیا۔ آپ ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال آپ کا وصال ہوا اُس سال آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا (بخاری حدیث رقم: ۴۹۹۸، ابو داؤد حدیث رقم: ۲۴۶۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۱۷۶۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ :

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيضاً ، وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً ، وَلَا يَمَسَّ الْمَرأَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا ، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ ، وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّابِصَومٍ ، وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّافِي مَسجِدٍ جَامِعٍ یعنی معتکف کے لیےسنت یہ ہے کہ مریض کی عیادت نہ کرے، جنازے پر نہ جائے، عورت کو نہ چھوئے نہ مباشرت کرے، اور مسجد سے شرعی حاجت کے سواء نہ نکلے۔ روزے کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں اور اعتکاف صرف اسی مسجد میں ہوسکتا ہے جس میں باجماعت نماز ہوتی ہو(ابوداؤد حدیث: ۲۴۷۳)۔

اعتکاف کے دوران مسجد سے باہر نکل کر نہانے سے حتی المقدور بچنا چاہیے البتہ احتلام ہوجائے تو فوراً نہالینا چاہیے۔ اگر معتکف کی مسجد جامع نہ ہو تو قریبی جامع مسجد میں جمعہ کے لیے جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

مسجد کا محراب مسجد کے ساتھ اس قدر پیوست ہوتا ہے کہ معتکف کا محراب میں چلے جانا جائز ہے۔ البتہ مسجد سے ملحق درسی کمرے اور مسجد کا مینار ایسی جگہیں ہیں کہ مسجد کے فنا میں شامل ہونے کے باوجود معتکف کا وہاں چلے جانا درست نہیں۔ ایسی جگہوں پر جانے سے بے جا تفریح ملتی ہے جو اعتکاف کی روح کے منافی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ، ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِن بَعدِهٖ یعنی نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کا وصال شریف ہوگیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات نے اعتکاف کیا(مسلم حدیث: ۲۷۸۴، بخاری حدیث: ۲۰۲۶، ابوداؤد حدیث: ۲۴۶۲، ترمذی حدیث: ۷۹۰، مسند احمد حدیث: ۲۴۶۶۷)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِن بَعدِهٖ اَیْ فِیْ بُیُوْتِهِنَّ لِمَا سَبَقَ مِنْ عَدَمِ رِضَائِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِفِعْلِهِنَّ وَكَذَا قَالَ الْفُقَهَاءُ يُسْتَحَبُّ لِلنِّسَاءِ اَنْ تَعْتَكِفْنَ فِیْ مَكَانِهِنَّ یعنی ازواجِ مطہرات کے اعتکاف سے مراد ان کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے

عورتوں کا مساجد میں اعتکاف بیٹھنا ناپسند فرمایا ہے۔اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا مستحب ہے(مرقاۃ جلد۴صفحہ۳۲۶)۔

لیلۃ القدر

قرآن شریف کی پوری سورۃ القدر،لیلۃ القدر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلَ العَشرَ شَدَّ مِیزَرَہٗ وَاَحیَا لَیلَہٗ وَاَیقَظَ اَھْلَہٗ یعنی جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا تہبند مبارک مضبوط کر لیتے تھے،یعنی خوب تیاری کر لیتے تھے،راتوں کو جاگتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے(مسلم حدیث:۲۷۸۷، بخاری حدیث:۲۰۲۴،نسائی حدیث:۱۶۳۹،ابن ماجۃ حدیث:۱۷۶۸،مسند احمد حدیث:۲۴۱۸۶ ،ابوداؤد حدیث:۱۳۷۶)۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

تَحَرُّوا لَیلَۃَ القَدرِ فِی العَشرِ الْاَوَاخِرِ مِن رَمَضَانَ یعنی لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو(مؤطا امام مالک کتاب الاعتکاف،باب ماجاء فی لیلۃ القدر حدیث رقم:۱۰)۔

خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اِنِّی اُرِیتُ ھٰذِہِ اللَّیلَۃَ فِی رَمَضَانَ حَتّٰی تَلَاحَی الرَّجُلَانِ فَرُفِعَتْ فَالتَمِسُوھَا فِی التَّاسِعَۃِ وَ السَّابِعَۃِ وَالخَامِسَۃِ یعنی ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر بتا دی گئی مگر دو آدمی باہم جھگڑ رہے تھے جس کی وجہ سے دوبارہ اُٹھالی گئی۔اسے انتیس، ستائیس اور پچیس تاریخوں میں تلاش کرو(مؤطا امام مالک کتاب الاعتکاف،باب ماجاء فی لیلۃ القدر حدیث:۱۳،بخاری حدیث:۲۰۲۳)۔

کم خوری کے حوالے سے روزہ ایک زبردست طبی اہمیت کا حامل ہے۔اس مناسبت سے طب کے موضوع پر ایک مستقل مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

لَمسُ الطَّبِیبِ مِنْ طِبِّ الْحَبِیبِ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔انسانی بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔خبردار وہ لوتھڑا قلب ہے(مسلم حدیث: ۴۰۹۴، بخاری حدیث: ۵۲، ترمذی حدیث: ۱۲۰۵، ابن ماجۃ حدیث: ۳۹۸۴)۔

طبی لحاظ سے جو حالت قلب کی ہوتی ہے وہی حالت پورے بدن کی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اطبّاء کرام نبض کے ذریعے قلب کی حالت معلوم کر کے مرض کا پتہ چلا لیتے ہیں۔

انسانی جسم پانی، مٹی، آگ اور ہوا سے بنا ہے۔پانی سے بلغم، مٹی سے سودا، آگ سے صفرا اور ہوا سے خون پیدا ہوتا ہے۔ہر مرض انہی چار اخلاط میں سے کسی ایک کے بگاڑ سے پیدا ہوتا ہے۔نبض کا علم ایک بحرِ بے کراں ہے مگر اسکا مفرد علم یہ ہے کہ سست، گہری، چھوٹی، اور عریض نبض بلغم پر۔تیز، باریک، طویل اور صلب نبض سودا پر۔معتدل نبض صفرا پر اور مشرف و ممتلی نبض خون پر دلالت کرتی ہے۔

کلونجی

حدیث شریف میں ہے کہ کلونجی موت کے سوا ہر مرض کا علاج ہے(بخاری حدیث: ۵۶۸۷، ۵۶۸۸، مسلم حدیث: ۵۷۶۶، ترمذی حدیث: ۲۰۴۱، ابن ماجۃ حدیث: ۳۴۴۷)۔

اوّلاً کلونجی تمام بلغمی امراض کا براہِ راست علاج ہے اور ہر مرض ابتدائی طور پر بلغمی ہی ہوا کرتا ہے۔ثانیاً یہ سودا کو خارج کرتی ہے۔میٹھے شربت یا عرقِ سوئف میں اُبال کر دی جائے تو یہ تمام صفراوی امراض میں مفید ہے۔خون کو صاف کرتی ہے اور چہرے کو نکھارتی ہے۔یہ سب باتیں کتبِ مفردات میں درج ہیں۔ثالثاً کلونجی کو پیس کر شہد میں اسکی معجون بنا لی جائے تو یہ معدہ کے تمام امراض کا علاج ہے۔یہ نسخہ حکیم جالینوس کا ہے اور تمام امراض کی بنیاد معدے کی ہی خرابی سے پڑتی ہے۔اسلیے کہ اخلاط کی تیاری یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور نالیاں اسی میں آ کر گرتی ہیں جب

معدہ صحیح ہوتو نالیاں (عروق) صحت مند مواد لے کر یہاں سے نکلتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوتو نالیاں بیمار اجزاء لے کر نکلتی ہیں (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۵۷۹۶)۔

بیماری معدے میں جنم لیتی ہے اور اس کا حتمی اثر جگر، دماغ اور عروق میں سے گزرنے کے بعد قلب پر ظاہر ہوتا ہے۔ رابعاً بعض ایلو پیتھک ڈاکٹروں اور یونانی اطباء کے نزدیک ہر مرض جنسی کمزوری سے جنم لیتا ہے۔ کلونجی اپنے خاصہ اور مزاج (خشک گرم) کے لحاظ سے جنسی امراض کا بہترین علاج ہے۔ خامساً مرکب عوارض کی صورت میں مختلف علامات کو ایک دوا کے تحت لاتے ہوئے کلونجی تجویز کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث حق ہے۔ کلونجی کا طریقۂ استعمال جاننا بہت ضروری ہے۔ یہ کم مقدار میں حیض کو روکتی ہے اور زیادہ مقدار میں حیض کو جاری کرتی ہے۔ اس کا روغن محلِل اورام اور مسکن اوجاع ہے۔ خارش، برص اور دردِ سر میں مفید ہے۔ زندہ یا مردہ بچے کو پیٹ سے نکالتی ہے۔ دردِ سینہ، قے، غشیان، کھانسی میں مفید ہے۔ سرکہ کے ہمراہ پیٹ کے کیڑے خارج کرتی ہے۔ سکنجبین کے ہمراہ چوتھیا بخار کا علاج ہے۔ مدرِ بول ہے اور گردہ مثانہ کی پتھری کو خارج کرتی ہے۔ ابتدائی موتیا میں اس کا سرمہ مفید ہے۔ اس کی کلیاں کرنے سے دانتوں کے درد کو آرام ملتا ہے۔ یہ سب باتیں مفردات کی کتابوں میں درج ہیں۔

کلونجی پیس کر دس گنا روغنِ زیتون میں جلا کر چھان لیا جائے تو یہ روغن ۳، ۳ قطرے ناک میں ڈالنے سے پرانے سے پرانا زکام ٹھیک ہو جاتا ہے۔

شہد

حدیث شریف میں ہے: تین چیزوں میں شفا ہے۔ پچھنے لگوانے میں، شہد میں اور داغ دینے میں، اور میں اپنی اُمت کو داغ دینے سے منع کرتا ہوں (بخاری حدیث رقم: ۵۶۸۰، ۵۶۸۱، ابن ماجہ حدیث رقم: ۳۴۹۱)۔

نیز یہ فرمایا کہ جو آدمی ہر ماہ تین دن صبح شہد پیے اُسے کوئی بڑا مرض نہ لگے گا (ابن ماجہ حدیث رقم: ۳۴۵۰)۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے بھائی کو دست لگے ہیں۔ فرمایا

اسے شہد پلاؤ۔اسے شہد دیا گیا تو اسکے دست بڑھ گئے۔اس آدمی نے تین بار آ کر یہی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔اسے چوتھی مرتبہ بھی شہد ہی پلایا گیا تو وہ ٹھیک ہوگیا (مسلم: ۵۷۷۰، بخاری: ۵۶۸۴، ترمذی: ۲۰۸۲)۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ یعنی شہد میں لوگوں کیلئے شفا ہے (النحل:۶۹)۔

حیرت کی بات ہے کہ شہد تمام اخلاط کے امراض میں نافع ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسا معجون، اطریفل یا جوارش نہیں ہے جس میں شہد نہ پڑتا ہو۔اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا کا بہترین ٹانک بھی ہے۔آنکھوں کے امراض میں سلائی سے لگانا یا سرمہ میں ملانا مفید ہے۔جسم کے زخموں کو مندمل کرتا ہے۔اسے خطرناک اور لاعلاج زخموں پر لگایا گیا اور شفا ہوگئی۔

ایلو پیتھک نظریے کے مطابق ہر بیماری کمزوری سے جنم لیتی ہے۔یہ بات طب میں بھی مسلّم ہے کہ قوتِ مدافعت کے کم ہو جانے سے ہی بیماری غالب آیا کرتی ہے۔چونکہ شہد ایک زبردست ٹانک بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اکیلے شہد کا استعمال یا دوسری دواؤں کے ساتھ بطور معاون اس کا استعمال شفا کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ایلو پیتھی کا ایک مشہور ٹانک (Lederplex) ہے جس میں شہد کا استعمال ہوتا ہے۔شہد کا مزاج گرم تر ہے۔یہی ایک صحت مند آدمی کا مزاج ہوا کرتا ہے۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے طریقت والوں کو گرم تر غذائیں کھانے کا مشورہ دیا ہے۔(التدبیرات الالهیة لاصلاح المملکة الانسانیه للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)

سَنا مکی

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سَنا تھی (ترمذی حدیث رقم: ۲۰۸۱، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۴۶۱، مسند احمد حدیث رقم: ۲۷۱۴۵)۔

کُتبِ مفردات میں ہے کہ سنا مکی تینوں اخلاط کو خارج کرتی ہے۔یہ زبردست ملیّن (قبض کشا) ہے۔کالی مرچ 1 تولہ، ٹھیکری نوشادر 2½ تولہ، سُنڈھ 5 تولہ، سنا مکی 10 تولہ باریک پیس لیں۔مقدار خوراک 1 ماشہ تا 3 ماشہ صبح، دوپہر، شام ہمراہ پانی۔

یہ دوا بدہضمی، گیس، قبض، یرقان، عظمِ جگر (Hepatitus)، بواسیر، ٹی بی، رسولی، جوڑوں کا درد، استسقاء، ہسٹیریا، صلابتِ رحم، دمہ، بندنزلہ، کھانسی، دل کے امراض، مالیخولیا، جنون، پاگل پن، سوزاک، تقطیرالبول، بندشِ بول، آنتوں کے ورم، ہرنیاں، ورم اعورزائدہ (اپنڈے سائٹس)، مروڑ، خونی پیچش وغیرہ کا زبردست علاج ہے۔ یہ نسخہ پاک و ہند کے بے شمار اطبّاء کے مطب میں ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ اگر اس دوا کے ساتھ شہد کا استعمال کیا جائے تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ لہٰذا یہ حدیث شریف بالکل حق ہے۔

اہم بات

ایک اہم بات یہ ہے کہ آج تک کوئی طبّ جسمانی مشینری اور اس کی اصلاح کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے کوئی حرفِ آخر نہیں کہہ سکی۔ ادویہ کی گروپ بندی کے قاعدے محض استقرائی (probable) ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طب کے نزدیک ہرڑ (ہلیلہ) سودا کو پیدا کرتی ہے تو دوسری کے نزدیک سودا کو خارج کرتی ہے۔ نیز بعض ادویہ اپنے مزاج کی وجہ سے اثر دکھاتی ہیں اور بعض اپنے خاصہ کی وجہ سے عمل کرتی ہیں۔ اور کبھی اپنی مقدار کی وجہ سے راست یا معکوس اثر دکھاتی ہیں۔ اسی لیے ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی اور طبِ یونانی کی گروپ بندیوں میں بھی فرق ہے جبکہ شفا تینوں طریقوں سے حاصل ہورہی ہے۔ لہٰذا خالقِ حقیقی کی زبان میں بات کرنے والی ہستی کی بتائی ہوئی کوئی دوا انسانی گروپ بندیوں میں نہ بھی آتی ہو تو چپ چاپ تسلیم کر لینے میں ہی بہتری ہے۔ یہاں تو الحمدللہ طبِّ نبوی کی ادویہ کو انسانی قواعد بھی پوری طرح قبول کر رہے ہیں اور ہمارا تجربہ بھی پوری پوری تصدیق کر رہا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

دیگر ادویہ

احادیث میں ذات الجنب کا علاج عود ہندی، زیتون، قسطِ بحری اور بخار کا علاج پانی بیان ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایلوپیتھی بخار کا علاج ٹھنڈے پانی اور برف سے کرنے لگ گئی ہے۔

حق تو یہ ہے کہ دنیائے طب کے پاس آقائے دو عالم ﷺ کی صرف مسواک کا ہی جواب

نہیں ہے۔ مذکورہ بالا تمام احادیث مشکوٰۃ کے باب الطب والرقی میں ہیں جو صفحہ نمبر ۳۸۷ سے شروع ہوتا ہے۔ ''معدہ بدن کا حوض ہے'' اس حدیث شریف کے پیشِ نظر آدابِ طعام پر مخصوص نوٹ پیش خدمت ہے۔

آدابِ طعام

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے غذائی زہر آلودگی سے بچا جا سکتا ہے۔ کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا بسیار خوری اور گیس کا علاج ہے۔ کھانے کے دوران پانی کم سے کم پینا چاہیے تا کہ معدہ اپنی حدّت سے کھانے کو تحلیل کر سکے۔ سرید بنا کر (روٹی کے ٹکڑے شوربے میں ڈال کر) کھانے سے معدہ مشقت سے بچ جاتا ہے۔ ہریسہ (سالن میں مختلف قسم کے غلے ملا کر پکایا ہوا کھانا، جیسے حلیم ہوتا ہے) ایک زود ہضم اور طاقتور غذا ہے۔ دایاں گھٹنا کھڑا کر کے کھانا اپنڈیکس نہیں ہونے دیتا۔ اُکڑوں بیٹھ کر کھانے سے پیٹ نہیں بڑھتا اور گیس نہیں بھرتی۔ ٹیک لگا کر کھانے سے بدہضمی ہوتی ہے۔ کھانا اس وقت کھانا چاہیے جب سخت بھوک لگے اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا بس کر دینا چاہیے۔ آٹا چھان کر نہیں پکانا چاہیے ورنہ قبض رہنے لگتا ہے۔ یہ سب باتیں احادیث اور اقوالِ مشائخ سے ماخوذ ہیں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اِیَّاکَ وَالْبِطْنَۃَ فَاِنَّھَا تَذْھَبُ بِالْفِطْنَۃِ یعنی پیٹ بھر کر کھانے سے بچو۔ اس سے ذہانت ختم ہو جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی! نمکین چیز سے کھانا شروع کر اور نمکین پر ہی ختم کر۔ بے شک نمک ستر امراض کا علاج ہے۔ ان میں جنون، جذام، برص، دانتوں کا درد اور پیٹ کا درد شامل ہیں (الوصیہ، رسائل ابن عربی صفحہ ۱۴۰ للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)۔ پھر بھی اگر معدے کے علاج کی ضرورت محسوس ہو تو کلونجی میں شہد ملا کر کھانا معدے کے تمام امراض کا شافی علاج ہے۔

اسکے علاوہ بے شمار ادویہ کا تفصیلی ذکر کتب حدیث کے ابواب الطب میں اور طبِّ نبوی کی کتب میں ملتا ہے۔ یہ تو محض ایک ٹکڑا تھا جو بحرِ شفاء سے اچھلا اور طبیب کے کشکول میں آ گرا۔

طبی نقشہ

اخلاط	مزاج	نبض		علامات و علاج
بلغم	سرد تر	عریض، منخفض، سست، بطیء	علامات	قارورہ و بدن سفید، بدل ڈھیلا سرد و ملائم، رال ٹپکنا، پیاس کی کمی، ضعفِ ہضم، نیند کی زیادتی، کند ذہنی
			علاج	مفردات: سوئف، انیسوں، ملٹھی، سنا، زیرہ، دارچینی، الائچی، کلاں، برنجاسف، بالچھڑ، منقی، کلونجی، ہلیلہ جات، کچلہ، اسطخو دوس، زرنیخ، شہد، فولاد، شنگرف، لونگ مرکبات: معجون فلاسفہ، معجون زنجبیل، جوارش جالینوس اور تمام اطریفلات
سودا	سرد خشک	صلب، طویل، ضیق، سریع	علامات	قارورہ سیاہ یا نیلا اور گاڑھا، جسم لاغر اور نیلا یا کالا، خون سیاہ، فکر اور پریشانی، معدے کی جلن، جھوٹی بھوک، بدن پر زیادہ بال
			علاج	مفردات: سپستان، گاؤزبان، تخم خربوزہ، ملٹھی، کلونجی، تخم کنوچہ، ہلیلہ، انجیر، منقی، شہد سنا مکی، ہڑتال ورقیہ مرکبات: سکنجبین، انوشدارو، یاقوتی، شربت گاؤزبان، اطریفل اسطخو دوس اطریفل زمانی، لبوبِ کبیر
صفرا	گرم خشک	معتدل	علامات	قارورہ بدن اور آنکھیں پیلی، منہ کا ذائقہ کڑوا، زبان کھردری، منہ اور نتھنے خشک، پیاس زیادہ، بھوک کم، متلی، جلن
			علاج	مفردات: اسپغول، بہی دانہ، خرفہ، کاسنی، تخم خیارین، دھنیا، تخم کاہو، فولاد کافور، شہد، سنا، صندل، املی، گل سرخ، تربوز، طباشیر مرکبات: شربت صندل، شربت آلو بخارا، شربت نیلوفر، خمیرہ گاؤزبان، خمیرہ ابریشم
خون	گرم تر	مشرف، عظیم، سریع	علامات	قارورہ سرخی مائل، سر بھاری، انگڑائیاں، جمائی، منہ کا ذائقہ میٹھا، بدن اور زبان سرخ، سرخ پھوڑے پھنسیاں
			علاج	مفردات: تخم کاہو، کاسنی، کشنیز، شاہترہ، کلونجی، برگ شیشم، گل سرخ، آلو بخارے کا پانی، مآء العسل، سنا مرکبات: اطریفل شاہترہ، معجون عشبہ، شربتِ عناب

نفسیاتی مسائل کا حل

بے شمار نفسیاتی اُلجھنوں کا واحد علاج یہ ہے کہ انسان ہر حال میں نارمل رہنے کی کوشش کرے۔قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ شریف میں پہنچا تو وفد کے سب لوگ آپ ﷺ کی طرف بھاگ پڑے۔مگران کا سردار منذر اُن کی سواریوں کے پاس کھڑا رہا۔اس نے اپنی اونٹنی کو آرام سے باندھا،اچھا لباس پہنا اورسب سے آخر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔آپ ﷺ نے اسے فرمایا: **اِنَّ فِيْکَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاِنَاةُ** یعنی تمہاری دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں،حلیمی اور آہستگی (مسلم حدیث رقم:۱۱۷،ترمذی حدیث رقم:۲۰۱۱،ابن ماجۃ حدیث رقم:۴۱۸۸،مسند احمد حدیث رقم:۱۱۱۸۱)۔

جولوگ واقعات وحوادث کو نارمل نہیں لیتے وہ جلد بازی میں پڑ کر سارا کام خراب کر لیتے ہیں۔نارمل نہ لینے سے ہی غصّہ آتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی حسد آتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی خوف آتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی احساسِ کمتری،احساسِ برتری اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی دل کا دورہ پڑ سکتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی انسان پاگل ہوجاتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔نارمل نہ لینے سے ہی طلاق،لڑائی اور قتل کی نوبت آتی ہے۔نارمل نہ لینے والے لوگ ہی راتوں رات امیر بننے کے چکر میں آئے دن اپنا کاروبار تبدیل کرتے اور نقصان اٹھاتے رہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخرت کے امور کے سواء ہر معاملے میں سردمزاجی بہتر ہے۔
اس موضوع پر مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۹ پر" **اَلْحَذْرُ وَ التَّأَنِّي فِي الْاُمُوْرِ**" کے نام سے پوراباب موجود ہے۔

ذہنی انتشار،بے سکونی،حافظے کی کمزوری،قوتِ فیصلہ کی کمی اور گیس کا علاج اللہ کا ذکر اور مراقبہ ہے۔مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے یا بعد خالی پیٹ قبلہ رُخ التحیات کی حالت یا چارزانو بیٹھ جائیں۔زبان کو تالو سے لگالیں۔گردن کو دل کی طرف جھکالیں (سینے میں بائیں پستان کے نیچے دل ہوتا ہے)۔زبان سے کچھ نہ پڑھیں اور یہ تصور کریں کہ دل اللہ اللہ کررہا ہے اور آپ سُن رہے ہیں۔یہ مراقبہ روزانہ دس پندرہ منٹ تک کرنا چاہیے۔

باب ششم

حج

حج کی اہمیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا یعنی اور اللہ کی خاطر لوگوں پر کعبہ کا حج فرض ہے بشرطیکہ اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں (آلِ عمران: ۹۷)۔ حدیث شریف میں ہے:

۱۔ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ وَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْھُ اُمُّہٗ یعنی جس نے حج کیا اور گناہ وفسق نہ کیا وہ ایسے لوٹا جیسے اُسے آج ہی اسکی ماں نے جنا ہو (مسلم حدیث: ۳۲۹۱، ۳۲۹۲، بخاری حدیث: ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ترمذی حدیث: ۸۱۱، نسائی حدیث: ۲۶۲۷، ابن ماجۃ حدیث: ۲۸۸۹)۔

۲۔ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰہِ اِنْ دَعَوْہُ اَجَابَھُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْہُ غَفَرَلَھُمْ یعنی حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہوتے ہیں اگر وہ اس سے دعا کریں تو قبول کرتا ہے اور اگر اس سے معافی مانگیں تو معاف کر دیتا ہے (ابن ماجۃ حدیث رقم: ۲۸۹۲)۔ حج میں اللہ تعالیٰ کی خاطر سفر کیا جاتا ہے۔ اسلامی یکجہتی، اجتماعیت اور شوکت کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور کعبے کے طواف کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اسکی نشانیاں دیکھ دیکھ کر اس کے خوف اور خشیت کا حصول ہوتا ہے۔ جسکے نتیجے میں انسان روتا ہے اور آنسو بہاتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ یعنی جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا اُس کے لیے دو جنتوں کا وعدہ ہے (الرحمٰن: ۴۶)۔ اور اصل بات یہ ہے کہ وہاں جانے والے کو یہ سب کچھ اُدھر سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

حج کے مسائل

عاقل، بالغ، صحت مند مسلمان پر زندگی میں صرف ایک بار حج فرض ہے بشرطیکہ اسے سواری یا کرایہ میسر ہو۔ راستے کا خرچ اور بال بچوں کا خرچ موجود ہو۔ راستے میں کوئی خطرہ نہ ہو اور اگر عورت ہو تو اس کے ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا ضروری ہے۔ جس پر حج فرض ہو وہ پہلے خود حج کرے اور پھر اگر کسی دوسرے کو بھی حج کرانا چاہے تو اپنے فرض کی ادائیگی کے بعد ایسا کرے۔

حج کے تین فرض ہیں۔

۱۔ احرام ۲۔ طوافِ زیارت ۳۔ وقوفِ عرفہ

طوافِ صدر، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، قربانی، حلق کرانا اور رمی جمار واجب ہیں۔
طوافِ قدوم سنت ہے۔

حج کی تین قسمیں:۔حج تین قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) حج مفرد:۔مفرد کا معنی ہے ایک یا سادہ، یہ حج مکہ شریف کے رہنے والے لوگ کرتے ہیں۔
(۲) حج قران:۔قران کا معنی ہے جمع کرنا، جوڑنا۔حج قران اسے کہتے ہیں جس میں حج اور عمرہ دونوں جوڑ دیے جاتے ہیں۔اس میں پہلے جاتے ہی عمرہ کیا جاتا ہے اس کے بعد حلق بھی نہیں کرایا جاتا اور احرام بھی نہیں کھولا جاتا بلکہ اسی احرام کی حالت میں حج پڑھا جاتا ہے۔
۳۔حج تمتع:۔تمتع کا لفظ متاع سے بنا ہے اس کا معنی ہے فائدہ اٹھانا۔مراد یہ ہے کہ اس حج میں عمرہ اور حج دونوں الگ الگ ادا کر کے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ثواب کمایا جاتا ہے۔اس حج والے لوگ کعبہ شریف میں پہنچتے ہی عمرہ کرتے ہیں اور عمرہ کر لینے کے بعد بال کٹوا دیتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں اور حج کا انتظار کرتے ہیں پھر حج کے لیے نئے سرے سے احرام باندھتے ہیں۔حج قران اور تمتع باہر سے آنے والے لوگ کرتے ہیں۔

بیرونی ممالک سے جانے والوں کا طریقہِ حج

مکہ شریف کے علاوہ دیگر مقامات سے جانے والوں کو آفاقی کہا جاتا ہے، آفاقی لوگ اکثر حج تمتع کرتے ہیں۔حج تمتع کا طریقہ حسبِ ذیل ہے۔
وہ مواقیت جن سے آگے انسان احرام باندھے بغیر نہیں جا سکتا، وہ مدینہ طیبہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، عراق والوں کے لیے ذاتِ عرق، شام والوں کے لیے جحفہ، نجد والوں کے لیے قرن اور یمن والوں کے لیے یلملم ہے۔ان مقامات کے آنے سے پہلے ہی اگر احرام باندھ لیا جائے تو جائز ہے۔جس کی رہائش مواقیت سے بھی آگے ہو تو اس کا میقات حل ہے۔حل سے مراد مکہ شریف سے باہر والی ایسی جگہ ہے جو حرم نہیں ہے۔اگر کسی کی رہائش مکہ شریف میں ہو تو اس کے لیے حج کا میقات حرم ہے اور عمرہ کا میقات حل ہے۔
باہر سے جانے والوں کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ ایئر پورٹ پر ہی احرام باندھ

لیں۔اگر آپ کو پہلے مدینہ شریف بھیجا گیا ہے تو احرام مدینہ شریف سے جا کر باندھیں۔احرام دو سفید چادروں کا ہوتا ہے۔جب احرام باندھنے کا ارادہ کرلیں تو پہلے غسل کریں یا کم از کم وضو کریں لیکن غسل کرنا افضل ہے۔

اس کے بعد احرام باندھ لیں۔ایک تہبند اور ایک چادر۔اس موقع پر خوشبو لگا سکتے ہیں۔ کمر کے ساتھ پیٹی باندھ سکتے ہیں جس میں کاغذات اور رقم رکھ لیں،اسے عربی میں ہمیان کہتے ہیں۔اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں۔بہتر ہے کہ پہلی رکعت میں قُلْ یَـا اَیُّهَـا الْكـافِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰه پڑھیں۔

ائیر پورٹ پر جب احرام باندھ کر نفل پڑھ چکے تو اب عمرہ کی نیت کریں۔نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔لیکن زبان سے کہہ لینا افضل ہے۔نیت عربی زبان میں ہی ضروری نہیں ہر شخص اپنی زبان میں نیت کرسکتا ہے۔اَلـلّٰهُـمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْهَا لِیْ وَ تَقَبَّلْ مِنِّی یعنی اے میرے اللہ میں عمرے کی نیت کرتا ہوں،اسے میرے لیے آسان بنا اور اسے میری طرف سے قبول فرما۔آپ نے عمرے کی نیت اس لیے کی ہے کہ حج تمتع میں پہلے عمرہ کیا جاتا ہے اور پھر حج اس سے الگ کیا جاتا ہے۔

اسکے بعد تلبیہ پڑھیں لَبَّیْکَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ میں حاضر ہوں،اے میرے اللہ میں حاضر ہوں،تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔بے شک ساری تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے اور بادشاہی بھی تیری ہے۔تیرا کوئی شریک نہیں (بخاری حدیث:۱۵۴۹،مسلم حدیث:۲۸۱۱)۔

یہ تلبیہ کم از کم ایک مرتبہ بلند آواز سے کہنا ضروری ہے اور تین مرتبہ کہنا افضل ہے۔تلبیہ کے لیے زیادہ چیخنے کی بھی ضرورت نہیں۔عورتیں صرف اتنی آواز رکھیں کہ خود ان کے کان سن سکیں۔

جب آپ نے احرام باندھ کر نیت کر لی اور تلبیہ بول چکے تو اب آپ پر احرام کا ادب لاگو ہوگیا۔احرام کا معنی ہے حرام کرنا۔احرام باندھنے سے مندرجہ ذیل چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ قمیض،شلوار،سر ڈھانپنا،منہ کو ڈھانپنا،موزے،پاؤں کے ابھار کو ڈھانپنے والا جوتا،خوشبو،بال کٹانا، ناخن اتارنا،خوشبودار صابن سے نہانا،جوئیں مارنا،شکار کرنا یا شکار کی نشاندھی کرنا،بیوی کو بوسہ اور

جماع، کوئی بھی گناہ کام اور لڑائی جھگڑا۔ ان میں سے کسی بات کی بھی خلاف ورزی کی تو جرمانہ ہوگا۔

ہر نماز کے بعد چڑھائی چڑھتے وقت یا اترتے وقت یا کسی قافلہ سے ملتے وقت اور سحر کے وقت تلبیہ مستحب ہے۔

جب مکہ شریف پہنچ جائیں تو جیسے ہی کعبہ شریف پر نظر پڑے تو اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پڑھیں۔ اس کے بعد اپنی مرضی کی دعا مانگیں، یہ قبولیت کا موقع ہے۔

اسکے بعد سیدھے حجر اسود کے پاس جائیں۔ کعبہ شریف میں حجر اسود کو تلاش کرنا بالکل آسان ہوتا ہے۔ دنیا وہاں پر بوسے دے رہی ہوتی ہے اور پہچان کیلئے حجرِ اسود کے سامنے دیوار میں سبز ٹیوب لائٹ بھی جل رہی ہوتی ہے۔ ٹیوب لائٹ کی طرف پیٹھ کرلیں تو آپ کا چہرہ سیدھا حجرِ اسود کی طرف ہوگا جو کعبۃ اللہ کے ایک کونے میں نصب ہے۔ یہاں کھڑے ہو کر سب سے پہلے اپنا دایاں کندھا ننگا کرلیں۔ یعنی احرام کو بغل کے نیچے سے گزاریں۔ اسطرح کرنے کو اضطباع کہتے ہیں۔ طواف کا ارادہ کریں۔ اسکے بعد حجرِ اسود کو بوسہ دیں۔ اگر موقع نہ ملے یا لوگوں کو دھکے دینے کا خدشہ ہو تو کسی پر زیادتی نہ کریں۔ دور سے ہی دونوں ہاتھ حجرِ اسود کی طرف بلند کر کے نیچے کرلیں۔ اس عمل کو استلام کہتے ہیں۔ استلام کا معنی ہے سلام کرلینا۔ استلام کرتے وقت اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھنا چاہیے۔

حجرِ اسود وہ پتھر ہے جو جنت سے نازل ہوا تھا۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بِيَاضاً مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِىْ آدَمَ یعنی حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا، بنی آدم کی خطاؤں نے اسے کالا کر دیا (ترمذی حدیث: ۸۷۷)۔ یہاں تلبیہ بند کردیں يُلَبِّى الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ یعنی عمرے والا حجرِ اسود کے استلام تک تلبیہ کہے (ابوداؤد حدیث: ۱۸۱۷، ترمذی حدیث: ۹۱۹)۔

اب کعبہ شریف کا طواف شروع کردیں۔ سات چکر لگائیں۔ ہر چکر میں حطیم کی دیوار کے باہر باہر سے گزریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حطیم کعبے کا حصہ ہے جسے تعمیر کے وقت کعبہ کو مربع شکل دینے کے لیے علیحدہ کر دیا گیا عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنِ الْجَدْرِ أَ مِنَ الْبَيْتِ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ (مسلم حدیث: ۳۲۴۹، بخاری حدیث: ۱۵۸۴، ابن ماجہ حدیث: ۲۹۵۵)۔ پہلے تین چکروں میں رمل کریں۔ رمل کا معنی ہے کندھے ہلانا، مراد یہ

ہے کہ کہنیاں دوہری کر کے دوڑنے جیسی شکل بنائیں اور کندھوں کو حرکت دیں۔

جب نبی کریم اور صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم مکہ شریف میں پہنچے تو مشرکینِ مکہ نے کہا ، وَهَنَتْهُمْ حُمّٰى يَثْرِبَ وَلَقُوْا مِنْهَا شَرًّا یعنی ان لوگوں کو یثرب کی بیماریوں نے سست کر دیا ہے اور وہاں سے انہیں مصیبتیں ملی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات سے آگاہ کر دیا، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو رمل کا حکم دیا (ابوداؤد حدیث: ۱۸۸۶، نسائی حدیث: ۲۹۴۵)۔

رمل کے لیے اچھلنے، دوڑنے اور دوسروں سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف دوڑنے جیسی ہیئت بنانی ہے۔ باقی چار چکر اپنے قدرتی انداز میں مکمل کریں۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ: مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعاً وَلاَ يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ، مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ ، وَكُتِبَتْ لَهٗ عَشَرُ حَسَنَاتٍ ، وَرُفِعَ لَهٗ بِهَا عَشَرَةَ دَرَجَاتٍ ، وَمَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِيْ تِلْكَ الْحَالِ ، خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ ، كَخَائِضِ الْمَاءِ بِرِجْلَيْهِ یعنی جس نے اللہ کے گھر کے گرد سات چکر لگائے، اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتا رہا، اس کے دس گناہ معاف ہوئے، دس نیکیاں لکھی گئیں، دس درجات بلند ہوئے اور وہ اللہ کی رحمت میں اس طرح داخل ہو گیا جس طرح آدمی اپنے پاؤں کے ساتھ پانی میں داخل ہو جاتا ہے (ابنِ ماجہ حدیث: ۲۹۵۷)۔

ہر چکر میں رکن یمانی کو ہاتھ لگائیں اگر ہو سکے تو بوسہ دیں۔ رکن یمانی سے مراد کعبہ شریف کا چوتھا کونا ہے۔ یعنی حجرِ اسود والے کونے سے پیچھے والا کونا حدیث شریف میں ہے کہ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَدَعُ اَنْ يَّسْتَلِمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَالْحَجَرَ فِيْ كُلِّ طَوَافِهٖ قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرُ يَفْعَلُهٗ یعنی رسول اللہ ﷺ ہر طواف میں رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کا استلام کبھی ترک نہیں فرماتے تھے اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے (ابوداؤد حدیث: ۱۸۷۶، نسائی حدیث: ۲۹۴۷، ابنِ ماجہ حدیث: ۲۹۴۶)۔

نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے رکنِ یمانی کے بارے میں فرمایا: وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكاً فَمَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ، رَبَّنَا آتِنَا

فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار ، قَالُوْا : آمِین یعنی اس کے پاس ستر فرشتے مقرر ہیں، جب کوئی شخص اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَة ، رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار پڑھتا ہے تو وہ سب آمین کہتے ہیں (ابن ماجہ حدیث:۲۹۵۷)۔

نبی کریم ﷺ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان والی دیوار کا فاصلہ طے کرتے وقت رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار پڑھا کرتے تھے (ابوداؤد حدیث :۱۸۹۲)۔طواف کے آخر میں بھی حجر اسود کا استلام کرنا ہوتا ہے، یہ کل سات چکر ہوئے اور آٹھ استلام۔

اسکے بعد مقام ابراہیم کے پاس آ جائیں۔مقام ابراہیم سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان ایک پتھر پر لگا ہوا ہے۔آج کل اسے ایک پنجرے میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔اسکے پاس کھڑے ہو کر دو نفل پڑھیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلّٰی یعنی مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ (البقرۃ:۱۲۵)۔اسکے قریب جگہ نہ ملے تو کعبہ شریف کے اردگرد کسی بھی جگہ یہ نفل پڑھ لینا جائز ہے۔سبحان اللہ، جہاں سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم لگے وہاں قیامت تک کے مسلمانوں کو سر جھکانے اور ماتھا ٹیکنے کا حکم ملا۔یہ دو نفل سنتِ مؤکدہ قریب بہ واجب ہیں۔اسکے بعد آبِ زم زم کھڑے ہو کر اور خوب سیر ہو کر پئیں۔

اس کے بعد صفا مروہ کی سعی کے لیے نکلیں۔صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے نام ہیں جن کا درمیانی فاصلہ تقریباً ۸۰۰ گز ہوگا۔یہ ۸۰۰ گز کا فاصلہ آج کل چھت دیا گیا ہے اور دونوں پہاڑیاں اس چھت کے نیچے ہیں۔پہلے صفا پر جائیں۔صفا کی پہاڑی مسجد حرام کے بالکل ساتھ ہے۔اور طواف کے بعد تمام حاجی ادھر کو ہی رش کر کے جا رہے ہوتے ہیں۔صفا کی پہاڑی پر چڑھ جائیں۔بعض لوگ اس پہاڑی کی چوٹی پر جانے کی کوشش کرتے ہیں اور چھت سے جا ٹکراتے ہیں۔ایسا کرنا ضروری نہیں بس پہاڑی کے تقریباً وسط تک چلے جانا بھی کافی ہے۔یہاں کھڑے ہو کر پڑھیں: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہ (البقرۃ:۱۵۸) پھر کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کعبہ کو دیکھیں، کسی نہ کسی دروازے میں سے کعبہ شریف پر نظر پڑ جائے گی۔اگر کعبہ شریف نظر نہ آئے تو کوئی بات نہیں۔پڑھیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ، پھر نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھیں، پھر اللہ تعالیٰ

جل مجدہ سے جو چاہیں دعا کریں۔ پھر وہاں سے نیچے اتر کر مروہ کی پہاڑی کی طرف چل پڑیں۔ وہاں ساری دنیا یہی کچھ کر رہی ہوتی ہے اور سمجھ لینا بالکل آسان ہوتا ہے۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان نہایت خوبصورت اور ہموار دوہری سڑک بنا دی گئی ہے۔ جس میں وَن وے ٹریفک کی طرح دائیں طرف سے جانا ہے اور بائیں طرف سے واپس آنا ہے۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان میں سبز رنگ کے دو مینار ہیں۔ ان دو میناروں کا درمیانی فاصلہ دوڑ لگا کر پار کرنا ہے، مگر عورتوں نے نہیں دوڑنا ہوتا۔ پھر جب مروہ پر پہنچ جائیں تو وہاں بھی وہی کریں جو کچھ صفا پر کیا تھا، یہ ایک چکر ہوا۔ اسی طرح سات چکر مکمل کریں۔ صفا سے شروع ہوئے اور مروہ پر ساتواں چکر مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد مروہ کے دروازے سے باہر نکل جائیں اور حلق کروائیں یا قصر۔ آپ کا عمرہ مکمل ہو گیا احرام کھول دیں۔ اور مکہ شریف میں حج کا وقت آنے تک ٹھہرے رہیں۔ صرف عمرہ کے لیے جانے والوں کے لیے عمرہ کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

اس قیام کے دوران شریعت کی پابندی کریں۔ ہر نماز حرم شریف میں آ کر پڑھنے کی پوری کوشش کریں۔ مگر عورت کے لیے زیادہ ثواب اپنے گھر یا ہوٹل میں نماز پڑھنے میں ہے۔ اگر آپ کا یہ قیام پندرہ دن یا اس سے زائد کا ہے تو پھر قصر نہ کریں بلکہ پوری نماز پڑھیں۔

آٹھ ذوالحجہ کو صبح کے وقت احرام باندھ لیں، حج کی نیت کریں اور صبح کی نماز مکہ شریف میں پڑھ کر سب حاجی منیٰ کو چل پڑیں۔ راستے میں ذکر و درود اور لبیک کثرت سے پڑھیں۔ یہ ترویہ کا دن کہلاتا ہے اور نو ذوالحجہ کی صبح تک منیٰ میں قیام رہے گا۔ صبح کی نماز منیٰ میں پڑھ کر سورج طلوع ہونے کے بعد میدانِ عرفات کی طرف چل پڑیں۔ میدانِ عرفات میں غسل کر کے داخل ہونا مستحب ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد امام صاحب خطبہ دیں گے اور تقریر میں عرفات میں ٹھہرنے کا طریقہ، مزدلفہ میں ٹھہرنے کا طریقہ، کنکریاں مارنے کا طریقہ، قربانی کا طریقہ، حلق کرانے کا طریقہ اور طواف زیارت کے مسائل سمجھائیں گے۔ اس کے بعد ظہر اور عصر اکٹھی پڑھی جائیں گی۔ ایک اذان ہوگی اور دو اقامتیں۔ عرفات کا میدان سارا موقف ہے یعنی حج کے لیے ٹھہرنے کی جگہ ہے، البتہ جبلِ رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل ہے۔ یہاں کثرت سے دعائیں کریں۔ یہاں کھڑے کھڑے دعا کرنا سنت ہے۔ عرفات کی بہترین دعا یہ ہے: **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ**

اَلْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر یعنی اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اسی کی حمد ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (ترمذی حدیث:۳۵۸۵)۔

حج دراصل عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہے۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: اَلْحَجُّ عَرَفَةُ ، مَنْ جَاءَ لَیْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَکَ الْحَجَّ ، اَیَّامُ مِنًی ثَلاثَةٌ ، فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلا اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلا اِثْمَ عَلَیْهِ یعنی عرفات میں ٹھہرنا حج ہے، جو شخص اجتماع کی رات طلوعِ فجر سے پہلے پہلے پہنچ گیا اسے حج مل گیا، منیٰ میں قیام تین دن ہے، جس نے دو دن ٹھہر کر واپس آنے کی جلدی کی اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو تین دن ٹھہرا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (ترمذی حدیث:۸۸۹، نسائی حدیث:۳۰۱۶، ابنِ ماجہ حدیث:3015)۔

جب سورج غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھے بغیر عرفات سے چل پڑیں۔

مغرب اور عشاء آپ نے مزدلفہ میں جا کر اکٹھی پڑھنی ہیں۔ مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب اور عشاء اکٹھی ادا کی جائیں گی، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ۔ مزدلفہ میں مشعرِ حرام کے پاس ٹھہرنا زیادہ افضل ہے۔ اب مزدلفہ میں رات آ گئی۔ یہ رات ایک عظیم رات ہے۔ اس رات کثرت سے دعائیں کرنا، رونا اور اعترافِ خطا کرنا چاہیے، یہاں صبح کی نماز اول وقت میں پڑھنا ہوتی ہے مگر جلد بازی میں وقت سے پہلے پڑھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ نماز پڑھ کر سورج نکلنے سے تھوڑا پہلے وہاں سے چل پڑیں اور سیدھے منیٰ پہنچ جائیں۔

منیٰ میں تین مختلف ستون ہیں جنہیں جمرات کہا جاتا ہے۔ ایک جَمرۂ اولیٰ، دوسرا جَمرۂ وسطیٰ، تیسرا جَمرۂ عقبہ۔ ان تینوں ستونوں کو عام طور پر شیطان بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

منیٰ میں پہنچ کر سب سے پہلے سیدھے جَمرۂ عقبہ کی طرف جائیں۔ کعبہ آپ کے بائیں طرف ہو، منیٰ دائیں طرف ہو اور جمرۂ عقبہ آپ کے سامنے ہو۔ اس سے کم از کم تین گز پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوں اور سات کنکریاں الٹے ہاتھ میں پکڑ لیں۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان ایک ایک کنکر پکڑ کر باری باری جمرہ کو ماریں اور ہر کنکری مارتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھیں اور ہاتھ اتنا بلند کر کے کنکری ماریں کہ بغل نظر آئے۔ پہلی کنکر کے ساتھ ہی تلبیہ موقوف کر دیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ: لَبّٰی النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی رَمَی الْجَمْرَةَ الْعَقَبَةِ یعنی اللہ کے

حبیب ﷺ جمرۂ عقبہ کو کنکر مارنے تک تلبیہ پڑھا (ابوداؤد حدیث رقم: ۱۸۱۵)۔ اور کنکر مار کر دائیں بائیں نہیں بلکہ سیدھے پیچھے کو پلٹ آئیں۔ کسی دوسرے کی طرف سے یا خواتین کی طرف سے کنکریاں مارنا جائز نہیں۔ البتہ معذور آدمی اگر خود کسی کو کہے تو جائز ہے۔ کنکریاں مار کر پیچھے ہٹتے وقت سخت احتیاط کریں۔ رش میں کچلے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جوتا یا کوئی دوسری چیز گر جائے تو جھک کر اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کے بعد قربانی ذبح کریں۔ حج قران اور حج تمتع کرنے والوں پر یہ قربانی واجب ہے اور یہ ان کے حج کے واجبات میں سے ہے خواہ وہ فقیر ہوں یا غنی، جبکہ حج مفرد والوں کے لیے یہ قربانی مستحب ہے خواہ وہ غنی ہوں۔ قربانی کا جانور کسی محکمے کے ذمے مت لگائیں۔ عین ممکن ہے وہ لوگ قربانی مقررہ وقت کے بعد کریں یا صحت مند جانور نہ خریدیں یا کوئی دوسری غلطی کریں۔ اس کے بعد حلق کروائیں یا قصر۔ لیکن حلق افضل ہے۔

اب اس کے بعد آپ پر احرام والی پابندیاں ختم ہو گئیں سوائے بیوی کے۔ یہاں آپ احرام کھول سکتے ہیں۔ پھر اسی دن مکہ شریف میں آ جائیں۔ کعبہ شریف کا طواف اسی طریقے سے کریں جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اسے طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ یہ طواف فرض ہوتا ہے۔ اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی بھی کریں۔ اس طواف کے بعد عورت بھی آپ پر حلال ہو گئی۔

اگر یہ طواف دس ذی الحج کو نہیں کر سکے تو گیارہ یا بارہ کو مغرب سے پہلے پہلے کر لیں۔ اگر بارہ تاریخ تک بھی یہ طواف نہ کر سکے تو آپ پر دم واجب ہو گیا۔ جب تک طواف نہیں کریں گے اس عرصے کے دوران آپ پر بیوی حرام رہے گی۔

اس کے بعد دوبارہ منیٰ میں جائیں اور وہیں ٹھہریں۔ حتیٰ کہ اگلا دن آ جائے یعنی گیارہ تاریخ۔ جب سورج ڈھل جائے تو تینوں جمرات کو باری باری کنکریاں ماریں۔ پہلے جمرۂ اولیٰ کو جو مسجد خیف کے قریب ہے۔ اس جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد اس کے پاس کھڑے رہیں اور دعا کریں۔ پھر دوسرے جمرے کو کنکریاں ماریں اور بعد میں اس کے پاس ٹھہرے رہیں اور دعا کریں۔ پھر تیسرے بڑے جمرے کو کنکریاں ماریں مگر اس کے پاس ٹھہرنا نہیں اور نہ ہی دعا کرنی ہے۔ واپس اپنے خیمے میں چلے جائیں اور رات منیٰ میں ہی گزاریں۔

دوسرے دن بارہ تاریخ کو پھر جب دوپہر ڈھل جائے تو اسی ترتیب اور اسی طریقے سے

تینوں جمرات کو کنکریاں ماریں۔

اب آپ اگر چاہیں تو کعبہ جا سکتے ہیں، کنکریاں مارنے کا کام مکمل ہو گیا۔ لیکن اگر تیرہ تاریخ کو بھی اسی طرح کنکریاں ماریں اور جان بوجھ کر کنکریاں مارنے کی نیت سے وہیں ٹھہرے رہیں تو یہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ، وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى یعنی جس نے دو دن کے بعد جلدی کی اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جس نے تاخیر کی اور تیسرے دن بھی رمی کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں، یہ زیادہ تقویٰ ہے (البقرۃ: ۲۰۳)۔

منیٰ میں قیام کے دوران مسجد خیف میں نمازیں پڑھنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر دوسرے دن کنکریاں مارنے کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے منیٰ سے نہیں نکلے اور منیٰ میں ہی سورج غروب ہو گیا تو اب منیٰ میں ہی ٹھہر جانا بہتر ہے، لیکن اگر اب بھی کعبہ شریف چلے گئے تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر اگلے دن کی صبح منیٰ میں ہو گئی تو اب تیسرے دن بھی پچھلے پہر تینوں جمروں کو کنکریاں مارنا واجب ہو گیا، اس لیے کہ تیسرے دن کی کنکریاں مارنا پہلے ہی پسندیدہ تھا۔

دس تاریخ کو جمرۂ عقبہ کو صبح کے وقت کنکریاں ماری جاتی ہیں جبکہ گیارہ بارہ تیرہ تاریخ کو تینوں جمروں کو پچھلے پہر کنکریاں ماری جاتی ہیں رَمٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى ، وَاَمَّا بَعْدُ ، فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ یعنی رسول اللہ ﷺ نے نحر کے دن اگلے پہر کنکریاں ماریں اور اس کے بعد سورج ڈھلنے کے بعد ماریں (مسلم حدیث: ۳۱۴۱، ابوداؤد حدیث: ۱۹۷۱، ترمذی حدیث: ۸۹۴، نسائی حدیث: ۳۰۶۳، ابنِ ماجہ حدیث: ۳۰۵۳)۔

اب آپ کعبہ شریف چلے جائیں اور طواف کریں۔ اس طواف کو طوافِ صدر یعنی الوداعی طواف کہتے ہیں۔ اسکے پہلے تین چکروں میں رمل نہیں کرنا ہوتا۔ اور اس کے بعد صفا مروہ کی سعی بھی نہیں کرنا ہوتی۔ یہ طواف باہر سے جانے والوں کیلئے واجب ہوتا ہے۔ اسکے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ضروری ہیں۔ پھر آپ زم زم خوب پئیں اور ملتزم سے چمٹ کر دعائیں کریں اگر ہو سکے تو حجرِ اسود کو بوسہ دیں۔ قسمت کے میلے ہیں، آپ اللہ کریم جل جلالہٗ کے مقدس گھر سے رخصت ہو رہے ہیں۔

ضروری مسائل

(۱)۔ مکہ شریف میں قیام اکثر پندرہ دن سے زیادہ کا ہوتا ہے، لہٰذا آپ وہاں پر قیام کی نیت کریں اور اپنی مکمل نماز پڑھیں، اسی طرح منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں بھی پوری نماز پڑھیں۔

(۲)۔ احرام کی حالت میں خوشبو لگانا، سلا ہوا کپڑا، شلوار قمیض پہننا، سر ڈھانپنا، بال کٹوانا، جوئیں مارنا، ناخن اتارنا، بیوی کا بوسہ یا صحبت، شکار کرنا یا شکار کی نشاندہی کرنا، وضو کے بغیر طواف کرنا منع ہے۔

(۳)۔ موذی جانور مثلاً سانپ، بچھو، مچھر، پسو کو مارنا اور غیر وحشی پالتو جانور ذبح کرنا جائز ہے۔

(۴)۔ ہر مقام پر پڑھنے کے لیے مخصوص دعائیں مستحب ہیں، لیکن ایک بھولے بھالے ان پڑھ آدمی کے لیے درود شریف اور یہ دعا ہر جگہ کے لیے کافی ہیں: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

(۵)۔ طواف کے دوران اگر وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر لیں، اگر جنازہ آ جائے تو نمازِ جنازہ پڑھ لیں، اگر نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھ لیں اور اس کے بعد باقی طواف مکمل کر لیں۔

(۶)۔ اگر عورت کو حیض آ جائے اور ابھی طوافِ زیارت باقی ہو تو اگر اس کی واپسی سیٹ تک ہے تو حیض کی حالت میں طوافِ زیارت کر لے، اب اس پر بدنہ ہے، توبہ بھی کرے، اگر بارہ تاریخ تک پاک ہو کر طواف کا اعادہ کر لیا تو سب کچھ معاف ہو گیا اور اگر بارہ کے بعد طواف کیا تو بدنہ معاف ہوا مگر دم دینا ہو گا۔ اگر حیض کی وجہ سے طوافِ وداع نہ کر سکی تو معافی ہے۔

(۷)۔ فرض یا واجب طواف میں اگر چکروں کی تعداد بھول گئے تو دوبارہ شروع کریں، سنت اور نفلی طواف میں غالب گمان پر عمل کریں۔

(۸)۔ طواف میں اضطباع اور رمل سنت ہیں لیکن اگر نہ کیے تو کوئی جرمانہ نہیں۔

(۹)۔ سعی سے پہلے طواف ضروری ہے، اگر طواف سے پہلے حج یا عمرہ کی سعی کر لی تو دم واجب ہے، لیکن اگر طواف کے بعد دوبارہ سعی کر لی تو معافی ہو گئی۔

(۱۰)۔ رات کو سوتے وقت کپڑا اوڑھ سکتے ہیں مگر منہ اور سر پر کپڑا نہیں جانا چاہیے۔

(۱۱)۔ اگر نزلہ ہو تو رومال یا ٹشو نہایت احتیاط سے استعمال کر سکتے ہیں مگر اس سے منہ نہیں

ڈھانپنا چاہیے۔

حج کے دوران ہونے والی غلطیاں اور ان کا کفارہ

(۱)۔ احرام والا آدمی اگر پورے عضو یا اس سے زیادہ پر خوشبو لگائے تو اس پر دم ہے، اگر اس سے کم لگائے تو صدقہ ہے۔

(۲)۔ اگر ایک دن تک سلا ہوا کپڑا پہنے رکھا یا سر ڈھانپ لیا، تو اس پر دم ہے۔ اگر اس سے کم عرصہ پہنا تو صدقہ ہے۔

(۳)۔ اگر چوتھائی سر یا اس سے زیادہ منڈوائے تو دم ہے، اگر اس سے کم منڈوائے تو صدقہ ہے، اگر گردن کے بال منڈوائے تو دم ہے۔

(۴)۔ ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن کاٹے تو دم ہے، اگر صرف ہاتھوں کے یا صرف پاؤں کے ناخن کاٹے تو بھی دم ہے اور اگر پانچ سے کم ناخن کاٹے تو صدقہ ہے خواہ متفرق ہوں۔

(۵)۔ اگر اس نے مجبوری اور عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی، حلق کرایا یا ممنوع لباس پہنا تو اسے اختیار ہے چاہے تو بکری ذبح کرے اور اگر چاہے تو چھ مسکینوں کو تین صاع گندم کا صدقہ دے یا چاہے تو تین روزے رکھے۔

(۶)۔ اگر بیوی کو شہوت کے ساتھ مس کیا یا بوسہ لیا تو اس پر دم ہے، خواہ اسے انزال ہو یا نہ ہو۔

(۷)۔ (ا) اگر کسی نے عرفات میں وقوف سے پہلے صحبت کر لی تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر ایک بکری بھی لازم ہے ویسے وہ دوسرے حاجیوں کے ساتھ حج بھی مکمل کرے اور بعد میں دونوں میاں بیوی اس حج کی قضا بھی کریں۔ قضا حج کی ادائیگی کے دوران اس پر لازم نہیں کہ اپنی بیوی سے جدا رہے۔ (ب) جس نے عرفات میں وقوف کے بعد صحبت کر لی اس کا حج فاسد نہیں ہوا مگر اس پر بدنہ ہے۔ (ج) جس نے سر منڈانے کے بعد صحبت کی اس پر بکری ہے۔ (د) جس نے عمرہ میں، طواف کے چار چکر لگانے سے پہلے پہلے صحبت کر لی اس کا عمرہ فاسد ہو گیا۔ وہ عمرہ پورا کرے مگر قضا بھی کرنا پڑے گا اور اس پر بکری بھی ہے۔ اگر چار چکر لگانے کے بعد عمرہ والے نے وطی کی تو اس پر

بکری ہے اور اس کے عمرہ فاسد نہیں ہوا نہ ہی اس کی قضا لازم ہے۔(ہ) بھول کر جماع کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے جان بوجھ کر جماع کرنا۔

(۸)۔ جس نے طوافِ قدوم وضو کے بغیر کیا اس پر صدقہ ہے۔ اگر جنبی تھا تو اس پر بکری ہے۔

(۹)۔ جس نے طوافِ زیارت بے وضو کیا اس پر بکری ہے۔ اگر جنبی تھا تو اس پر بدنہ ہے۔ افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں ہے اس طواف کا اعادہ کرے۔ اور اعادہ کی صورت میں اسکے ذمے کوئی جانور نہیں۔

(۱۰)۔ جس نے طوافِ صدر بے وضو کیا اس پر صدقہ ہے۔ اگر جنبی تھا تو بکری ہے۔ اگر طوافِ زیارت میں سے تین چکر یا اس سے کم ترک ہو گئے تو اس پر بکری ہے۔ اگر چار چکر ترک ہو گئے تو پورے کرے۔

(۱۱)۔ اگر طوافِ زیارت بالکل ہی نہ کر سکا حتیٰ کہ اپنے گھر واپس چلا گیا تو اس کی بیوی اس پر حرام رہے گی جب تک وہ واپس جا کر طواف نہ کرے۔

(۱۲)۔ جس نے طوافِ صدر کے تین چکر ترک کر دیے اس پر صدقہ ہے۔ جس نے چار چکر چھوڑ دیے اس پر بکری ہے۔

(۱۳)۔ جس نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی ترک کر دی اس پر بکری ہے مگر اسکا حج مکمل ہو گیا۔

(۱۴)۔ جو عرفات سے امام سے پہلے واپس آ گیا اس پر دم ہے۔

(۱۵)۔ جس نے مزدلفہ میں قیام ترک کر دیا اس پر دم ہے۔

(۱۶)۔ جس نے رمی جمار تمام دنوں میں ترک کر دی اس پر دم ہے۔ جس نے تین میں سے ایک جمرے کی رمی ترک کر دی اس پر صدقہ ہے۔ جس نے دسویں ذی الحج کو جمرہ عقبہ کی رمی ترک کر دی اس پر دم ہے، اور اگر ایک یا دو یا تین کنکریاں ترک ہو گئیں تو ہر کنکر کے بدلے صدقہ دے۔

(۱۷)۔ جس نے حلق کو قربانی کے دنوں سے مؤخر کیا تو اس پر دم ہے۔

(۱۸)۔ اگر جوں ماری تو جتنا چاہے صدقہ کرے، ٹڈی کا بھی یہی حکم ہے خواہ صدقہ ایک کھجور ہی ہو۔

(دم سے مراد بکری یا بھیڑ ہے، صدقہ سے مراد فطرانے کے برابر پونے دو کلو گرام گندم یا

اس کی قیمت ہے، بدنہ سے مراد دو سال کی گائے یا پانچ سال کا اونٹ ہے)

عورت کے حج کا طریقہ مرد جیسا ہی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ عورت نے سر ڈھانپنا ہوتا ہے، چہرے کو نہیں ڈھانپنا ہوتا، تلبیہ بلند آواز سے نہیں پڑھنا ہوتی بلکہ اسطرح پڑھے جسے اسکے اپنے کان سن سکیں۔طواف میں رمل نہیں کرنا ہوتا، صفا و مروہ کے سبز ستونوں کے درمیان دوڑنا نہیں ہوتا اور سر نہیں منڈانا ہوتا بلکہ تھوڑے سے بال کترنا ہوتے ہیں۔

حج کا یہ سارا طریقہ قرآن مجید، بخاری و مسلم وغیرہ کی احادیث سے ماخوذ ہے اور قدوری شریف صفحہ ۴۹ تا ۵۴ پر ترتیب سے لکھا ہوا ہے۔

اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو حج کا تفصیلی طریقہ سمجھانے اور عملاً حج کرانے کے لیے وہاں پر عملہ موجود ہوتا ہے۔

اگر حج کے دن جمعہ آ جائے تو اسے حجِ اکبر کہتے ہیں۔

حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: **اَفْضَلُ الْاَیَّامِ یَوْمُ عَرَفَةَ اِذَا وَافَقَ جُمُعَةً وَهُوَ اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِیْنَ حَجَّةٍ** یعنی سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے اور اگر اسی دن جمعہ بھی آ جائے تو یہ ستر حجوں سے افضل ہے (طحطاوی صفحہ ۴۰۷)۔

اگر کوئی دائمی معذور یا مجبور آدمی اپنی جگہ کسی دوسرے کو حج پر بھیجنا چاہے تو بھیج سکتا ہے۔ اسے حجِ بدل کہتے ہیں۔فوت شدہ آدمی کی طرف سے بھی حجِ بدل کرانا جائز ہے۔حجِ بدل کسی آدمی سے کرانا چاہیے جس پر اپنا حج فرض نہ ہو۔حج بدل پر جانے والے کو چاہیے کہ جسکی طرف سے حج کو جا رہا ہے اسی کی طرف سے حج کی نیت کرے۔جسکی طرف سے حجِ بدل ادا ہو چکا ہو وہ خود اگر تندرست ہو جائے یا اسکی مجبوری ختم ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج فرض ہو جائے گا بشرطیکہ اسکے پاس باقی استطاعت موجود ہو (کنز الدقائق صفحہ ۹۴، فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۵۷، شامی جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)۔

خطبہِ حجۃ الوداع

محبوب کریم ﷺ نے ایک ہی حج فرمایا۔اس حج کے موقع پر آپ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

۱۹۸۷ء کی بات ہے، فقیر راقم الحروف نے پشاور شہر میں مال روڈ کے چرچ کے عیسائی

پادری سے پوچھا کہ آپ ہمارے نبی کریم ﷺ کی کسی بات سے متاثر ہوئے؟ اس نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا "خطبہٴ حجۃ الوداع"۔

اس خطبے میں رحمتِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَومِکُمْ ھٰذَا ، فِی شَھْرِکُمْ ھٰذَا ، فِی بَلَدِکُمْ ھٰذَا ، اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ تَحتَ قَدَمَیَّ مَوضُوعٌ ، وَدِمَآءُ الْجَاھِلِیَّۃِ مَوضُوعَۃٌ ، وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَۃَ بْنِ الْحَارِثِ (کَانَ مُسْتَرضِعًا فِی بَنِی سَعدٍ فَقَتَلَہُ ھُذَیْلُ) ، وَ رِبَا الْجَاھِلِیَّۃِ مَوضُوعٌ وَ اَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَاِنَّہُ مَوضُوعٌ کُلُّہُ ، فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَآءِ ، فَاِنَّکُم اَخَذْتُمُوھُنَّ بِاَمَانِ اللّٰہِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَھُنَّ بِکَلِمَۃِ اللّٰہِ ، وَلَکُمْ عَلَیْھِنَّ اَن لَّا یُوطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَھُونَہُ ، فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِکَ فَاضْرِبُوھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ ، وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ، وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوا بَعْدَہُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ ، کِتَابَ اللّٰہِ ، وَاَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّی ، فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ ، فَقَالَ بِاُصْبُعِہِ السَّبَّابَۃِ یَرفَعُھَا اِلَی السَّمَآءِ وَیَنْکُتُھَا اِلَی النَّاسِ ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ، ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ، (وَفِی رِوَایَۃِ اَبِی بَکْرَۃَ قَالَ فَلَا تَرجِعُوا بَعْدِی ضَلَالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا ھَل بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعیٰ مِنْ سَامِعٍ)

ترجمہ: تمہارے خون اور تمہارے مال آج کے دن کی عظمت کی طرح اس مہینے میں اور اس شہر میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ آج جہالت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ زمانہٴ جہالت کی دشمنیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ زمانہٴ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں عباس ابن

مطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ نے انہیں تمہاری پناہ میں دیا ہے اور اپنے کلام کے ذریعے ان کی شرم گاہیں تمہارے لیے حلال کی ہیں۔عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ سُلائیں۔ اگر وہ ایسی حرکت کریں تو انہیں ضرورت کے مطابق محتاط سزا دو۔عورتوں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھے طریقے سے کھانا اور لباس دو۔ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر اس پر عمل کرتے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ قیامت کے دن اللہ تم سے میرے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک احکام پہنچا دیے، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور بھلائی کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، اسی انگلی سے لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔ اے لوگو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردن مت مارنے لگنا۔ بتاؤ، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک میرا پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ کتنے ہی سننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ سنی ہوئی بات آگے بتاتے ہیں تو اگلا ان سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے (مسلم حدیث: ۲۹۵۰، ابوداؤد حدیث: ۱۹۰۵، ابن ماجہ حدیث: ۳۰۷۴، سنن الدارمی حدیث: ۱۸۵۶)۔

عمرہ

زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سنتِ مؤکدہ ہے (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴، طحطاوی صفحہ ۴۷۰)۔

یہ حج کے دن کے سواء سال کے کسی بھی دن کیا جا سکتا ہے۔ میقات سے احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے اور سعی کے بعد حلق کرانے یا تقصیر کرانے سے عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ خواہ کوئی ایک دن میں کئی عمرے کرلے یا روزانہ عمرہ کرتا رہے۔

جس شخص کے پاس حج کی استطاعت نہ ہو مگر عمرے کی استطاعت ہو اور وہ عمرہ کرلے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس پر حج اسی وقت فرض ہوگا جب اس کے پاس حج کی استطاعت ہو گی۔ یہ بات مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً سے ظاہر ہو رہی ہے۔

جو شخص شوال کے مہینے میں عمرہ کرے یا مکہ شریف کی حدود میں موجود ہو تو اگر اس کا بس چلتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ حج کر کے آئے لیکن اگر اس کی جیب اجازت نہ دے یا حکومت کی طرف سے پابندی ہو تو حج کیے بغیر واپس آ جانا جائز ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ عُمْرَةً فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً یعنی رمضان شریف کا عمرہ حج کے برابر ہے (مسلم حدیث: ۳۰۳۸، بخاری حدیث: ۱۷۸۲، نسائی حدیث: ۲۱۱۰، ابن ماجۃ حدیث: ۲۹۹۴، سنن الدارمی حدیث: ۱۸۶۵، مسند احمد حدیث: ۲۰۳۰)۔

قربانی

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ یعنی اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر (الکوثر: ۲)۔

حبیبِ کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: مَن کَانَ لَہٗ سَعَۃٌ وَلَم یُضَحِّ فَلَا یَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا یعنی جس نے گنجائش کے باوجود قربانی نہیں دی وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے (ابن ماجۃ حدیث: ۳۱۲۳)۔

نیز فرمایا: مَا عَمِلَ ابنُ آدَمَ مِن عَمَلٍ یَومَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِن اِھرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہٗ لَیَأْتِی یَومَ القِیَامَۃِ بِقُرُونِھَا وَاَشعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبلَ اَن یَقَعَ بِالْاَرضِ فَطِیبُوا بِھَا نَفساً یعنی قربانی کے دن اللہ کا سب سے پسندیدہ عمل قربانی کا خون بہانا ہے۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگھوں، بالوں اور کھروں سمیت سامنے آئے گا۔ جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے پہلے اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے۔ اللہ کی اس کرم نوازی پر خوش ہو جاؤ (ترمذی حدیث: ۱۴۹۳، ابن ماجۃ حدیث: ۳۱۲۶)۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں ہمیں کیا اجر ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے میں نیکی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اُون پر کیا اجر ہے؟ فرمایا

اُون کے بھی ہر بال پر نیکی ہے(ابن ماجۃ حدیث رقم:۳۱۲۷،مسند احمد حدیث رقم:۱۹۳۰۵)۔

9 ذی الحج کے دن صبح سے لے کر 13 ذی الحج کی عصر تک ہر فرض نماز کے فوراً بعد بلند آواز سے کم از کم ایک مرتبہ تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار پڑھنا مستحب ہے۔تشریق کے الفاظ یہ ہیں:اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْد

قربانی دینے والے کے لیے مستحب ہے کہ قربانی کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ اتارے تاکہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے۔

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی دینا مقیم اور امیر آدمی پر فرض ہے۔اونٹ پانچ سال کا،گائے اور بھینس دو سال کی،بکرا،چھترا اور دُنبہ ایک سال کا۔اور چھ ماہ کا ایسا دُنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اسکی قربانی جائز ہے۔اُونٹ،گائے اور بھینس میں سات حصّے دار شامل ہوں جبکہ بکرا،دُنبہ،چھترا،ایک کی طرف سے قربانی دیا جائے۔ جہاں عید کی نماز پڑھائی جاتی ہو وہاں اگر کسی آدمی نے عید پڑھنے سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو یہ قربانی جائز نہیں ہوئی،نئی قربانی دینا پڑے گی۔

ایسا عیب جو کسی منفعت کو ختم کر دے یا جمال کو خراب کر دے اس سے قربانی جائز نہیں رہتی۔جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔اگر سینگ جڑھ تک ٹوٹا ہوا ہو یا گودا نظر آ رہا ہو تو قربانی جائز نہیں۔خَصّی جانور کی قربانی جائز ہے۔اندھے،کانے،لنگڑے اور لاغر جانور جو قربان گاہ تک چل کر نہ جا سکے،جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو،آدھے سے زیادہ کان کٹے اور آدھے سے زیادہ دُم کٹے جانور کی قربانی جائز نہیں۔جس بکری کا ایک تھن یا گائے،بھینس اور اونٹنی کے دو تھن ضائع ہو چکے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُل۔

اگر قربانی دینے والا ذبح سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے اس کی طرف سے قربانی ذبح کر دینا جائز ہے ورنہ نہیں(تنویر الابصار،درِمختار،شامی جلد۵ صفحہ۲۲۹)۔اگر قربانی کے حصہ داروں میں کوئی غیر مسلم شامل ہو جائے یا کوئی شخص محض گوشت خوری کی نیت سے شامل ہو جائے تو سب کی قربانی ناجائز ہے(تنویر الابصار،درِمختار،شامی جلد۵ صفحہ۲۲۹)۔اگر کسی آدمی نے صحیح سلامت جانور خریدا مگر بعد میں اس جانور میں ایسا عیب پیدا ہو گیا جو قربانی میں مانع

ہے تو اگر اسکا مالک امیر آدمی ہے تو وہ اس کی جگہ پر نئی قربانی خریدے اور اگر وہ غریب آدمی ہے تو وہی جانور قربان کر دینا جائز ہے۔اسی طرح اگر جانور مر جائے تو امیر آدمی نیا خریدے اور غریب آدمی نہ خریدے (تنویر الابصار، درمختار، شامی جلد۵ صفحہ ۲۲۹)۔

قربانی کا چمڑا صدقہ کر دیا جائے یا خود استعمال کر لیا جائے۔اگر خود استعمال کرے تو براہِ راست چمڑا استعمال کرے یعنی اسکا تھیلہ یا چھلنی یا بچھونا وغیرہ بنالے۔بیچ کر پیسے استعمال نہیں کر سکتا۔کسی مدرسہ یا دینی ادارے کو دینا افضل ہے۔

قربانی کے تین حصّے کر کے ایک خود کھانا، دوسرا رشتہ داروں کو دینا، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب اور تیسرا اغرباء کو دینا مستحب ہے۔قربانی خود ذبح کرنا بہتر ہے۔اگر جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو اسے ذبح کر دیا جائے اور اگر مرا ہوا بچہ نکلے تو اسے پھینک دیا جائے۔

اگر قصاب وغیرہ سے قربانی ذبح کرائی جائے تو اسکی اُجرت اپنے پاس سے دی جائے۔ گوشت یا چمڑا اُجرت میں دینا جائز نہیں بلکہ قصاب کو خود چاہیے کہ بحیثیت مسلمان یہ چیزیں اُجرت میں لینے سے انکار کر دے۔قربانی کے مسائل کنز الدقائق صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۲، قدوری صفحہ ۱۹۷ تا ۱۹۸، شامی جلد۵ صفحہ ۲۱۹ تا ۲۳۶ اور عالمگیری جلد۵ صفحہ ۳۰۶ تا ۳۰۸ سے لیے گئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے دو قربانیاں ذبح فرمائیں۔ایک اپنی طرف سے اور دوسری اُمت کی طرف سے (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲/۲۷۶، مسند احمد حدیث: ۱۵۰۳۲، ابو داؤد حدیث: ۲۷۹۵، ترمذی حدیث: ۱۵۲۱، ابن ماجہ حدیث: ۳۱۲۱، سنن الدارمی حدیث: ۱۹۵۲)۔

آپ ﷺ نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی میرے بعد ہر سال دو قربانیاں دینا۔ایک اپنی طرف سے اور ایک میری طرف سے (ترمذی: ۱۴۹۵، ابوداوٗد: ۲۷۹۰)۔

کسی دوسرے کی طرف سے قربانی دینے سے پہلے اپنا واجب ادا کرنا ضروری ہے۔ حبیبِ کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔

ذبح کرنے کا طریقہ: ۔گردن میں چار رگیں ہوتی ہیں۔خوراک کی نالی جسے مری کہتے ہیں، سانس کی نالی جسے حلقوم کہتے ہیں اور دماغ کی طرف خون لے جانے والی دو شریانیں جنہیں ودجان کہتے ہیں۔مری اور حلقوم گردن کے وسط میں آگے پیچھے ہوتے ہیں جب کہ ودجان گردن

کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ ذبح کرتے وقت ان چار میں سے کم از کم تین کا کٹ جانا ضروری ہے۔ چھری خوب تیز کرلی جائے اور جانور کو بائیں کروٹ قبلہ رخ لٹا کر ذبح کیا جائے۔

زیارتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱)۔ حج کے بعد محبوب کریم ﷺ کی زیارت کے لیے جانا واجب کے قریب ہے بلکہ اسے واجب ہی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ جس ہستی کے طفیل ہمیں اسلام نصیب ہوا، حج کی عبادت عطا ہوئی، جس نے ہمیں حج کے مناسک وآداب سکھائے، آج کوئی شخص حج کر چکنے کے بعد اسی محسن ومربی کو فراموش کر کے گھر واپس آجائے تو یہ اس کی بدنصیبی کی انتہا ہے۔ خصوصاً جب کہ محبوب کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِي یعنی جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ سے بے وفائی کی (ابن عدی ۷/۱۴)۔

(۲)۔ اور فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہے (سنن الدار قطنی حدیث: ۲۶۶۹، الشفا ۲/ ۶۸، الوفا ۲/۸۰۰ ورواہ البزار ۱/ ۲/۵۷ عن موسیٰ بن ھلال)۔ اور فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی (سنن الدار قطنی حدیث: ۲۶۶۷، السنن الکبریٰ للبیہقی حدیث: ۵/ ۲۴۶)۔

(۳)۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّداً كَانَ فِيْ جَوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جس نے ارادۃً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا (الضعفا للعقیلی حدیث: ۲۱۶۳، شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۴۱۵۲)۔

اس حدیث شریف میں مُتَعَمِّداً (یعنی ارادہ کرتے ہوئے) کے لفظ سے ظاہر ہے کہ مدینہ شریف کی طرف سفر شروع کرتے وقت سرکارِ دوعالم ﷺ کی زیارت کی نیت اور ارادہ کرنا چاہیے۔ جس حدیث شریف میں ہے کہ تین مسجدوں (یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ سپیشل سفر مت کرو، تو اس حدیث شریف میں صرف مساجد کی بات ہو رہی ہے یعنی ان مسجدوں

کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی خاطر سپیشل سفر کرنا منع ہے۔ ورنہ حج کے دوران عرفات، مزدلفہ، منیٰ میں جانا، جہاد، ہجرت اور ماں باپ کی زیارت وغیرہ سب کام حرام ہو جائیں گے۔

اگرچہ قبرِ نبی، مزارِ نبی اور روضۂ رسول کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور بعض احادیث میں بھی سمجھانے کے لیے عام اصطلاح کے طور پر قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور سمجھانے کے لیے بعض اوقات ہمیں بھی یہ لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے، لیکن قبر کی زیارت کا لفظ عوام کی قبروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی شان کو عام مسلمانوں سے ممتاز رکھنے کا حکم دیا ہے (النور: ۶۳)۔ لہٰذا ہمارے لیے مناسب یہی ہے کہ قبرِ نبی کی زیارت کی بجائے نبی کریم ﷺ کی زیارت کے الفاظ استعمال کریں۔ یہی قول امام مالک رحمت اللہ علیہ کا ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۶۹)۔

قرآنی الفاظ جَاءُ وْکَ (یعنی گناہ گار لوگ تیرے پاس آ جائیں) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چند سطریں پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں مَنْ زَارَنِیُ کے الفاظ ہیں یعنی جس نے میری زیارت کی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر یہی کہا تھا کہ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یعنی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں (مسند احمد حدیث: ۲۳۶۴۸، مستدرک حاکم حدیث: ۸۷۴۹)۔ نیز محبوب کریم ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں۔ اسی لیے بعض علماء نے زیارت النبی ﷺ ہی کا عنوان قائم فرمایا ہے (مثلاً نور الایضاح صفحہ ۱۸۷)۔

(۴)۔ مدینہ منورہ کی طرف سفر، مدینہ منورہ میں داخلہ، مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں میں سفر، سواری سے اترنا اور حرمِ حبیب تک چل کر حاضر ہونا یہ تمام ایسے مراحل ہیں کہ محبت والوں کو قدم قدم پر ہماری راہنمائی کام نہیں دے سکتی۔ ہاں البتہ حرمِ حبیب ﷺ میں حاضری دینے والے خوش نصیبوں کو فقیر راقم الحروف دعا دیتا ہے کہ اللہ کریم آپ کو ادب کی توفیق دے اور محبتِ حبیب ﷺ میں مست بنائے۔

(۵)۔ جب روضۂ انور دور سے نظر آ جائے تو کثرت سے درود و سلام پڑھنا چاہیے۔

(۶)۔ حاضری سے پہلے تازہ وضو، مسواک اور اگر ہو سکے تو غسل کرنا چاہیے۔ بہترین لباس، خوشبو اور سرمہ لگا کر حاضری کے لیے نکلنا چاہیے۔

(۷)۔ مسجد شریف کی حد میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتار لینا مناسب ہے۔

(۸)۔ مسجد شریف کے باہر اپنا موبائل بند کر دیں۔

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے — فخر جبریل کو کہتے ہوئے یوں پایا گیا

اپنی پلکوں سے در یار پہ دستک دینا — اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

(حضرت خواجہ محمد فخر الدین سیالوی قدس سرہٗ)

(۹)۔ مسجد شریف کے دروازے پر پہنچ کر درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے اور ادب کا ایک انداز یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت ایک لمحہ کے لیے رُک جائیں اور رُک کر پھر داخل ہوں، جیسے اجازت لے کر داخل ہو رہے ہوں۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر مسجد میں داخل ہونے کی مسنون دعا اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ پڑھنی چاہیے اور دایاں پاؤں پہلے رکھنا چاہیے۔

(۱۰)۔ مسجد شریف میں داخل ہو کر اگر فرض نماز کا وقت ہو تو پہلے نماز پڑھیں۔ یہی نماز تحیۃ المسجد کے بھی قائم مقام ہو جائے گی۔ اور اگر نماز کا وقت نہیں تو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کریں اور اللہ کریم سے محبوب کریم ﷺ کی بارگاہِ ناز میں ادب سے حاضری دینے کی توفیق مانگیں۔

(۱۱)۔ سر جھکائے ہوئے باب السلام کی جانب سے قبر انور کی طرف چلیں۔ دوسرے زائرین کا احترام کریں۔ کسی کو دھکا مت دیں۔ زائرین کی قطاریں لمبی ہوں تو کسی کو کراس نہ کریں۔

(۱۲)۔ حبیب کریم ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں نماز یں پڑھتے ہیں (مسند ابی یعلی حدیث: ۳۴۲۵، مجمع الزوائد حدیث: ۱۳۸۱۲)۔ لہٰذا قبرِ انور کے سامنے پہنچ کر قبر انور کی طرف مُنہ کر لیں اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر لیں اور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو قبر انور میں زندہ سمجھتے ہوئے نہایت ادب کیساتھ نماز کی طرح ہاتھ باندھ لیں اور دھیمی آواز کیساتھ عرض کریں۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ

اس طرح کے درود شریف جی بھر کر پڑھیں۔ اور پھر محبوب کریم ﷺ کے احسانوں کا

شکریہ ادا کریں کہ آپ ﷺ نے ہمیں دین دیا اور سکھایا۔ آپ ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کی درخواست کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر قبلہ کی طرف سے آؤ، اپنی پشت قبلہ کی طرف کر لو اور چہرہ قبر انور کی طرف کر لو۔ پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ (مسند امام اعظم صفحہ ۱۲۶)۔

صحابہ کرام اگر نماز میں ہوتے اور انہیں محبوب کریم ﷺ آواز دیتے تو صحابہ کو اللہ کریم نے حکم دیا ہے کہ نماز توڑ کر حبیب کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ (انفال: ۲۴)۔

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں دیکھا۔ تمام صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو دیکھنا شروع کر دیا مگر پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی (بخاری حدیث: ۶۸۰، مسلم حدیث: ۹۴۴)۔

ہر نماز میں ہم اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے الفاظ کے ساتھ محبوب کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہیں۔ مگر نماز میں خلل تو درکنار اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

ایک نابینا صحابی کو محبوب کریم ﷺ نے یہ دعا سکھائی۔ وہ صحابی اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے۔ اسی دعا میں وہ کبھی اللہ تعالیٰ کو مخاطب ہوتے اور کبھی حبیب کریم ﷺ کو مخاطب ہوتے تھے۔

دعا یہ ہے کہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کا تجھے واسطہ دیتا ہوں۔ یا نبی اللہ میں آپ کے ذریعے سے اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میری حاجت روائی کرے۔ اے اللہ میرے حق میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما (ترمذی حدیث: ۳۵۷۸، ابن ماجۃ حدیث: ۱۳۸۵، السنن الکبریٰ للنسائی حدیث: ۱۰۴۹۵)۔

اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے وقت محبوب کریم ﷺ کی خدمت میں بھی درخواست پیش کر دینا اور دونوں طرف کا خطاب باہم گڈمڈ کر دینا جائز ہے۔ ان

حدیثوں سے حضور کریم ﷺ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ثابت ہے اور حضرت عثمان بن حُنَیف والی حدیث سے ہاتھ اٹھا کر دعا کی طرح عرض کرنا ثابت ہے۔

ایک مرتبہ خادمِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ محبوب کریم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوئے، آپ نے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو یوں لگا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۷۰)۔

چاند کو دیکھ کر مسنون دعا مانگنے والا اَللّٰھُمَّ کہہ کر اللہ کریم سے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اسی دوران رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہ کہہ کر چاند کو خطاب کر رہا ہوتا ہے اور اُس وقت اس کا منہ چاند ہی کی طرف ہوتا ہے، اس وقت چاند کی طرف پیٹھ نہیں کی جاتی۔ عام قبرستان میں جا کر سلام اور دعا کرتے وقت اور یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ کے دعائیہ الفاظ کہتے وقت زائر کا منہ قبرستان کی طرف ہوتا ہے نہ کہ پیٹھ۔ امام جب سلام پھیرتا ہے تو اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف پھیر کر دعا کرتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مقتدیوں سے دعا مانگ رہا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کی شان کعبہ سے بڑھ کر ہے (ابن ماجۃ حدیث: ۳۹۳۲)۔ جب ایک مومن کی شان کعبے سے زیادہ ہے تو ایک ولی کا کیا مقام ہوگا، پھر ایک صحابی کا کیا مقام ہوگا، پھر ایک نبی کا کیا مقام ہوگا اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا کیا مقام ہوگا؟ حضور ﷺ کے جسمِ اطہر کو چھونے والی مٹی عرش سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اور آپ کا روضۂ انور کعبے کا بھی کعبہ ہے، تو کعبے کے مقابلے پر حضور کریم ﷺ کی طرف پیٹھ کر لینا کتنی قبیح حرکت ہوگی؟۔

جب ہم کسی بھی مسلمان کو السلام علیکم کہتے ہیں تو بلا شبہ یہ دعا ہی ہے جو ہم اپنے مسلمان بھائی کو دے رہے ہوتے ہیں مگر یہ دعائیہ جملہ بولتے وقت ہمارا منہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہوتا ہے نہ کہ پیٹھ۔

یہ نا قابلِ تردید دلائل ہیں جن کی بنا پر علماءِ اسلام نے تصریح فرمائی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے روضۂ انور کے سامنے نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر سرکار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا چاہیے۔ چنانچہ فتاویٰ عالم گیری جو علماء کی ایک عظیم جماعت نے مل کر لکھا ہے، اس کے الفاظ یہ

ہیں کہ وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلوٰةِ یعنی اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے(فتاویٰ عالم گیریہ جلد ا صفحہ ۲۶۵)۔اور وہیں کھڑے ہو کر روضہ پاک کی طرف منہ کر کے ہر طرح کی دعائیں مانگنا بھی لکھا ہے۔

سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کے دفن ہونے کے تین دن بعد ہم نے ایک اعرابی کو دیکھا۔ وہ محبوب کریم ﷺ کی قبرِ انور پر سر ڈال کر اور اپنے سر پر قبر انور کی مٹی ڈال کر عرض کر رہا تھا۔ یارسول اللہ ہم نے آپ کی زبان مبارک سے اللہ کا فرمان سنا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ۔ یارسول اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میرے لیے اللہ سے استغفار فرمائیں۔ قبر انور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی (مدارک جلد ا صفحہ ۳۹۹، قرطبی جلد ۵ صفحہ ۲۵۵)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان بن حکم نے کسی آدمی کو محبوب کریم ﷺ کی قبرِ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ اُس نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ اُس آدمی نے کہا ہاں جانتا ہوں کیا کر رہا ہوں، ساتھ ہی جب چہرہ اسکی طرف پھیرا تو وہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمانے لگے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں، کسی بُت کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک حکمران اہل ہوں تو دین پر مت رونا اور جب دین کی حکمرانی نااہلوں کے ہاتھ میں ہو تو دین پر رونا (مسند احمد حدیث: ۲۳۶۴۸، مستدرک حاکم حدیث: ۸۷۴۹)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امیر المومنین ابو جعفر نے مسجد نبوی شریف میں بحث کی تو آپ نے فرمایا اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُم فَوقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۔ ابو جعفر نے پوچھا، میں قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا رسول اللہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا تم اس سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو جو قیامت کے دن تیرا بھی وسیلہ ہے اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہے، قبلے کی بجائے نبی کریم ﷺ کی طرف منہ کرو اور شفاعت طلب کرو، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرماتا

ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (الشفاء جلد۲ صفحہ ۳۳)۔

لہٰذا آج بھی جب دیارِ حبیب پر حاضری نصیب ہو تو عرض کریں کہ یا رسول اللہ، اللہ کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ لہٰذا ہماری شفاعت فرمائیں۔ پھر اگر کسی نے سلام عرض کرنے کو کہا تو اسکی طرف سے بھی سلام عرض کریں خواہ کسی بھی زبان میں سہی۔ محبوب کریم ﷺ تمام زبانیں جانتے ہیں۔

اس کے بعد جو چاہیں دعا مانگیں۔ فقہا علیہم الرضوان نے لکھا ہے کہ ثُمَّ تَدْعُوْ بِمَا شِئْتَ عِنْدَ وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ مُسْتَدْبِرًا الْقِبْلَةَ یعنی محبوب کریم ﷺ کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے جو چاہو دعائیں مانگو (نور الایضاح صفحہ ۱۹۲)۔

اس کے بعد سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو باری باری سلام عرض کریں اور ان کے احسانوں کا بھی شکریہ ادا کریں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اسلام کی بنیادوں میں ان کا خون پسینہ لگا ہوا ہے۔ ان دونوں ہستیوں کو عرض کریں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم آپ کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ ہماری شفاعت ہو جائے نَتَوَسَّلُ بِكُمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ يَشْفَعُ لَنَا (فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶، نور الایضاح صفحہ ۱۹۳)۔

وسیلے کے موضوع پر اس کتاب میں دعا کے باب میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

اس کے بعد فقہا علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِمَنْ اَوْصَاهُ بِالدُّعَآءِ وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی اپنے لیے دعا مانگے اور اپنے والدین کے لیے اور جس نے دعا کے لیے کہا تھا اس کے لیے اور تمام اہلِ اسلام کے لیے دعا مانگے (فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶، نور الایضاح صفحہ ۱۹۳۔۱۹۴)۔

اس کے بعد دوبارہ حبیبِ کریم ﷺ کے چہرہِ انور کے سامنے واپس آ جائیں اور دعا کریں کہ اے اللہ کریم آپ نے خود فرمایا ہے اور حق فرمایا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اے محبوب آپکی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے معافی مانگیں

اوراللہ کا رسول بھی ان کے لیے معافی مانگے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اے اللہ کریم ہم تیرے حکم پر عمل کرتے ہوئے تیرے حبیب کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے حبیب کے صدقے بخش دے۔ ہمارے ماں باپ اور حضور کی ساری اُمت کو بخش دے۔ اس کے علاوہ بھی جو دعائیں زبان پر جاری ہوسکیں مانگتا جائے۔ یہ قبولیت کا بلندترین مقام ہے۔ وَيَدْعُوْ بِمَا حَضَرَهٗ وَيُوَفَّقُ لَهٗ بِفَضْلِ اللّٰهِ (نورالایضاح صفحہ ۱۹۴، فتاویٰ عالم گیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶)۔

اس کے بعد اسطوانہ ابی لبابہ، اسطوانہ عائشہ اور حنانہ شریفہ کے پاس جا کر دعائیں مانگیں اور استغفار کریں۔ اور روضہ (جسے عام طور پر ریاض الجنہ کہتے ہیں) میں جس قدر ہو سکے نوافل پڑھیں۔ یہ تمام متبرک مقامات مسجد نبوی کے اندر موجود ہیں اور دوسرے زائرین اور راہنما عملے سے بہ آسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کے منبر مبارک پر آپکے بیٹھنے کی جگہ پر ہاتھ رکھا اور پھر اُس ہاتھ کو برکت کے لیے اپنے چہرے پر مل لیا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۷۰)۔

اسکے بعد جنت البقیع (بقیع الغرقد) کی زیارت کریں۔ بقیع میں داخل ہوتے ہی سامنے ذرا دائیں طرف حضرت عباس، حضرت امام حسن، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بالکل قریب قریب دفن ہیں۔ اور ان سب کے دائیں طرف قدرے ممتاز قبر انور سیدۃ النسآء فاطمۃ الزہراء علیٰ ابیھا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ بقیع کے گیٹ کے سیدھا سامنے سرکارِ دوعالم ﷺ کی تین شہزادیوں کی قبریں ہیں۔ انکے ساتھ ہی بائیں طرف نو ازواجِ مطہرات کی اکٹھی قبریں ہیں۔ تھوڑا آگے حضرت عبداللہ بن حارث اور حضرت عقیل بن ابی طالب کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔ تھوڑا آگے جائیں تو بائیں طرف حضرت عبداللہ ابنِ عمر، حضرت نافع اور حضرت امام مالک کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔ تھوڑا آگے چلیں تو بائیں طرف شہزادۂ رسول حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر انور خوب بڑی ہے اور اسکے سرہانے خوب موٹا پتھر موجود ہے۔ تھوڑا آگے چلیں تو شہداءِ اُحد کی قبریں ہیں جو ایک پتھریلی چاردیواری سے ممتاز کر دی گئی ہیں۔ گیٹ کے

اندر داخل ہوں تو بائیں کونے میں محبوب کریم ﷺ کی تین پھوپھیاں دفن ہیں۔ بقیع شریف کے اندر دور چلے جائیں تو تقریباً وسط میں خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر انور ہے جو بقیع کی تمام قبروں سے ممتاز اور مشرف ہے اور اسکے چاروں طرف سڑک یعنی راستہ موجود ہے۔ یہاں سے تقریباً ۵۰ گز کے فاصلے پر بائیں طرف حلیمہ سعدیہ کی قبر انور ہے۔

حضرت ابو سعید خدری اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدتنا فاطمہ بنت اسد کی قبریں بقیع شریف کے آخری بائیں کونے کے قریب ایک ہی چار دیواری کے اندر موجود ہیں۔

اگر موقع ملے تو ان ہستیوں کو الگ الگ سلام عرض کریں۔ سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، آیت الکرسی اور درود شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں۔ اگر موقع نہ ملے تو اکٹھا سلام اور ایصالِ ثواب کافی ہے۔ عَلٰی حَبِیۡبِھِمۡ وَعَلَیۡھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام

حضرت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور میدانِ اُحد میں ہے۔ بعض دیگر شہداءِ اُحد کی قبریں بھی وہیں پر ہیں۔ وقت نکال کر وہاں حاضری دیں۔ سلام عرض کریں اور ایصالِ ثواب کریں۔

مسجد قبا وہ مسجد ہے جس کا سنگِ بنیاد محبوب کریم ﷺ نے ہجرت کر کے تشریف لاتے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے رکھا تھا۔ یہ مسجد مدینہ شریف سے باہر تھی، اب آبادی بڑھنے سے شہر مقدس کے اندر آ گئی ہے۔ محبوب کریم ﷺ ہر ہفتہ کے دن اس مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے (بخاری حدیث: ۱۱۹۱، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، مسلم حدیث: ۳۳۸۹)۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے بعد یہ مسجد تمام مساجد سے افضل ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے گھر سے وضو کیا اور مسجد قبا میں جا کر نماز ادا کی اسے عمرے کا ثواب ملے گا (ابن ماجۃ حدیث: ۱۴۱۲)۔ اس مسجد میں خوب دعائیں کرنی چاہییں۔

(۱۳)۔ جہاں تک ممکن ہو روضۂ انور کی طرف پیٹھ نہ کریں۔

(۱۴)۔ شہر اقدس میں چلتے وقت اگر دور سے گنبد خضریٰ پر نظر پڑے تو روضۂ انور کی طرف منہ کر کے دست بستہ کھڑے ہو جائیں اور صلوٰۃ و سلام پڑھ کر گزریں۔

(۱۵)۔ مدینہ شریف میں اگر کوئی بیمار ہو جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچے حتیٰ کہ ایک معمولی کانٹا

بھی چبھے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ اللہ الرحمٰن کی قسم یہ سب تکالیف زائرین کے لیے رحمت ہیں۔ شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا **لَا یَصْبِرُ عَلیٰ لَاوَآءِ الْمَدِیْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعاً یَوْمِ الْقِیٰمَةِ** یعنی میری اُمت کا جو بھی شخص مدینہ کی مشکلات اور سختیوں پر صبر کرے گا قیامت کے دن میں اُسکی ضرور شفاعت کروں گا (مسلم حدیث: ۳۳۴۷، موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی سکنی المدینۃ والخروج منھا حدیث: ۳، مسند احمد حدیث: ۷۸۸۴)۔

(۱۶)۔ قیام کے دوران نماز با جماعت اور شریعت کی پابندی کریں۔

(۱۷)۔ ہر نماز کے بعد قبرِ انور پر حاضری دینے کی کوشش کریں۔

(۱۸)۔ رخصت ہوتے وقت صلوٰۃ وسلام عرض کریں، کسی خاص عنایت کی توقع رکھیں، دوبارہ حاضری کی درخواست کریں، دورانِ قیام بے خبری میں ہونے والی بے ادبیوں کی معافی مانگیں، اور نہایت ادب سے درود شریف پڑھتے ہوئے، پیٹھ کیے بغیر رخصت ہوں، عشاق کے لیے دیارِ حبیب سے رخصت ہونے کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

سوالات

۱۔ اس کتاب میں سب سے لمبا مضمون کون سا ہے اور آپ کے خیال میں اس موضوع پر اتنی تفصیلی بحث کیوں کی گئی ہے؟

۲۔ اس کتاب میں کون کون سے جدید علوم کی بنیاد رکھی گئی ہے؟

۳۔ اس کتاب کے کل کتنے ابواب ہیں ہر باب کا نام بتایئے؟

۴۔ آپ کے خیال میں اس کتاب کا کون سا ایسا مضمون ہے جسے آپ پوری کتاب کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں؟

۵۔ آپکے خیال میں اس کتاب کا نام ضابطۂ حیات کیوں رکھا گیا ہے؟

اگر!

آپ نے اِن پانچ سوالوں کے صحیح جواب دے دیے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اس کتاب کو غور سے پڑھ لیا ہے ورنہ نہیں!

آپ کا اپنا اعتماد بتائے گا کہ آپ کے جوابات درست ہیں یا نہیں۔

☆......☆......☆

اِنتساب

اگر یہ کتاب صحیح ہے تو یہ سب اُنہی کے کرم کا صدقہ ہے

اس میں میرا ہے ہی کیا جسے میں اُن کی نذر کروں۔

اور اگر!

اس کتاب میں غلطیاں ہیں تو میں کس مُنہ سے اُن کی

طرف اپنی خطاؤں کا انتساب کروں۔

میں یہی سوچتے سوچتے کتاب کے آخر تک پہنچ گیا۔

ورنہ اگر مجھ میں ہمت ہوتی تو کتاب کے شروع

میں ہی انتساب لکھ دیتا۔

مجھے کچھ پتہ نہیں۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک وسلم

میں خاموش ہوں۔

☆......☆......☆